علی مع الحق

صلی اللہ علی حبیبہ محمد
و علی آلہ و اصحابہ وسلم

سید مرتضیٰ امین نقشبندی

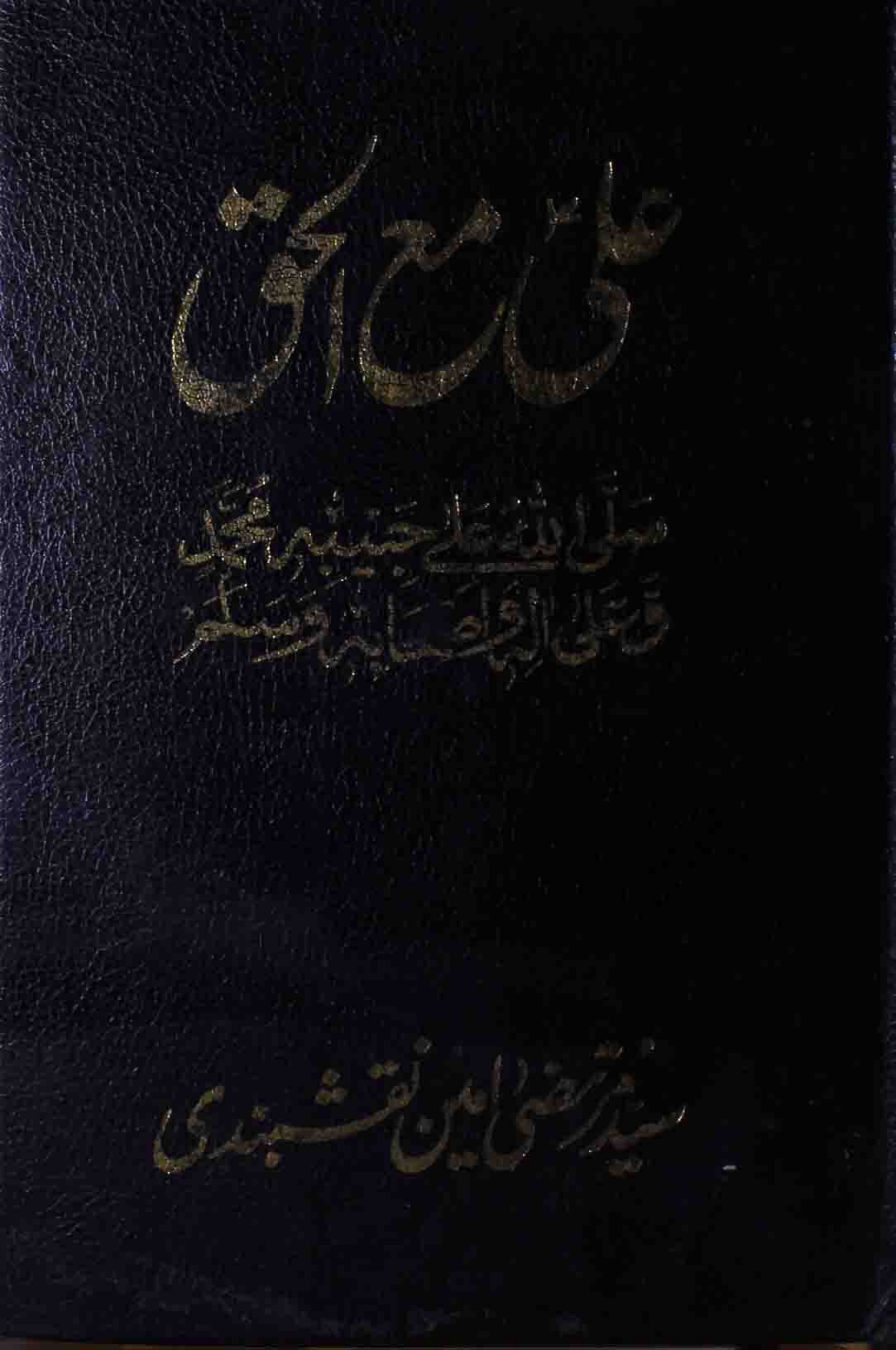

علی مع الحق

صلی اللہ علی حبیبہ محمد وآلہ واصحابہ وسلم

صاحبزادہ پیر سید مرتضیٰ امین حنفی نقشبندی مجددی
سجادہ نشین آستانہ عالیہ آلو مہار شریف تحصیل ڈسکہ ضلع سیالکوٹ

سیارہ ڈائجسٹ 16۔بی' ساندہ روڈ' لاہور
فیض الحسن ہاؤس' 5 صاحبزادہ فیض الحسن روڈ' سیٹلائٹ ٹاؤن' گوجرانوالہ

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جملہ حقوق محفوظ

احقر محمد اشرف عفی عنہ مدینۃ العلم جامعہ مجددیہ
رجب المرجب ۱۴۲۱ھ نور آباد فتح گڑھ سیالکوٹ

مصنف	سید مرتضی امین نقشبندی
ناشر	سید مرتضی امین نقشبندی
زیر نگرانی	غلام نبی شیخ
اشاعت	2000ء
کمپوزنگ	آزاد کمپوزنگ سنٹر: لاہور
پرنٹرز	مکتبہ العربیہ' لیک روڈ' لاہور
قیمت	150/- روپے

Marfat.com

انتساب

میں اپنی اِس تصنیف ِ اول "علی مع الحق" کو تہہ دل' وسعت ِ عقل' بالیدگی روح اور اِنتہائی عقیدت و اِحترام سے نسبت جسمانی میں اپنے دادا اور نسبت ِ باطنی میں اپنے پیشوائے طریقت' شاہ غوث زمان' غزالی دوراں' طبیب جسم وجاں' شہنشاہ خطابت' مجاہد اول تحریک ختم نبوت' محبوب پنجتنؑ

صاحبزادہ پیر سید فیض الحسن آلومہاروی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

کی نذر کرتا ہوں کہ جن کے معمولات ِ زندگی سے متعلق کسی نے سوال کیا تو حضرت نے فرمایا۔
"تحفظ ناموس رسالت ﷺ کی خاطر آدھی زندگی ریل میں اور آدھی جیل میں گزر گئی۔"
پھر کسی نے آپ کے ایمان سے متعلق سوال کیا' تو جواب ملا۔ "میں بیٹا علیؓ کا ہوں اور مرید صدیقؓ کا ہوں۔
اور فرماتے تھے۔ "میں عالم تصور میں ہمیشہ خود کو ایسے محسوس کرتا ہوں۔ جیسے باغ مجددؒ میں ایک شاخ پر بیٹھا پرندہ ہو کہ جو ہر دم سلاماً قولاً مِن رب الرحیم کے ورد میں گم رہتا ہے۔"
اور جب وہ نزاع حضرت پر آتا ہے تو فرماتے ہیں۔ "پردے ہٹا دو نور (محمد ﷺ) آرہا ہے۔"

دعاگو ہوں خدائے رب العزت آپ کے فیوض و برکات سے مجھ غریب کی کھیتی قلب کو سیراب فرمائے اور یہ کہ پنجتن پاکؑ کے صدقے سے میری عاقبت کو بہتر فرمائے۔ کہ جن کی پاکیزگی و طہارت ایک طرف اور اِس تمام کائنات کی پاکیزگی و طہارت دوسری طرف۔ اور یہ کہ جن کی بارگاہ میں شرف ِ بازیابی کے وقت خود طہارت کو بھی باوضو ہونا پڑتا ہے۔ اور روز محشر کو بھی مجھ ناچیز و گنہگار کو انہی کے در کی چاکری نصیب ہو۔ آمین یارب العالمین۔

سگ در پنجتنؑ!
سید مرتضیٰ امین نقشبندی

Marfat.com

باعث تحریر

اِس موضوع کو زیرِ قلم لانے کا خیال مجھے نماز عصر کے دوران آیا۔ میں یہ تو بیان نہیں کر سکتا کہ یہ خیال کیوں میرے ذہن میں عین حالتِ نماز میں گردش کر گیا۔ لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ

"حق سے متعلق اِک خیال' حق ادا کرتے ہوئے آیا"

اور جب نماز سے فراغت ہوئی اور قلم کو کاغذ پر جنبش دی 'تو یوں محسوس ہوا کہ قلم سے ادا ہونے والے اِلفاظ خود اپنے مقصد کو واضح کرنے کے منتظر ہوں۔ اور پھر جوں جوں قلم رواں ہوا میرے ذہن کے دریچے کھلتے چلے گئے۔ اگر میں یہ کہوں کہ میں اپنی وسعتِ فکر سے وسعتِ موضوع کا مکمل احاطہ کر لیا' تو بلاشبہ یہ غلط ہو گا۔ البتہ مجھ حقیر کی جانب سے یہ ایک ادنیٰ سی کاوش ہے کہ جسے بارگاہ ربوبیت میں قبولیت حاصل ہو۔

بہرکیف! اس موضوع کو ترتیب دینے کی دوسری بنیادی وجہ یہ بھی تھی کہ واضح کر سکوں کہ حُب اہل بیتؑ' اہل سنت والجماعت کے نزدیک جزو ایمان ہے اور یہ کہ اِس حُب پر کسی مخصوص گروہ کی اجارہ داری نہیں۔ بلکہ اگر کہوں کہ اہل سنت والجماعت ہی درحقیقت اِتباع اہل بیتؑ میں ہیں۔ تو کچھ غلط نہ ہو گا۔ کیونکہ اگر یہ پیکر صداقت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو صدیق مانتے ہیں تو اِس بنا پر کہ وہ محمد ﷺ و آل محمد ﷺ کی محبت میں سچے تھے۔ عمر رضی اللہ عنہ کو فاروق مانتے ہیں تو بھی اِسی بنا پر کہ وہ اِس آل رسول ﷺ کی حُب

Marfat.com

میں خود کو غلام تصور کرتے۔ اور عثمان رضی اللہ عنہ کی سخاوت کا اِقرار کرتے ہیں۔ تو بھی اِسی بنا پر کہ انہوں نے اِس حُب کی راہ میں اپنا مال خرچ کیا۔ تو پھر یہ کہنا درست ہو گا کہ یہ اہل سنت والجماعت ہی در حقیقت افکار اہل بیتؑ پر برسرپیکار ہیں۔

تیسری وجہ میں یہ کہنا مقصود ہے کہ جس قلب میں حُب علیؑ نہ ہو' تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حُب میں بھی صریحاً منافقت رکھتا ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی اور علیؑ کی حقیقت کو کسی موقع پر بھی جدا جدا نہیں ہونے دیا۔ حتیٰ کہ جس وقت مہاجر اور اِنصار کو بھائی بھائی بنایا گیا تو اُس وقت بھی علیؑ ہی کو اپنا دنیا و آخرت کا بھائی قرار دیا۔ حالانکہ آپؑ اور علیؑ دونوں ہی مہاجرین میں سے تھے اور باقی تمام کے معاملے میں ایک مہاجر کو ایک انصار کا بھائی بنایا۔

دعا ہے خدائے عزوجل اِس حُب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و آل رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر خاتمہ نصیب فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

طالب دعا!
مرتضیٰ امین آلومہاروی
01-02-2000

Marfat.com

تفصیل ابواب

باب1	شان اہل بیت سلام اللہ علیہما	7
باب2	حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ	27
باب3	صفاتِ علیؑ کا علمی تجزیہ	115
باب4	شہادت	149
باب5	خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہ کے گھرانہ علیؑ سے تعلقات	166
باب6	جنگِ جمل: ایک غلط فہمی	221
باب7	اقوال علی کرم علی وجہہ	242

☆☆☆

شان اہل بیت سلام اللہ علیہما

اِن کی پاکی کا خدائے پاک کرتا ہے بیاں
آئینہ تطہیر سے ظاہر ہے شان اہل بیت

اِسلام کے بارے میں کچھ کہنے' سمجھنے سے قبل اِس اَمر سے بخوبی واقفیت ضروری قرار پاتی ہے کہ اب تک خدائے رب العزت نے جتنے پیغمبرؑ اپنی اقوام پر مبعوث فرمائے۔ ان سب کیلئے مختلف مذاہب ترتیب دیئے کہ جن پر چل کر اس دور کی اقوام فلاح پا سکتیں تھیں۔ ان مذاہب کی تشریح کیلئے بعض پر تو الہامی کتب نازل ہوئیں اور بعض کو فقط وحی کی صورتوں میں واضح کیا گیا۔ ان سب کیلئے خدائے رب العزت نے "مذاہب" کا لفظ ارشاد کیا۔ قرآن میں تمام گزشتہ اُمتوں کیلئے مذہب کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ لیکن اگر اسلام کے حوالے سے قرآن کا مطالعہ کریں تو یہ اُمت مسلمہ ہی ہے کہ جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے مذہب نہیں بلکہ "دین" کا لفظ استعمال کیا ہے اور دین کا مطلب "مکمل ضابطہ حیات" ہے۔

اللہ کے ہر کام میں کوئی نہ کوئی مصلحت و حکمت پوشیدہ ہوتی ہے۔ چونکہ اُس نے پیغمبر آخرالزماں حضرت محمد ﷺ کو خاتم النبین بنا کر بھیجنا تھا اس لیے آپ سے منسلک تمام چیزوں اور اعمال کو ایک مکمل ضابطہ حیات کا درجہ دے دیا۔ اگر

Marfat.com

اخلاق آخرالزماں ﷺ کو دیکھیں تو وہ بھی ایک کامل مثالی نمونہ پیش کرتا ہے۔ جیسا کہ قرآن ارشاد فرماتا ہے:

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِی رَسُولِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَہ

"بے شک تمہارے لیے محمد الرسول ﷺ کی زندگی ایک مثالی نمونہ ہے۔"

زندگی کا کوئی بھی شعبہ ہو ہر شخص اپنی استطاعت کے مطابق اسوۂ رسول اللہ ؐ سے رہنمائی اور فیض حاصل کر سکتا ہے۔ اگر قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت کی طرف دیکھا جائے تو وہ بھی قیامت تک ایک مکمل ضابطہ حیات پیش کرتا ہے۔ آپ ﷺ اور قرآن مجید کی تعلیمات نہ صرف امت مسلمہ کے لیے بیان ہوئی ہیں بلکہ قیامت تک کے لوگوں کے لیے ان میں نفع اور رہنمائی ہے۔ دینِ اسلام اور قرآن مجید کے بعد اگر ہم احادیث نبوی ﷺ کا مطالعہ کریں تو آپ ﷺ سے منسلک ایک اور چیز کا خیال احاطہ عقل میں آتا ہے اور وہ ہے "شان اہل بیت ؑ" جیسا کہ حضور ﷺ کا ارشاد پاک ہے۔

"میں تم میں وہ چیز چھوڑتا ہوں کہ جب تک اسے پکڑے رہو گے تو میرے بعد کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ ان میں سے ایک دوسری سے بڑی ہے۔ اللہ کی کتاب ہے جو اللہ کی دراز رسی ہے' دوسرے میری اولاد گھر والے۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ حوضِ کوثر پر میرے پاس آئیں گے۔ لہٰذا تم دیکھو کہ تم ان دونوں میں میری کیسی نیابت کرتے ہو۔" (ترمذی)

اس حدیث کے مطابق قرآن کو مزید واضح کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ ایک تو یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کو وراثت میں چھوڑا ہے۔ دوسرا یہ کہ قرآن خود اپنی حفاظت کی ذمہ داری لیتا ہے اور تمام مخالفین کو چیلنج کرتا ہے اور پھر خود ہی نتیجے سے بھی آگاہ کر دیتا ہے کہ تم کبھی بھی اس کا مقابلہ نہ کر پاؤ گے۔ لیکن

Marfat.com

شان اہل بیتؑ پہلے تو مندرجہ بالا حدیث سے ظاہر ہے کہ یہ بھی قرآن کی طرح میں (رسول اللہ) اپنی وراثت میں چھوڑے جا رہا ہوں اس کی اطاعت کرنا۔ چونکہ رسول ﷺ کا ہر فرمان وحی الٰہی کا منتظر ہوتا ہے اس لیے آپ کا یہ کہنا کہ اہل بیتؑ کی اطاعت کرنا۔ یہ بھی ارشاد خداوندی ہی ہے اور خدا کا ہر فرمان فرض کی حیثیت رکھتا ہے اور جو اس سے اِنحراف کرتا ہے تو وہ گویا مرضی خدا سے اِنحراف کرتا ہے۔ علاوہ اَزیں قرآن خود بھی صراحت کے ساتھ اہل بیتؑ کی اس بزرگی و برتری کا اعلان ان الفاظ میں کرتا ہے:

"اللہ یہی تو چاہتا ہے۔ اے نبیؐ کے گھر والو! کہ تم سے ہر ناپاکی دور فرما دے اور تمہیں پاک کر کے خوب ستھرا کر دے۔"

(سورۂ الاحزاب' آیت نمبر ۳۳)

"مقالاتِ فیض" میں خطیب الاسلام صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ آلو مہاریؒ اہل بیتؑ کی اس خصوصیت اور آیتہ تطہیر کی تفسیر کو نہایت خوبصورت الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

"دیہات کی زمیندار مستورات جب مٹی کے برتن خریدتی ہیں تو آٹا رکھنے والے اور پانی یا اناج ڈالنے والے برتن کو معمولی دیکھ بھال کے بعد خریدتی ہیں۔ لیکن جب دودھ والے برتن کی باری آتی ہے تو اسے خاص اہتمام سے خوب دیکھ بھال کر خریدا جاتا ہے اور خیال رکھا جاتا ہے کہ مٹی بھی اچھی ہو' اچھے کاریگر کا تیار کردہ ہو' شکل و صورت بھی عمدہ ہو اور پھر گھر کی مالکہ دودھ والے برتن کی صفائی اور دیکھ بھال بھی خود کرتی ہے۔ تاکہ دودھ خراب نہ ہو جائے۔ رات کو حفاظت سے سنبھال کر اپنی چارپائی کے نیچے رکھتی ہے کہ کہیں کوئی جانور دودھ کو ضائع نہ کر دے۔ جس برتن کی تعمیر اور حفاظت کا اہتمام اس درجہ سے کیا جائے۔ اس کے متعلق یقین ہوتا ہے کہ اس میں کوئی قیمتی چیز ڈالنی

Marfat.com

ہے ورنہ دوسرے تمام برتنوں سے زیادہ اس کی دیکھ بھال نہ ہوتی۔ اس طرح سے اہل بیتؑ کی تخلیق اور تربیت کے لیے قدرت نے جو خصوصی اہتمام کیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قدرت ایک فقید المثال اور یگانہ روزگار وجود تیار کرنا چاہتی تھی۔"

اس طہارت و پاکیزگی کی بناء پر اُم المومنین حضرت اُم سلمہؓ روایت کرتی ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

"علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ و حسینؑ کے علاوہ کسی بھی جنبی اور حائضہ کیلئے یہ مسجد رہنے کے لیے حلال نہیں۔" (امام بیہقی)

پھر فرمایا:

"میرے یہ اہل بیتؑ کشتی نوحؑ کی مانند ہیں۔"

یعنی جو اس کشتی میں سوار ہو جائے گا وہ فلاح پائے گا جو اس سے دور رہے گا تو وہ فرزند نوحؑ کی مانند غرق ہو جائے گا۔ یہ کشتی ایسی ہے کہ اس کا راستہ ازل سے راہ حق پر مقرر کر دیا گیا ہے اور یہ ایک ایسا سفینہ ہے کہ جو طوفان باطل میں کبھی بھی اپنی راہ سے بھٹک نہیں سکتا اور جو بھی اس کے ہمراہ گامزن رہا تو اس نے حق کو پالیا ہے اور اس کے لیے اس کے رب کی جانب سے خیر و برکت ہے اور جس نے اس کو طوفان باطل کے مدمقابل حقیر جانا اور مادیت میں کھو کر اس کے مدمقابل آیا۔ تو اس کے لیے اس کے رب کی جانب سے سخت ترین عذاب ہے۔ جیسا کہ حضرت زید بن ارقمؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت علیؑ، حضرت فاطمہؑ، حضرت حسنؑ اور حضرت حسینؑ کے متعلق فرمایا:

"میں اس سے جنگ کرنے والا ہوں جو ان سے جنگ کرے اور اس سے صلح کرنے والا ہوں جو ان سے صلح کرے۔ (مواہب الرحمٰن، پارہ اول)

اب تاریخ شاہد ہے کہ کس نے ان سے جنگ کی اور کس نے ان سے صلح۔ پس جس نے صلح کی ان کو ہم حق پرست مانتے ہیں اور جو ان کے مدمقابل آیا تو اس

Marfat.com

کو باطل پرست۔

چنانچہ دیلمی نے کتاب الفردوس میں آنحضرت ﷺ کا یہ قول نقل کیا ہے۔ یعنی آپ فرماتے ہیں:

"تم سب سے زیادہ صراط پر ثابت قدم اور مستقیم رہنے والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ میرے اہل بیتؑ کو دوست رکھتا ہے۔"

بہرحال اہل بیتؑ اطہار کے حق میں اللہ رب العزت نے طہارت اور ذہاب رجس کی گواہی دی ہے اور جب ان کی جانب مقدس و مطہر کے سوا کوئی دوسرا منسوب ہی نہیں ہو سکتا اور اس نسبت کے باعث آدمی عنایت الٰہی کا اس درجہ مستحق ہو جاتا ہے تو خود اہل بیتؑ کی مقدس ہستیوں کے بارے میں کیا گمان ہونا چاہیے؟ معلوم ہوا کہ وہ حضراتؑ نہ صرف پاک صاف بلکہ عین طہارت ہیں۔ پس یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اہل بیتؑ کو اس آیت کریمہ میں بھی شامل فرمایا ہو گا۔ اور وہ یوں ہے:

"تاکہ اللہ تعالیٰ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے۔" (سورۃ الفتح، آیت نمبر2)

یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب نامدار کو مغفرت کے ساتھ اس چیز سے پاک صاف رکھا جو ہمارے حق میں گناہ ہے اور ایسا کوئی فعل اگر رسول اللہ ﷺ سے سرزد ہو تو خواہ وہ دیکھنے والے کو ظاہراً گناہ نظر آئے لیکن حقیقت میں گناہ ہرگز نہ ہو گا۔ کیونکہ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور شرعاً ہماری جانب سے کوئی مذمت لائق نہیں ہو سکتی۔

پس سیدہ فاطمۃ الزہرہؑ کی اولاد امجاد اور حضرت سلیمان فارسیؓ جو قیامت تک زمرۂ اہل بیتؑ میں ہیں وہ مذکورہ آیت کریمہ کے حکم مغفرت میں بھی شامل ہیں۔ ایسے جملہ حضرات فخر کون و مکاں، افتخار زمین و زماں ﷺ کے شرف اور اللہ تعالیٰ کی عنایت کے ساتھ خاص طور پر پاک صاف ہیں اور اہل بیتؑ کے اس

Marfat.com

خصوصی شرف کا مظاہرہ حقیقت میں بروز قیامت ہو گا۔ کیونکہ یہ حضرات قدسی صفات قبروں سے مغفور و مرحوم ہی اُٹھائے جائیں گے اور اس دار عمل و مکافات میں اگر ان میں سے کسی پر حد قائم کرنا لازم آئے گا تو تائب کی طرح اس پر حد قائم کی جائے گی۔ جس نے زنا کیا یا چوری کی یا شراب پی اور اس کی شکایت حاکم تک پہنچی اور حاکم اس پر اس حالت میں حد قائم کر رہا ہو کہ اس نے توبہ کر لی ہے۔ ایسے کی مغفرت چونکہ ثابت ہے۔ لہٰذا اس کی مذمت جائز نہیں۔ پس ہر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ پر اور اس کے کلام معجز نظام پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہیے کہ اللہ رب العزت کے اس ارشاد عالی کی دل و جان سے تصدیق کرے۔ جیسا کہ اس نے فرمایا ہے۔

"بے شک اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ اے اہل بیتؑ! تم سے ہر قسم کی گندگی کو دور کر کے تمہیں پاک و صاف فرمائے۔"

اور اہل بیت اطہارؑ سے اگر کوئی ناشدنی فعل سرزد ہو جائے تو اس کے متعلق یہی گمان کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ان سے دَرگزر فرماتا ہے اور کسی مسلمان کے لیے یہ ہرگز جائز نہیں ہے کہ ایسے کسی امر کے باعث ان کی مذمت کرے۔ اور نہ کسی ایسے فعل کے سبب جو کار خیر ہو۔ لیکن وہ اسے نہ کر سکے تو ان کے تقویٰ و طہارت کی پاک و صاف چادر کو داغدار کرنے کا وبال اپنے سر نہ لے۔ کیونکہ انہیں اللہ تعالیٰ نے ایسا پاک کیا ہے کہ ہر طرح کی گندگی ان سے دور فرما دی ہے۔ یہ ان کے حال پر اللہ تعالیٰ کی خاص کرم نوازی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہے فرمائے اور وہ بڑا فضل والا ہے۔

شیخ اکبر فرماتے ہیں کہ جب تیرے نزدیک اہل بیت اطہارؑ کا مرتبہ واضح ہو چکا جو اللہ تعالیٰ نے انہیں مرحمت فرمایا ہے اور کسی مسلمان کیلئے یہ ہرگز جائز نہیں ہے کہ ان سے واقع ہونے والے کسی فعل پر ان کی مذمت کرے۔ کیونکہ رب کریم نے انہیں پاک صاف فرمایا ہے۔ ان حالات میں مذمت کرنے والے کو جان

Marfat.com

لینا چاہیے کہ یہ مذمت اسی کی جانب لوٹے گی۔ کیونکہ اس کی نظر میں اگر ان حضرات قدسیؑ نے کوئی ظلم کیا تو وہ فعل ان کے گمان میں ظلم ہو گا۔ لیکن حقیقت نفس الامری کے لحاظ سے ہرگز ظلم نہیں ہو گا خواہ ظاہر شرع بھی اس کی ادائیگی کا فیصلہ کر لے۔ کیونکہ ان حضرات کا ہمارے اوپر ظلم کرنا حقیقت میں تقدیر الٰہی کے جاری ہونے کی طرح ہے۔ جیسے تقدیر الٰہی سے جان و مال کے غرق ہونے، جل جانے اور دوسرے طریقوں سے ہلاکت کے واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں یا جیسے کسی کا کوئی دوست یا عزیز جل کر مر جائے یا خود اسے کوئی صدمہ پہنچے۔ چونکہ یہ اس کی رضا و رغبت کے مطابق نہیں۔ اس کے باوجود اسے یہ ہرگز اجازت نہیں ہے کہ قضائے الٰہی کی مذمت کرنے بیٹھ جائے۔ بلکہ اس کیلئے ضروری ہے کہ ایسے مواقع پر تسلیم و رضا کا دامن مضبوطی سے تھامے۔ اگر اس سے نچلے درجے پر رہنا ہے تو صبر کرے اور اگر بلند منصب حاصل ہے تو مصائب پر بھی شکر ادا کرے۔ کیونکہ مصائب کی برداشت کے مطابق نعمتیں ہیں۔ مذکورہ راستوں کے علاوہ اور کوئی طرز عمل اختیار کرنا بہتر نہیں ہے۔ علاوہ بریں دیگر راستوں میں تنگی، سختی، رضائے الٰہی پر راضی نہ رہنا اور سوء اَدب کے سوا اور کچھ نہیں ہے (جواہر البحار)

مختصراً یہ کہ ان برگزیدہ ہستیوں کو غلط ثابت کرنے کے لیے ہم کسی دلیل کا سہارا نہیں لے سکتے۔ کیونکہ ان کی حقیقت عقلی دلائل سے بڑھ کر ہے اور ان کو فقط عشق کے آئینے میں دیکھنا ہے۔ کیونکہ اس ذات عزوجل نے بھی ان کو محبوب جانا ہے۔ مولانا کوثر نیازی اپنی تصنیف "اندازبیاں" میں اس حقیقت کو بڑی خوبصورتی سے واضح کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

"یہ اہل بیتؑ کا ذکر وہ ہے کہ جو اپنا نتیجہ بھی آپ ہے جو خود مقصود ہے۔ اس سے نتیجہ نکلے تو سبحان اللہ وگرنہ یہ خود اپنا نتیجہ آپ ہے۔ یہ وہ لمحے ہیں، ذکر پاک کے لمحے کہ جن میں عبد اور معبود کے درمیان سے پردے اُٹھ جاتے ہیں۔ جہاں عبد اس مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ جو معبود کا

Marfat.com

مقام ہے۔ یہ سب کچھ میں نہایت سوچ سمجھ کر کہہ رہا ہوں اور یہ وہ لمحے ہیں کہ معبود اس مقام پر آتا ہے۔ کوئی مقام ایسا نہیں فقط ایک مقام کے سوا۔ جتنی عبادات ہیں۔ سب کی سب عبد کے لیے خاص ہیں۔ جتنے اعمال ہیں وہ سب عبد کے لیے خاص ہیں۔ نماز میں وہ ذات واحد لا شریک نہیں ہے۔ روزہ عبد کا کام ہے۔ معبود اس میں شریک کار نہ ہوگا۔ حج یہ عبد کا عمل ہے معبود کا نہیں۔ مگر ایک مقام ایسا کہ جہاں عبد اور معبود دونوں ایک ساتھ شریک ہوتے ہیں اور قرآن کہتا ہے کہ یہ مقام وہ ہے کہ "اے اہل ایمان! میں اور میرے فرشتے اپنے حبیب ﷺ پر درود و سلام بھیجتے ہیں۔ اس لیے تم بھی اس پر درود و سلام بھیجو۔" اب یہاں پر اس تفصیل کی ضرورت نہیں کہ یہ عبد کا عمل ہے یا معبود کا۔ مگر یہ وہ عمل ہے کہ جہاں عبدیت اس مقام پر پہنچتی ہے کہ جو ذات صمدیت کا مقام ہے۔

لوگوں کو یہ بڑی خوش فہمی ہے کہ سلام و صلوٰۃ جو محمد ﷺ و آل محمد ﷺ پر بھیجا جاتا ہے تو اس میں ہم سب شریک ہیں اور ہم سب ایک جیسے ہیں۔ لیکن اگر یہ اتنا ہی بلند مقام ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کو خود اپنے لیے پسند فرماتا اور تمام لوگوں کو کہتا کہ وہ اس میں شریک ہوں۔ لیکن یہ مقام پاک تو اس کے رسول ﷺ کا امتیاز ظاہر کرتا ہے اور اگر ہم سب اس میں شریک ہو گئے تو امتیاز باقی کہاں رہا؟ اس لیے میں تو فقط اس ایمان اور نیت کے ساتھ درود بھیجتا ہوں کہ یہ صاحب بیعت کے لیے ہے اور اس کے اہل بیتؑ کے لیے۔"

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ آل اور اہل کے مختلف معنی ہیں جبکہ قرآن مجید کی رو سے آل اور اہل متحد المعنی ثابت ہیں۔ فرشتوں نے حضرت لوطؑ سے کہا

Marfat.com

فاسر باھلک بقطع من الیل (سورۂ ہود' آیت)

(یعنی) تم اپنے اہل کو لے کر کچھ رات رہے نکل جاؤ۔

دوسرے مقام پر اسی بات کو یوں فرمایا گیا ہے۔

الاال لوط نجیناھم بسحر (سورۂ قمر' آیت 34)

(یعنی) مگر ہم نے آل لُوط کو صبح ہوتے ہوتے نجات دے دی۔

جب لفظ آل کسی شخص کی طرف مے مضاف ہو۔ تو اِس سے مراد قوم نہیں بلکہ ذریت ہوتی ہے۔ اور یہ بات قرآن سے ثابت ہے۔

(ترجمہ) "اللہ نے آدم اور نوح اور آل ابراہیم اور آل عمران کو سارے جہانوں سے چن لیا ہے۔" (سورۂ آل عمران' آیت 33)

اس آیۂ مبارکہ میں دو انسانوں اور دو گروہوں کے اصطفاء کا تذکرہ شرافت و بزرگی کے اظہار کے لیے علیحدہ علیحدہ کہا گیا۔ حالانکہ آل عمران آل ابراہیم میں داخل ہیں۔ اَب یہ آل ابراہیم کون ہیں۔ اسے سمجھنے کے لیے اس آیۂ مبارکہ کا مطالعہ ضروری ہے۔

(ترجمہ) "اور جب ابراہیم کا ان کے رب نے چند باتوں سے امتحان لیا اور انہوں نے ان باتوں کو پورا کیا تو کہا میں تمہیں انسانوں کا امام بنا رہا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ میری ذریت میں ہے کہا کہ میرا عہد ظالموں تک نہیں پہنچے گا۔" (سورۂ بقر' آیت 124)

اس دعا میں ابراہیمؑ نے اپنی ذریت کے لیے منصب ہدایت مانگا ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہیں قرآن نے آل ابراہیم کہا ہے اور ان کے مصطفیٰ ہونے کا اعلان کیا ہے۔ اگر اس سے ذریت کی جگہ اُمت مراد ہوتی تو فقط بنی اسرائیل اور بنی اسماعیل میں سے اصطفاء نہ ہوتا' بلکہ اُمت ابراہیم سے بھی ہوتا۔

بعض روایات سے بھی اُمت اور آل کا فرق معلوم کیا جا سکتا ہے۔ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرمؐ نے وقت ذبح فرمایا

"بسم اللہ اے اللہ! اِسے محمدؐ' آل محمد اور اُمت محمد کی جانب سے قبول

Marfat.com

فرما۔" (صحیح مسلم' جلد ثانی' صفحہ 156)

اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر آل اور اُمت مترادف ہیں تو ان دونوں میں سے ایک لفظ غیر ضروری ہو گا۔ اور اگر آل سے مراد متبعین ہوں اور اُمت سے مراد منکرین و متبعین دونوں ہوں۔ تو رسول اکرم ﷺ کی یہ قربانی منکرین کی طرف سے بھی قرار پائے گی۔ اور ظاہر ہے کہ ایسا ممکن نہیں۔

"اللہ بھی نور' کتاب مبین بھی نور اور سرکار ﷺ بھی نور۔"

کتاب مبین قرآن موجود ہے نور رسالت کی جگہ۔ جب نور اپنی جگہ سے ہٹے گا تو پھر اس نور کی جگہ پر نور ہی آئے گا۔ ممکن ہے کہ آفتاب و ماہتاب گرد و غبار کی وجہ سے دھندلا جائیں یا پھر بادلوں کی اُوٹ میں چلے جائیں۔ لیکن حقیقت تو ان کی اُوٹ میں رہ کر بھی وہی رہے گی اور جب غبار کے بادل چھٹیں گے تو وہ دوبارہ ہر شے کو روشن کر دیں گے۔ اس لیے میرا یہ ایمان ہے کہ جس طرح نور الٰہی کے لیے محمد ﷺ کا ظہور ہوا اور ہر شے بقعہ نور بن گئی اور پھر جب وہ نور اپنے مقام پر نور کتاب مبین کو چھوڑ گیا تو دنیا اس سے فیض یاب ہوتی رہی اور جب دنیا کا گرد اس نور کو دھندلائے گا تو پھر وہ وقت نزدیک ہو گا کہ جب پھر نور کی جگہ نور ہی رہے گا۔ اور آل محمد ﷺ سے نور مہدیؑ ظاہر ہو گا کہ جس سے باطل کے بادل چھٹیں گے اور یہ نور بھی روز محشر نور الٰہی میں واپس لوٹ جائے گا۔

حضرات! آج یہ امر انتہائی تکلیف دہ ہے کہ ایک طرف تو اس دیس میں گورو نانک کا بھی ذکر ہوتا ہے۔ رام چندر کا بھی ذکر خیر ہوتا ہے۔ کرسمس اور ایسٹر کو بھی بڑے شایان شان طریقے سے منایا جاتا ہے اور ان کے تہواروں کو بڑی پذیرائی ملتی ہے۔ یہاں تک کہ ٹی وی پر حضرت مسیحؑ کو صلیب پر چڑھاتے ہوئے بھی دکھایا جاتا ہے۔ لیکن کیا آج تک کبھی ان کے خلاف احتجاج کی قرارداد موصول ہوئی۔ لیکن یہ ذکر حسینؑ کیسا ذکر ہے؟ کہ جب یہ ہوتا ہے تو اس حسینؑ کے نانا ﷺ کا کلمہ پڑھنے والوں کی رگ پھڑک اٹھتی ہے اور ہر طرف سے احتجاج کی

Marfat.com

قرار دادیں موصول ہوتی ہے کہ اس ذکر پر پابندی لگائی جائے۔ ایک مسلم ریاست میں جہاں غیر مسلم کے عقائد کو بھی ایک پائیدار تحفظ فراہم کیا جاتا ہے تو کیا وہاں پیغمبر اسلام ﷺ کے نواسے کے ذکر کو ٹھنڈے پیٹوں برداشت بھی نہیں کیا جا سکتا۔ کہنا فقط اتنا ہے کہ ہر روز ہم کئی احتجاجی پارٹیوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ رنگ برنگے پرچم لہراتی رہتی ہیں اور سیاہ رومال اپنے سروں پر باندھے رکھتی ہیں اور شب و روز مختلف ماڈل بنتے اور بگڑتے ہیں۔ کسی کو تکلیف نہیں ہوئی۔ تو پھر کیا بات ہے کہ آل محمد ﷺ پر ڈھائے گئے مظالم کے خلاف جب احتجاج ہوتا ہے تو وہ ان سے برداشت نہیں ہوتا اور وہ اس کی جانب دیکھنا تک بھی گوارا نہیں کرتے۔ گویا معلوم ایسا ہی ہوتا ہے کہ نام نہاد مسلم ریاست میں یزیدیت آج بھی پھڑکتی ہے۔

حضرات! اس وقت تک قرآن کی بنیاد پر مجوزہ نظام تعلیم رائج نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس معاشرے میں آل محمد ﷺ کا تصور نہ ہو گا۔ میں اپنے اہل علم اور اہل شعور رکھنے والے علماء کرام سے فقط اتنا کہوں گا کہ آپ کن وسوسوں میں گھر کر اسلامی حکومت قائم کرنے چلے ہیں۔ مجھے سمجھ نہیں آتی کہ یہ دنیا والے آج اتنے ظالم کیوں ہیں۔ کتنے بے نیاز ہو کر اہل بیتؑ پر ہوس اقتدار کا بہتان لگاتے ہیں۔ دنیا میں بڑی بڑی حکومتیں معرض وجود میں آئی ہیں' بڑے اچھے اچھے حکمرانوں پر انگلیاں اُٹھائی جا سکتی ہیں۔ لیکن آسمان نے شاذ و نادر ہی دیکھا ہو گا کہ شہنشاہ دو عالم ﷺ کی لڑکی اپنے والد کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے ہاتھوں کے چھالے دکھائے اور عرض کرے کہ:

"بابا جان! دیکھئے کہ چکی پیستے پیستے ہاتھوں کا یہ حال ہو گیا اور دیکھئے کہ پانی کی مشک ڈھو ڈھو کر پیٹھ داغ دار ہو چکی ہے۔ آباجان مجھے لونڈی دی جائے۔"

اور حضور ﷺ فرمایا کرتے تھے۔

"فاطمہؑ! تمہیں لونڈی نہیں مل سکتی کیونکہ وہ مدینے کے ضرورت

Marfat.com

مندوں کے لیے ہے۔"

تم پر درود و سلام! اے اہل بیت رسول ﷺ، تم نے اپنے خون سے اسلام کے چمن کی آبیاری کی۔ اُمت محمد ﷺ مر کر بھی دوبارہ جنم لے تو تب بھی تمہارے احسانات کا بدلہ نہیں چکا سکتی۔ ؎

نہ جب تک کٹ مروں خواجہ یثرب کی چوکھٹ پر
خدا شاہد ہے کامل میرا ایماں ہو نہیں سکتا

اہل بیتؑ پر مزید کچھ بیان کرنے سے پہلے حضور ﷺ کے اس خطبے کی طرف رجوع کیا جائے کہ جس میں انہوں نے شان اہل بیتؑ واضح کی اور یہ جان لینا چاہیے کہ یہ اہل بیتؑ کون لوگ ہیں؟ حضرت زیدؓ بن حیان سے روایت ہے کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ ہم لوگوں میں خطبہ دینے کے لیے اس پانی کے کنارے کھڑے ہوئے جس کو "خم" کہا جاتا ہے اور جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ہے۔ آپ ﷺ نے اللہ کی حمد و ثناء کی اور وعظ و نصیحت فرمائی۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

"امابعد! اے لوگو! میں بشر ہوں اور قریب ہے کہ میرے پاس، میرے رب کا قاصد بلانے کے لیے آئے اور میں اس کا کہا مان لوں اور میں تم لوگوں میں بھاری بھر کم چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔ ان میں سے پہلی چیز کتاب اللہ ہے۔ جس میں ہدایت ہے، نور ہے، تم اللہ کی کتاب لو اور اسے مضبوطی سے پکڑو۔ چنانچہ آپؐ نے کتاب اللہ پر آمادہ کیا اور اس کے بارے میں رغبت دلائی اور فرمایا دوسری چیز میرا گھرانہ ہے۔ تمہیں اپنے اہل بیتؑ کے بارے میں خدا یاد دلاتا ہوں۔" (مسلم)

جب یہ واقعہ حضرت زید رضی اللہ عنہ روایت کر رہے تھے تو ایک شخص نے پوچھا کہ آپؐ کے اہل بیتؑ کون ہیں؟ کیا آپ کی ازواج مطہراتؓ آپؐ کی اہل بیتؑ نہیں ہیں؟ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ آپ رضی اللہ عنہ کی ازواج بھی آپؐ کی اہل

بیتؑ میں سے ہیں۔ لیکن آپؐ کے اہل بیتؑ وہ لوگ ہیں کہ آپؐ کے بعد جن پر صدقے کا مال حرام ہے۔ پوچھا وہ کون لوگ ہیں؟ تو حضرت زیدؓ نے فرمایا وہ حضرت علیؑ، حضرت عقیل رضی اللہ عنہ، حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور ان کی اولادیں ہیں۔

اب جبکہ یہ واضح کر چکا کہ اہل بیتؑ کون ہیں تو مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ کائنات کا یہ نظام شمسی اس وقت تک قائم و دائم رہے گا جب تک اس عالم میں محبوب رِدو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت رِعظامؑ تشریف فرما ہیں۔ چنانچہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

"ستارے آسمان والوں کے لیے سلامتی کا باعث ہیں۔ جب ستارے جھڑ جائیں گے آسمان والے فنا ہو جائیں گے اور (ایسا ہی) میرے اہل بیتؑ زمین والوں کے لیے سلامتی کا باعث ہیں۔ جب یہ نہ رہیں گے تو اہل زمین ختم ہو جائیں گے۔"

ابو الشیخ اور دیلمی نے روایت کیا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"کوئی بندہ مومن کامل کا درجہ نہیں پا سکتا۔ جب تک میں اس کو اس کی جان سے زیادہ پیارا نہ ہو جاؤں اور میری اولاد اس کو اپنی اولاد سے زیادہ پیاری نہ ہو اور میرے اہل اس کو اپنے اہل سے زیادہ محبوب نہ ہوں اور میری ذات اس کو اپنی ذات سے زیادہ عزیز نہ ہو۔"

دیلمی بیان کرتے ہیں کہ حضور گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"جو اللہ کی محبت رکھتا ہے وہ قرآن کی محبت رکھتا ہے اور جو قرآن کی محبت رکھتا ہے وہ میری محبت رکھتا ہے اور جو میری محبت رکھتا ہے وہ میرے قرابت داروں اور اصحاب رضی اللہ عنہم کی محبت رکھتا ہے۔"

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

اللہ تعالیٰ سے محبت کرو کیونکہ اس نے تمہیں بے شمار نعمتیں عطا فرمائی ہیں اور خدا کی محبت کی بناء پر مجھ سے محبت کرو اور میری محبت کی وجہ

Marfat.com

سے میرے اہل بیتؑ سے محبت کرو۔" (ترمذی)

آپؐ کی محبت کا صحیح معیار اور سچی علامت یہ ہے کہ آپؐ کے اہل بیتؑ اور آپؐ کے اصحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی بدرجہ غایت و محبت ہو۔ جس طرح نیکی اور برائی' سفیدی اور سیاہی کا اجتماع نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح ایک دل میں جب اہل بیتؑ اور بغض صحابہ رضی اللہ عنہم جمع نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

"یعنی حضرت مولا علیؑ کی محبت اور شیخین جلیلین ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ کا بغض کسی مومن دل میں جمع نہیں ہو سکتا۔"

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُمت کے لیے اہل بیتؑ کو کشتی نوحؑ اور اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کو رشد و ہدایت کے روشن ستارے قرار دیا ہے۔ یعنی:

"میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں جن کی پیروی کرو گے تو ہدایت پاؤ گے۔"

تو لامحالہ تسلیم کرنا ہو گا کہ اہل بیتؑ کی ارادت اور احترام کی کشتی میں سوار ہوئے بغیر اور ہدایت کے چمکتے ستاروں (صحابہ کرامؓ) کی رہنمائی اور ہدایت کے بغیر ہم نجات حاصل نہیں کر سکتے۔ ابو سعید خدری کہتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"جو شخص اہل بیتؑ سے بغض رکھتا ہے وہ منافق ہے۔"

دیلمی نے روایت کیا ہے کہ معلم کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اپنی اولاد کو تین خصلتیں سکھاؤ۔

① اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت ② اہل بیتؑ کی محبت ③ قرآن پاک کی تلاوت۔

یوں تو جناب رحمتہ للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیامت کی ہولناکیوں میں ہر گناہ گار' بدکردار مسلمان کی دستگیری فرمائیں گے۔ مگر چار خوش نصیب انسان حضرت شفیع یوم النشور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کے مستحق قرار دیئے گئے۔ چنانچہ

Marfat.com

حدیث میں ارشاد گرامی ہے۔

"میں قیامت کے دن چار شخصیتوں کی سفارش کروں گا کہ ان پر دنیا بھر کے گناہ کیوں نہ ہوں۔ ایک وہ جو میری اولاد کی تعظیم کرتا ہے دوسرا وہ جو ان کی حاجت روائی کرتا ہے تیسرا وہ جو ان کے کاروبار کی تکمیل میں کوشش کرتا ہے اور چوتھا وہ جو ظاہر و باطن سے ان سے محبت کرتا ہے۔"

نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی سے خصوصی تعلق، ممتاز قرب اور اختصاص کی بناء پر پروردگار نے اہل بیتؑ کے برگزیدہ نفوس کو بعض ایسی بزرگیوں، فضیلتوں اور سربلندیوں سے مشرف فرمایا ہے کہ سوائے حضور ﷺ کی ذات کے علاوہ کوئی انسان ان فضائل و کمالات میں ان کا شریک نہیں۔ رب العزت نے جیسے اپنے رسول مکرم، محبوب محترم ﷺ کو طاہر و پاک فرمایا۔ ایسے ہی آپؐ کی پاکیزہ صفات سے آل پاک کو بھی طاہر فرمایا گیا۔ اہل بیتؑ کو طہارت اور پاکیزگی میں سرور دو عالمؐ سے یک گونہ مساوات کی غیر معمولی عزت کا فخر بخشا گیا۔ جیسا کہ امام محمد احمدؒ نے تصریح فرمائی ہے:

"بے شک رحمتہ للعالمینؐ کی شان اقدس اس سے کہیں زائد اور ارفع و اعلیٰ ہے کہ آپ ﷺ یا آپ ﷺ کے متعلقین اوساخ الناس سے سودمند ہوں۔"

نماز جو افضل ترین عبادت ہے اس کی قبولیت کے لیے ضروری ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ کی طرح آپؐ کی آل پاکؑ کے حضور میں بھی درود عرض کیا جائے۔ حدیث پاک میں ہے کہ حضور رحمت عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"دعا بارگاہ قبولیت تک نہیں پہنچتی جب تک مجھ پر اور میرے اہل بیتؑ پر درود نہ پڑھا جائے۔"

حضرت امام شافعیؒ اس کی تائید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

Marfat.com

"اے اہل بیتؑ! آپ کی تعظیم و بزرگی کیا کم ہے کہ نماز جیسی عبادت میں جو شخص آپ پر درود نہ پڑھے اس کی نماز ہی نہیں ہوتی۔"

چونکہ آپ ﷺ کی محبت، آپ ﷺ کی آل پاک کی محبت سے وابستہ تھی اس لیے پروردگار عالم نے اپنے رسول کریم ﷺ کی محبت کے ساتھ آپؐ کی آل پاک سے محبت کرنے کا بھی حکم فرمایا۔ ارشاد الٰہی ہے:

"اے محبوب مکرم ﷺ! تم صاف صاف بتا دو کہ اے لوگو! میں تم سے اپنی تبلیغ اور ہدایت کی کوئی مزدوری اور اُجرت نہیں مانگتا مگر یہ کہ تم میرے اہل بیتؑ سے سچی محبت کرو۔" (شوریٰ)

حضرت امام شافعیؒ ایک بار پھر اس کی تصدیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"(یعنی) اہل بیتِ محبوب العالمین ﷺ! آپ سے محبت کرنے کے متعلق رب کعبہ نے قرآن حکیم میں صریح ارشاد فرمایا ہے۔"

قرآن پاک میں بھی کئی مقامات پر اہل بیتؑ کی بزرگی بیان کی گئی ہے۔ جیسا کہ سورۂ آل عمران میں آتا ہے:

"پھر اے محبوب! جو تم سے عیسیٰؑ کے بارے میں حجت کریں بعد اس کے کہ تمہیں علم آچکا ہے تو ان سے فرما دو آؤ ہم بلائیں اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں اور اپنی جانیں اور تمہاری جانیں۔ پھر مباہلہ کریں تو جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں۔"

کنزالایمان میں مولانا نعیم الدین مراد آبادی اس آیت کی شان نزول احمد رضا خان بریلویؒ کے الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

نصاریٰ نجران کا ایک وفد حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور وہ لوگ حضور ﷺ سے کہنے لگے کہ آپؐ گمان کرتے ہیں کہ عیسیٰؑ اللہ کے بندے ہیں۔ فرمایا! ہاں اس کے بندے اس کے رسول اور اس کنواری بتول عذرا کی طرف القا کیے گئے۔ نصاریٰ یہ سن کر بہت غصے

Marfat.com

میں آئے اور کہنے لگے۔ یا محمد ﷺ تم نے کبھی بے باپ کا انسان دیکھا ہے۔ اس سے ان کا مطلب یہ تھا کہ وہ خدا کے بیٹے ہیں (معاذاللہ)۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور یہ بتایا گیا کہ حضرت عیسیٰؑ بغیر باپ ہی کے ہوئے۔ لیکن حضرت آدمؑ تو ماں اور باپ دونوں کے بغیر مٹی سے پیدا کیے گئے تو جب انہیں اللہ کی مخلوق اور بندہ مانتے ہو تو حضرت عیسیٰؑ کو اللہ کی مخلوق و بندہ ماننے میں کیا تعجب ہے۔ جب رسول کریم ﷺ نے نصاریٰ کو یہ آیت پڑھ کر سنائی اور مباہلہ کی دعوت دی۔ تو کہنے لگے کہ ہم غور اور مشورہ کرلیں پھر آپ کو کل جواب دیں گے۔ جب وہ جمع ہو گئے تو انہوں نے اپنے سب سے بڑے عالم اور صاحب الرائے شخص عاقب سے کہا کہ اے عبدالمسیح آپ کی رائے کیا ہے؟ اس نے کہا کہ اے جماعت نصاریٰ تم پہچان چکے کہ محمد ﷺ نبی مرسل تو ضرور ہیں۔ مگر تم نے ان سے مباہلہ کیا تو سب ہلاک ہو جاؤ گے۔ اب اگر نصرانیت پر قائم رہنا چاہتے ہو تو انہیں چھوڑ دو اور گھر کو لوٹ چلو۔ یہ مشورہ ہونے کے بعد وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ حضور ﷺ کی گود میں امام حسینؑ ہیں اور دست مبارک میں امام حسنؑ کا ہاتھ اور فاطمہؑ اور علیؑ حضور کے پیچھے ہیں اور حضور ﷺ ان سب سے فرما رہے ہیں کہ جب میں دعا کروں تو تم سب آمین کہنا۔ نصران کے سب سے بڑے نصرانی عالم نے جب ان حضرات کو دیکھا تو کہنے لگا۔ اے جماعت نصاریٰ میں ایسے دیکھ رہا ہوں کہ اگر یہ لوگ اللہ سے پہاڑ کو ہٹا دینے کی دعا کریں تو اللہ تعالیٰ پہاڑ کو اس جگہ سے ہٹا دے۔ ان سے مباہلہ نہ کرنا ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے اور قیامت تک روئے زمین پر کوئی نصرانی باقی نہ رہے گا۔ یہ سن کر نصاریٰ نے حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ مباہلے کی تو ہماری رائے نہیں ہے۔

Marfat.com

آخر کار انہوں نے جزیہ دینا منظور کر لیا۔ مگر مباہلے کے لیے تیار نہ ہوئے۔ سید عالم ﷺ نے فرمایا:

"اس کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے نجران والوں پر عذاب قریب آہی چکا تھا۔ اگر وہ مباہلہ کرتے تو بندروں اور سوروں کی صورت میں مسخ کر دیئے جاتے اور جنگل آگ سے بھڑک اٹھتا اور نجران اور وہاں کے رہنے والے پرند تک نیست و نابود ہو جاتے اور ایک سال کے عرصے میں تمام نصاریٰ ہلاک ہو جاتے۔"

سرور عالم ﷺ نے اپنی امت کو قرآن پاک اور اہل بیت پاک کی بزرگی اور اہمیت سے آگاہ فرمایا اور تاکید فرمائی کہ نور و ہدایت کی روشن چراغوں کی روشنی میں اپنی زندگی کا سفر پورا کر کے منزل رضا حاصل کریں۔ کیونکہ شاید سرور کائنات ﷺ کی نگاہ نبوت آنے والے خونی انقلاب کو دیکھ رہی تھی۔ اور آپؐ کی دور اندیشی یہ جانتی تھی کہ مسلمانوں کا یہ رُوح پرور اور مثالی اتحاد زیادہ دیر تک قائم نہ رہے گا اور یقیناً ملت اسلامیہ میں اختلاف نمودار ہو گا۔ خدا کی مقدس کتاب سے بے اعتنائی برتی جائے گی اور اس زندہ کتاب سے درسِ کتاب لینے کی بجائے غیروں کے دروازوں سے بھیک مانگی جائے گی اور اہل بیتؑ کی محبت اور تعظیم سے اکثر دل و دماغ خالی ہو جائیں گے۔ بلکہ اہل بیتؑ کے اسلامی اور دینی کارناموں کا تمسخر اڑایا جائے گا اور کائنات سے ان کا نام و نشان مٹانے کی بدترین کوششیں ہوں گی۔ اس لیے حضور ﷺ نے غدیر خم اور عرفات کے غیر معمولی اجتماع کے سامنے واضح الفاظ میں اپنی امت کو آگاہ فرما دیا تھا کہ میں اس دار فانی میں زندگی دوام لے کر نہیں آیا۔ رفیق الاعلیٰ کی قدسی بہاریں میرا انتظار کر رہی ہیں۔ میں اپنا فریضہ ختم کر چکا ہوں۔ آئندہ سال یہ مبارک دن اپنی بے پناہ بخششوں اور رحمتوں کے ساتھ آئے گا مگر میں آج کی طرح تم میں موجود نہ ہوں گا۔ خدائی قاصد کے آنے سے پہلے مجھ سے ہر چیز دریافت کرتے رہو اور میرے بعد ہدایتؑ

نور اور فیضان کی صورت یہی ہے کہ خدا کی مکمل کتاب قرآن حکیم کو مضبوطی سے تھامے رکھنا۔ کہ اس میں سراسر ہدایت اور نور ہے اور کائنات کی ہر چیز مجمل یا مفصل اس میں موجود ہے اور میرے اہل بیتؑ کی محبت اور تعظیم و تقدس کو اپنی زندگی کا لائحہ عمل بنانا کہ وہ قرآن حکیم کی عملی تفسیر ہیں۔ ؎

حسین ابن علیؑ کی زندگی قرآن کی صورت
رسول اللہؐ کی دنیا میں اِک روشن نشانی ہے

حضرت علیؑ فضائل اہل بیتؑ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"پیغمبر ﷺ کے اہل بیتؑ اگر کبھی خانہ نشین ہو جائیں تو تم بھی خانہ نشین ہو جاؤ۔ اور اگر وہ اُٹھ کھڑے ہوں تو تم بھی اُٹھ کھڑے ہو۔ اِن سے سبقت نہ کرو کہ اِس طرح گمراہ ہو جاؤ گے۔ اِن سے پیچھے نہ رہو کہ اِس طرح ہلاک و برباد ہو جاؤ گے۔" (نہج البلاغہ، صفحہ 709)

یہی وجہ ہے کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ مکتوب نمبر 123 میں نور محمد قہاری کی جانب اس طرح لکھتے ہیں:

"ایک راہ ہے جو قرب ولایت سے تعلق رکھتی ہے۔ اقطاب و اوتاد اور بدلا و نجبا اور عام اولیاء اللہ اسی راہ سے واصل ہیں اور راہ سلوک اسی راہ سے عبارت ہے۔ بلکہ متعارف جذبہ بھی اسی میں داخل ہے اور اس راہ میں توسط اور حیلولت ثابت ہے اور اس راہ کے واصلین کے پیشوا اور ان کے سردار اور ان کے بزرگواروں کے منبع فیض حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ ہیں اور یہ عظیم الشان منصب ان سے تعلق رکھتا ہے۔ اس راہ میں گویا کہ رسول اللہ ﷺ کے دونوں قدم مبارک حضرت علیؑ کے مبارک سر پر ہیں اور حضرت فاطمہؑ اور حضرات حسنینؑ اس مقام میں ان کے ساتھ شریک ہیں۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ حضرت امیرؑ اپنی جسدی پیدائش سے پہلے بھی اس مقام کے ملجاء و ماویٰ تھے جیسا کہ آپ جسدی پیدائش کے بعد ہیں اور جس کو بھی فیض و ہدایت اس راہ سے پہنچی تو

Marfat.com

وہ ان کے ذریعہ سے پہنچی۔ کیونکہ وہ اس راہ کے آخری نقطے کے نزدیک ہیں اور اس مقام کا مرکزان سے تعلق رکھتا ہے اور جب حضرت امیرؑ کا دور ختم ہوا تو یہ عظیم القدر منصب ترتیب وار حضرات حسنینؑ کے سپرد ہوا اور ان کے بعد وہی منصب آئمہ اثناء عشر میں سے ہر ایک کو ترتیب وار اور تفصیل سے مقرر ہوا۔ اور ان بزرگواروں کے زمانے میں اور اسی طرح ان کے انتقال کے بعد جس کو بھی فیض اور ہدایت پہنچتا ہے۔ ان بزرگوں کے ذریعے اور حوالے سے پہنچتا ہے۔ اگرچہ اقطابو نجباء وقت ہی کیوں نہ ہوں اور سب کے ملجاء و ماویٰ وہی بزرگ ہیں۔ کیونکہ اطراف کو اپنے مرکز کے ساتھ الحاق کرنے سے چارہ نہیں ہے یہاں تک کہ نوبت حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ تک پہنچی۔

Marfat.com

امام الاولیاء

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ

قارئین کرام! شانِ اہل بیتؑ پر ایک سرسری نظر ڈالنے کے بعد اَب میری نظریں نجفِ اشرف کی جانب اُٹھتی ہیں۔ وہ شہر کہ جو سن 500 ہجری کے آغاز سے لے کر آج تک مرکز علم رہا ہے۔ یہ جگہ پناہ گاہ انسانیت ہے کہ جو حاجت مندوں کی حاجت روائی کرتی ہے۔ بے کسوں کے بے کسی دور کرتی ہے۔ بے ایمان کے ایمان کو تازہ کرتی ہے اور مشکلات میں گرفتار کی مشکل کشائی کرتی ہے۔ یہ جگہ نہ صرف انسانیت کے لیے بلکہ ہر زی روح کے لیے ایک پناہ گاہ ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ ہارون الرشید ایک مرتبہ شکار کو نکلا تو اس کے شکاری کتے کچھ ہرنوں کے تعاقب میں بھاگے۔ ہرن اپنی جان بچانے کے لیے ایک پہاڑی پر چڑھ گئے۔ لیکن ہارون الرشید کے شکاری کتے اس ٹیلے کی حدود سے دور ہی رک گئے اور بھونکنا بند کر دیا۔ لاکھ کوشش کی کہ کتے آگے بڑھیں لیکن وہ مار کھا کھا کر گر پڑے۔ مگر ایک قدم بھی اپنی جگہ سے نہ بڑھے۔ ہارون یہ صورتحال دیکھ کر انتہائی تجسس کا شکار ہوا اور اپنے پیادوں کو حکم دیا کہ قریبی بستی کے کسی دیہاتی کو لے آؤ۔ چنانچہ پیادے ایک بوڑھے شخص کو لے آئے کہ جو اس علاقے

Marfat.com

کا رہائشی تھا۔ ہارون نے اسے تمام صورتحال سے آگاہ کیا اور پھر اس سے وجہ دریافت کی تو وہ عمر رسیدہ شخص بولا۔ اے ہارون! جان کی اَمان پاؤں تو کہوں کہ میں نے باپ اور اس نے اپنے بڑوں سے سنا ہے کہ اس ٹیلے پر قبر ہے اور جو کوئی جاندار مشکل میں پناہ کی تلاش میں یہاں آتا ہے تو وہ یہاں اپنے مقصد کو پالیتا ہے۔ میں نے اپنے بزرگوں سے یہ بھی سنا ہے کہ یہ قبر مولائے مشکل کشا' شیر خدا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ہے۔

بہرحال ہارون نے یہ سب کچھ سن کر اس قبر پر ایک چبوترہ بنوایا جو وقت کے ساتھ ساتھ وسیع ہوتا ہوا موجودہ صورت اختیار کر گیا ہے۔ جہاں تک اس حقیقت کا تعلق ہے کہ جناب علیؑ کی قبر مبارک کو اتنا عرصہ گوشہ گمنامی میں کیوں رکھا گیا۔ تو اس کی وجہ کئی زمانوں سے جاری عداوت و بغض علیؑ ہے اور اس ڈر سے کہ آپ کی قبر مبارک کو کوئی نقصان نہ پہنچائے۔ آپ کا روضہ عام الناس سے پوشیدہ رکھا گیا اور سوائے خاندانِ اہل بیتؑ کے اس مقام سے کوئی واقف نہ تھا۔

یہی وجہ ہے کہ آپ کی ضریح اقدس میں سر مطہر کے نزدیک دو سوراخ ہیں۔ اِن سوراخوں کے نزدیک گراں بہا جواہر آویزاں ہیں۔ یہ سوراخ وہ ہیں کہ جس وقت مرہ بن قیس حضرت امیرالمومنینؑ کے دفن کے بعد اپنے پرانے کنے کی وجہ سے ضریح اقدس کے ساتھ بے حرمتی کرنا چاہتا تھا۔ اِن سوارخوں سے آپ کی دو مبارک انگلیاں باہر نکلیں۔ اور شمشیر کی مانند اِس شقی ازلی کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ جب اِن دونوں ٹکڑوں کا وزن کیا گیا۔ تو بالکل مساوی نکلے۔ اس سے لوگوں کو یقین ہو گیا کہ یہ ملعون جناب امیر علیہ السلام کا قتل کیا ہوا ہے۔

ایک اور روایت میں آتا ہے کہ بعد میں آنے والے ایک بادشاہؑ وقت ناصرالدین کا ایک دفعہ شکار کی غرض سے ادھر سے گزر ہوا۔ تو اس نے جناب امیرؑ کے روضہ مبارک پر ایک نابینا کو دعا کرتے ہوئے دیکھا اور جو اکثر وہاں پر آکر اپنی بینائی کی واپسی کے لیے دعا کرتا تھا۔ ناصرالدین کو نابینا کا اس طرح سے قبر پر آکر دعا

Marfat.com

کرنا ناگوار گزرا۔ کیونکہ وہ آپ کے روضہ کو معتبر نہ جانتا تھا اور اس نابینا کو دھمکی دی کہ اگر میرے واپس آنے تک تجھے بینائی نہ ملی تو تمہیں قتل کر دیا جائے گا۔ یہ کہہ کر ناصرالدین نے اپنا راستہ لیا لیکن وہ نابینا شدت خوف سے کانپ اُٹھا اور گڑگڑا کر آپ کی جناب میں دعا کی کہ یا علیؑ آج یہ عالم ہے کہ مجھے آپ سے کچھ مانگنے پر سزا دی جا رہی ہے۔ یا علیؑ مجھے میری بینائی لوٹا دیجئے۔ یہ کہنا تھا کہ اس بوڑھے نابینا کی بینائی واپس آ گئی۔

ناصرالدین کو جب پتہ چلا تو اس کا ایمان تب بھی پختہ نہ ہوا۔ چنانچہ اس نے اِرادہ کیا کہ کتوں کی ٹولی اور شراب کو لے کر نجف میں داخل ہو۔ کیونکہ اس نے سن رکھا تھا کہ اِس مقام پر اِن دونوں چیزوں کا داخلہ قدرتی طور پر محال ہے۔ لیکن جب وہ حسب پروگرام کتوں اور شراب کو لے کر نجف کی حدود میں داخل ہونے لگا تو کتے وہیں رک گئے۔ پیادوں نے کتوں کو مار مار کر لہولہان کر دیا لیکن وہ آگے نہ بڑھے اور جو شراب تھی وہ اس علاقے کی حدود میں داخل ہوتے ہی سرکہ بن گئی۔ اِس صورتحال نے بادشاہ وقت پر ایسا اثر کیا کہ اس نے بادشاہت کا لبادہ اُتار کر فقیری کا لبادہ اوڑھ لیا اور گلے میں کتے کا طوق ڈال کر جناب مشکل کشاءؑ کے روضہ مبارک پر حاضر ہوا اور نذرانہ کے طور پر اپنا تاج، تلوار اور ایک سونے کی تاروں والا قالین وہاں رکھ دیا۔ آج کل وہ تاج اور تلوار تو وہاں سے اُٹھا لیے گئے ہیں لیکن وہ قالین وہاں موجود ہے۔

پھر ایک زمانہ جدید کی روایت کے مطابق حاکم وقت سید مرتضیٰ نے آپ کے روضہ مبارک پر ایک قیمتی قندیل نصب کروائی تھی۔ ایک سائل آپ کے روضہ پر حاضر ہوا اور سوال کیا کہ یا علیؑ! میں غریب ہوں مجھے اپنے عالیشان مزار سے کچھ عطا کریں۔ قندیل سے ایک قیمتی ہیرا اس کی جھولی میں آ گرا۔ غریب اسے لے کر باہر جانے لگا تو خدام نے اسے روک لیا۔ تین دن تک اسی طرح ہوتا رہا۔ تیسرے دن جب سائل کو روکا گیا تو اس نے کہا یا علیؑ! آپ دینا چاہتے ہیں لیکن خدام

Marfat.com

روکتے ہیں۔ رات کو سید مرتضیٰ کے خواب میں جناب زہراؑ آئیں اور فرماتی ہیں کہ ہمارے آستانہ سے ایک سائل خالی ہاتھ چلا گیا ہے۔ جاؤ اور قندیل اُٹھا کر اسے دے دو۔ رات کی تاریکی میں سید مرتضیٰ اُٹھتے ہیں اور وہ قندیل جا کر اس سائل کے گھر دے آتے ہیں اور آج تک اس کا خاندان "خاندانِ قندیل" کے نام سے مشہور ہے۔ یہ تمام کرامات جو بیان کی گئی ہیں۔ یہ روضہ جناب علی مرتضیٰؑ سے تعلق رکھتی ہیں اور کیا شان ہے جناب علیؑ کی کہ حضور ﷺ نے بعد والی اُمتوں کے لیے فرمایا:

"اپنی مجلس کو علیؑ کے ذکر سے زینت دو۔"

آپ کی قبر مبارک کے پہلو میں حضرت آدم علیہ السلام کی قبر ہے اور اُن کے پہلو میں حضرت نوح علیہ السلام کی بھی قبر ہے۔ لیکن جو مرتبہ اور مقام نجف کو آپ کی زیارت گاہ سے حاصل ہوا وہ اس سے پہلے حضرت آدمؑ اور حضرت نوحؑ کی قبروں سے بھی حاصل نہ ہو سکا۔

بہرحال اُس حیدر کرار کی شان کو بیان کرنا اِس ناچیز کی اِستطاعت سے باہر ہے۔ کیونکہ خدائے رب العزت نے آپ کی ولادتِ باسعادت کے لیے اپنا گھر یعنی خانہ کعبہ کی دیوار توڑ کر لکھنے والوں کے قلم توڑ دیئے ہیں۔ اللہ رب العزت کا گھر جس کا زچہ خانہ بنا ہو' اس کی شان و عظمت تو صرف وہ رب خود ہی بیان کر سکتا ہے۔ اور وہ پروردگار کہ جس نے آپ کی ولادتِ باسعادت کے ساتھ ہی آپ کے منکروں کو بھی آپ کی بزرگی و برتری کا اعتراف کرنے پر مجبور کر دیا کہ آج بھی لاکھوں فرزندان توحید خواہ کسی مسلک سے تعلق رکھتے ہوں۔ زچہ خانہ علیؑ کا طواف کرتے ہوئے نظر آئیں گے۔ بقول شاعر ؎

معزز تھا' مقدس تھا مگر پہلے نہ تھا قبلہ
علیؑ پیدا ہوئے کعبہ میں پھر کعبہ بنا قبلہ
یہ تاریخی حقیقت ہے جو بدلی ہے نہ بدلے گی

Marfat.com

علیؑ کا جو بھی دشمن ہے بنا لے دوسرا قبلہ

علیؑ کی شان بیان کرتے ہوئے میں نے' میرے ہاتھ اور میری عقل سب نے ہار مان لی ہے کہ علیؑ تیرا مقام اس ناقص العقل کی سوچ کی استطاعت میں سمٹ کر آنے والا نہیں۔ اور اب یہی سوچتا ہوں کہ علیؑ پر لکھا کس نے نہیں۔ اور کہا کس نے نہیں۔ سلف نے لکھا' خلف نے لکھا' مفسر نے لکھا' محدث نے لکھا' فقیہ نے لکھا' عارف نے لکھا اور فلسفی نے لکھا--- سیرت پر لکھا' کریکٹر پر لکھا' محاسن پر لکھا' خصوصیات پر لکھا' قابلیات پر لکھا' ہر ادا پر لکھا' ہر پہلو پر لکھا' ہر نقطۂ نگاہ سے لکھا' خوب لکھا' اچھا لکھا' جی بھر کر لکھا اور سیر حاصل۔ ہاتھ کٹوائے مگر لکھا' سر قلم کروائے مگر زور قلم دکھایا' پھر بھی عرض کروں گا کہ علیؑ پر کچھ نہ لکھا اور کچھ نہ کہا۔ کہا وہی جو خدا نے فرمایا اور لکھا وہی جو رسول ﷺ نے کہا۔ نہ اپنی طرف سے کچھ کہا اور نہ اپنی طرف سے کچھ لکھا۔ موضوع علیؑ اور عنوان علیؑ اور علیؑ وہ جو عرشیوں کی رفعتوں سے بلند' آسمانوں کی بلندیوں سے بالا اور ملائکہ سے بہتر' نہ سمجھ میں آتے نہ جانے جاتے' ان پر آج کوئی لکھے تو کیا لکھے۔ ان کی نسبت کوئی نئی بات کیا کہے اور کیا لکھے۔ ہستی سمجھ سے باہر' خیال سے اونچی اور معرفت سے بالا' وہ نور مجرد ہم تودۂ جسد' وہ عرشی ہم قریشی' وہ قرشی ہم وحشی' وہ نور پوش ہم ظلمت پوش' وہ نوری ہم خاکی' وہ آفتاب ہم ذرہ خاک۔ سچ بات کو عار کیا۔ ہم علیؑ کو نہ جانے نہ بوجھے نہ دیکھے نہ بھالے۔ جھٹ سے قلم اُٹھایا اور لکھنا شروع کیا۔ ع' ل اوری کے سوا ہم جانتے کیا اور سمجھتے کیا۔

جس ہستی کی حقیقت علیؑ' ذات علیؑ' صورت علیؑ اور سیرت علیؑ ہو۔ اس پر لکھیں کیا اور بولیں کیا۔ جس کی ماہیت علیؑ' سرشت علیؑ' اور خو بو علیؑ ہو اس پر کوئی کیا کہے اور کیا لکھے۔ جانا ہی کیا جو کہا جائے۔ سمجھا ہی کیا جو لکھا جائے۔ موضوع سر سے اونچا' عقل سے بالا اور مضمون نگار نیچے سے اونچا' بلندیوں کا آسمان' رفعتوں کا عرش' نیکیوں کا معدن' خوبیوں کا سرچشمہ' قدرت کا تابوت

سکینہ' نبوت اور رسالت کا آئینہ' اس کی نسبت کیا لکھوں اور کیا کہوں' عقل حیران اور بندہ پریشان۔

وہ بابِ خدا یعنی تجلیات الٰہی کا دروازہ' وہ بابِ نبی ﷺ یعنی نبوت اور رسالت کا دروازہ' وہ باب الدین یعنی داخلہ ملت کا دروازہ۔ اب علیؑ کو پاؤں تو کہاں؟ دیکھوں تو کہاں؟ ڈھونڈوں تو کہاں؟ کہاں جاؤں؟ کدھر دیکھوں؟ نچلی منزلوں میں ڈھونڈوں' اوپر کی منزلوں میں تلاش کروں' کس مکاں کی تلاشی لوں' کس منزل کی چھان بین کروں' کس در پر جاؤں' کس در پر نہ جاؤں۔ علیؑ کہاں اور میں کہاں؟ اتنے مکاں اور مکیں ایک' ایک ہستی کے اتنے نشان؟ اتنے پتے کہ پتہ لاپتہ' وہی مثل ہوئی۔ "ہر کو ہر میں پانا رے بابا ہر میں ہر کو پانا۔"

حدیث ہے جس کو طبرانی نے اوسط اور صغیر میں اُم سلمہؓ سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"علیؑ قرآن کے ساتھ ہیں اور قرآن علیؑ کے ساتھ ہے۔ یہ دونوں مجھ سے جدا ہونے کے بعد کوثر پر مل جائیں گے۔ (تاریخ الخلفاء صفحہ 260)

قرآن جن کی شان' قرآن کی بان ہو اس کا بیان کیا ہو گا؟ قرآن کا بیان خارج از بیان' ثانی قرآن کا بیان بھی خارج از امکان' نہ قرآن کا کوئی جواب' نہ ثانی قرآن کا جواب' وہ بھی لاجواب' یہ بھی لاجواب' قرآن بھی موجود' ثانی قرآن بھی موجود' دونوں ثقلین' دونوں خلیفتین' کون کس کا خلیفہ؟ مستخلف کون' خلیفہ کون؟ ایک علیؑ ایک قرآن' ایک ناطق' ایک صامت' ایک بولتا' ایک نابولتا' بولتے کی سنوں یا نابولتے کی سنوں' فیصلہ قارئین پر مگر دل کہتا ہے کہ نابولتے کو بولتے سے سن لوں' نہ بولتے سے بولتا عیاں اور بولتے میں نہ بولتا پنہاں' شان دو آن ایک' زبانِ قرآن علیؑ زبانِ علی قرآن' قرآن در علیؑ و علیؑ در قرآن۔ قرآن یہیں پر علیؑ عند اللہ مکان القرآن ہے۔ علیؑ مکانِ قرآن یا قرآن مکانِ علیؑ۔ خدا جانے' رسول ﷺ جانے یا علیؑ جانے۔ گرائے گوشہ نشین راچہ یارا۔

Marfat.com

قارئین کرام علیؑ کو علیؑ کہو تو بھی علیؑ ہیں نہ کہو تو بھی علیؑ ہیں۔ مانو تو علیؑ نہ مانو تو بھی علیؑ ۔ بہر رنگ علیؑ پھر شان علیؑ بہر زماں علیؑ اور بہر مکاں علیؑ ۔ علیؑ دلیل علیؑ، علیؑ بیان علیؑ، علی نشان علیؑ ۔ نہ کسی شہادت کے محتاج، نہ کسی اعتراف کے دست نگر۔ بے نشان ایسا کہ گویا سراپا بے نشان اور بانشان ایسا کہ ہر نشان، نشان علیؑ ۔ بے مکان ایسے کہ گویا لامکاں اور بامکاں ایسے کہ ہر مکان کے مکین۔ بلند اتنے کہ بلندیوں سے بلند و بالا۔ رفیع المرتبت اتنے کہ ساری رفعتیں ان کے آگے پست۔ علیؑ ہونے کے بعد پست کیسے۔ علیؑ ہونے کے بعد فروتر کیسے؟ اتار چڑھاؤ سے وہ برتر۔ مبالغہ سے بالا، تنقیص سے بلند، بلند سے بلند، اول سے اول، اتار سے اتر نہیں سکتے۔ گرائے گر نہیں سکتے۔ یہاں مبالغہ سرافگندہ اور تنقیص درماندہ ہے۔

علیؑ کی شان دیکھئے کہ جب آغوش مادر میں آنکھ کھولی تو سب سے پہلے جس چیز نے چشم پر اپنا عکس نمایاں کیا وہ حضور رحمت ﷺ کا چہرۂ انور تھا۔ جو پہلی تاثیر آپ کی زبان نے محسوس کی وہ تاثیر زبان مبارک ﷺ تھی۔ جس نے صنف قوی میں سب سے پہلے کلمہ پڑھا وہ بھی آپ کی ذات ہے۔ جو اُحد میں شہادت دندان رسول اللہ ﷺ کے موقع پر رسول ﷺ کی آواز پر لبیک کہہ کر آپ ﷺ کے گرد آہنی دیوار کی مانند ڈٹ گیا وہ بھی علیؑ ہیں، جس کو ذات الٰہی نے فاتح خیبر بنایا وہ بھی علیؑ ہیں، جس کو رسول اللہ ﷺ نے دنیا و آخرت میں اپنا بھائی بنایا وہ بھی علیؑ ہیں، جن کے نکاح میں خدا نے فاطمہ کو دیا وہ بھی علیؑ ہیں، جن کے ہاتھوں میں شاہ ولایت کا قلمدان دیا گیا وہ بھی علیؑ ہیں، جن کو جنت کی کنجی بخشی گئی وہ بھی علیؑ ہیں، جو علم کا دروازہ قرار پائے وہ بھی علیؑ ہیں اور پھر وہ کہ جس کے للکارنے پر مشکل خود مشکل میں گرفتار ہوتی ہے وہ بھی علیؑ ہیں۔ اس لیے تو غیب سے آواز سنائی دیتی ہے۔

Marfat.com

شاہ مرداں شیر یزداں قوت پروردگار
لَا فَتیٰ اِلا عَلی لَاسَیف اِلا ذُوالفقار

اگر اس مندرجہ بالا عبارت کے پس منظر میں جھانکا جائے تو ہمیں غزوہ اُحد کا منظر دکھائی دیتا ہے۔ جیسا کہ ازالۃ الخفاء' المعارج' مدارج النبوت اور المدارج للشیخ المحدث سے روایت ہے۔ اس کے علاوہ مولانا محمد ذکریا شیخ الحدیث نے قرۃ العیون سے اسے اپنی حکایات میں بھی نقل کیا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ جب کفار نے مسلمانوں پر غلبہ حاصل کیا تو حضرت محمد ﷺ ہماری نظروں سے غائب ہو گئے۔ میں نے سب لاشیں دیکھیں۔ لیکن حضور ﷺ کو نہ پایا تو سمجھا کہ غضب ہوا خدا کا ہم پر کہ اللہ نے اپنے نبی ﷺ کو آسمان پر لے لیا اور اب اس سے بہتر کیا ہو سکتا ہے کہ خوب قتال کروں اور شہید ہو جاؤں۔ پس حملہ کیا میں نے کفار پر اور ان کو ایسا قتل کیا کہ تمام جماعت گھبرا گئی۔ ناگاہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ سلامت ہیں اور اس طرح میں نے جانا کہ حق تعالیٰ نے آپؐ کو اپنی حفاظت میں رکھا تھا اور فرشتوں نے آپؐ کی محافظت کی۔ اس وقت مسلمانوں کی ایک جماعت ڈر کر غائب ہو گئی تھی تو حضور ﷺ نے ان پر سخت غصہ کیا۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ کے چہرۂ مبارک سے پسینہ مثل موتی کی ٹپکا۔ روایات کے مطابق صرف چودہ مسلمان میدان اُحد میں رہ گئے تھے۔ حضرت علیؓ' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ' عبدالرحمٰن' سعد وقاص' طلحہ' زبیر' ابوعبیدہ' حباب بن منذر' عاصم بن ثابت' حارث بن صمہ' سہیل بن حنیف' سعد بن عبادہ' محمد بن سلمان' ابودجانہ' مگر اب لڑائی کا رنگ اور تیز ہو گیا۔ مسلمانوں کی یہ حالت دیکھ کر کفار کے دل بڑھ گئے اور شدت سے حملہ کیا۔ رسول ﷺ پکارتے تھے اور کوئی نہ سنتا تھا۔ بھاگ بھاگ کر مسلمان پہاڑوں پر چڑھے جاتے تھے۔ قرآن میں ہے۔

اذ تصعدون ولاتلوون والرسول یدعوکم فی

Marfat.com

اخر اکم الایہ۔

لڑائی کی شدت سے گھبرا کر اِن میں سے چھ اور بھاگ گئے اور صرف آٹھ اصحاب میدان میں رہ گئے۔ مگر کہاں کفار اور کہاں یہ چند جرار' کفار کا حوصلہ بڑھتا گیا۔ اور آخر مجبور ہو کر اِن میں سے چھ اور کو بھی میدان چھوڑنا پڑا۔ اور صرف علیؑ ابوبکر ابودجانہ رضی اللہ عنہ باقی رہ گئے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنفس نفیس جنگ میں مصروف تھے۔ زخمی ہو چکے تھے۔ دندان مبارک پر ضرب لگی اور خون جاری ہوا۔ ابودجانہ رضی اللہ عنہ انصاری بھی جان توڑ کر لڑے۔ اور خوب داد شجاعت لی۔ مگر زخموں سے چور چور ہو کر آخر گر پڑے۔ اور جرنیل اِسلام علی بن ابی طالبؑ نے اُن کو اُٹھا کر رسول کے پاس لا کر ڈال دیا۔ (بخاری' باب غزوۃ حنین عن ابی قتادہ)

بہرکیف حضرت علیؑ مزید فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہؐ نے مجھے اپنے پہلو میں کھڑا ہوا دیکھا تو فرمایا۔ تجھ کو کیا ہوا کہ تو نہ بھاگا جس طرح دوسرے بھاگ کھڑے ہوئے۔ تو میں نے عرض کیا! مجھ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ انس ہے۔ پھر میں کہاں جاتا؟ اسی وقت کفار کی ایک جنگی جماعت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حملہ آور ہوئی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے علیؑ خبردار رہو۔ پس میں نے ان پر حملہ کیا اور بہت کو دوزخ میں پہنچا دیا اور باقیوں کو متفرق کر دیا۔ اور روایت ہے کہ اس وقت جبرائیلؑ اور میکائیلؑ سفید لباس پہنے ہوئے بصورت دو آدمی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے داہنی اور بائیں جانب حفاظت کرتے تھے۔ جب شاہ ولایت کی یہ شجاعت جبرائیلؑ نے دیکھی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا: علیؑ! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بڑی جانفشانی کرتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یعنی وہ ایسا کیوں نہ کرے جبکہ میں علیؑ سے ہوں اور علیؑ مجھ سے ہیں۔ جب جبرائیلؑ نے یہ سنا تو کہا اِنا مِنکما یعنی میں تم دونوں سے ہوں اور اس وقت غیب سے آواز آئی۔ لَا فَتی اِلا عَلی لَا سَیف اِلا ذُوالفقار

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ ایک روز اِن کے ایک صحابی نے اصحاب

Marfat.com

رسول ﷺ کی نسبت سوال کیا۔ آپ نے اِن اصحاب رضی اللہ عنہم اور اِن کے فضائل و مناقب کا ذکر کیا۔ جو مخصوص فضائل رکھتے تھے۔ اور خاموش ہو گئے۔ سائل نے پوچھا۔ اور آپ نے علیؑ کا ذکر نہیں کیا؟ تو امام احمدؒ نے کہا میں اصحابہ رضی اللہ عنہم کا ذکر کر رہا ہوں۔ علیؑ تو اہل بیتؑ نبوت اور رسالت سے ہیں اور اہل بیتؑ کے ساتھ کسی کا قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ (مسند احمد حنبل)

اور امام شافعیؒ فرما ہی گئے ہیں کہ علیؑ تو وہ ہیں جن کی خدائی میں شبہ ہو رہا ہے۔ کہ کہیں علیؑ خدا تو نہیں ہے۔ پھر اِن کی امامت و ولائت کی بحث کیسی۔

دراصل امام موصوف کا یہ معقولہ اِس حقیقت کو ثابت کر رہا ہے کہ اِنسانی کمال یہ ہے کہ وہ خدا سے قریب تر ہو۔ اور جو خدا سے قریب تر ہو گا اِسی قدر اِس میں انعکاس اِنوار جلال و جمال اِلٰہی زیادہ ہو گا۔ اِسی قدر اِس میں تجلیات اِ صفات جلالیہ و جمالیہ الٰہیہ اشد و اکد و اقویٰ ہوں گی۔ علیؑ چونکہ منتہائے کمال اور اِنتہائی قرب پر بعد رسول اللہ ﷺ پہنچے ہوئے ہیں جس بنا پر اِس قدر تشابہ پیدا ہو گیا کہ لوگ خدائی کا شبہ کر بیٹھے۔ اور بعض نے اپنی جہالت سے خدا مان لیا۔ بعض مقامات پر تو امام شافعیؒ مولا علیؑ سے اپنی حُب میں اِس قدر انتہا کو پہنچ جاتے ہیں کہ اہل زمانہ اُن پر شرک کا فتویٰ صادر کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ صواعق محرقہ میں امام شافعیؒ کی ایک رباعی درج ہے جس سے آپ خود اُن کے درجہ عقیدت کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

کفی فضل مولان علیؑ وقوع الشک فیہ انہ' اللہ
ومات الشافعی لیس یدری علیؑ ربہ اَمر ربہ اللہ

(ترجمہ) مولا علی علیہ السلام کی رفعت شان میں یہی کافی ہے کہ لوگوں کو اُن کے خدا ہونے کا شک و شبہ پیدا ہو گیا اور میں (شافعی) مرتے وقت تک نہیں جا سکا کہ میرا پالنے والا مربی علی علیہ السلام ہے یا اللہ تعالیٰ ہے۔

حضرت بریدہؓ روایت کرتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

Marfat.com

"اللہ نے مجھے حکم دیا ہے چار شخصیتوں سے محبت کا اور خبر دی ہے وہ بھی انہیں دوست رکھتا ہے۔"

لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! ان کے نام فرمادیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"علی بن ابی طالبؑ (یہ نام آپ ﷺ نے تین مرتبہ دھرایا) ابوذر رضی اللہ عنہ، مقداد رضی اللہ عنہ اور سلمان رضی اللہ عنہ۔"

(ترمذی جلد دوئم 774، ابن ماجہ، مشکواۃ شریف)

جناب علیؑ خود بھی اپنی شان میں فرماتے ہیں۔

"مجھ میں اتنا علم پوشیدہ ہے کہ اگر میں اس کو تم پر ظاہر کردوں تو تم اس رسی کی مانند کانپ جاؤ کہ جس کو ایک گہرے کنوئیں میں پھینکا جاتا ہے۔"

پھر ایک اور مقام پر ابو طفیل ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے فرمایا۔

"قسم ہے اللہ تعالیٰ کی نہیں نازل ہوئی کوئی آیت قرآنی۔ مگر جان لیا میں نے سبب نزول اس کا اور حکمت اس کے نزول کی۔ بے شک بخشا ہے مجھ کو میرے رب نے قلب عاقل اور زبان گویا۔"

ابو طفیل ہی سے روایت ہے کہ آپ فرماتے ہیں۔

سوال کرو مجھ سے کتاب اللہ میں جو چاہو کہ جانتا ہوں میں کون سی آیت دن کو اتری اور کون سی رات کو۔"

علامہ عبدالرحمان جامیؒ "شواہد النبوت" میں اور علامہ جلال الدین سیوطیؒ "خصائص الکبریٰ" میں بسند صحیح یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت علیؑ کے لیے دو مرتبہ سورج کو مغرب سے لوٹایا۔ پہلی مرتبہ عہد رسول اللہ ﷺ میں اور دوسری مرتبہ آپؑ کے وصال کے بعد۔ حضرت اُم سلمہ

Marfat.com

رضی اللہ عنہا حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بنت عمیس' حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ حضرت علیؑ کے زانو پر تھے۔ حضرت جبرائیل وحی لائے جب وحی ختم ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے علیؑ سے کہا تم نے نماز عصر ادا نہیں کی۔ تو جواب دیا میں اطاعت رسول ﷺ میں تھا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے دعا فرمائی۔ (جامی نے یہ دعا حضرت علیؑ سے منسوب کی ہے) خداوندا! اگر تھا علیؑ تیری اطاعت میں تو پھر آفتاب کو طلوع کر دے۔ آفتاب پلٹ آیا اور ایسا معلوم ہوا کہ جیسے نماز عصر کا وقت تھا۔ اس طرح حضرت علیؑ نے بروقت نماز ادا کی۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بنت عمیس کہتی ہیں کہ جب سورج غروب ہوا تو چلنے کی آواز سنائی دیتی تھی۔

علامہ جامیؒ اور علامہ سیوطیؒ' سورج طلوع ہونے کا ایک اور واقعہ حضرت علیؑ کے دور کا یوں بیان کرتے ہیں۔ آپ بابل کی طرف جا رہے تھے تو فرات سے گزر کر نماز عصر اپنے ساتھیوں کے ساتھ ادا کرنے کا ارادہ ہوا۔ آپ کے ساتھیوں نے دریائے فرات سے اپنی سواریاں گزارنی شروع کر دیں۔ یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو گیا اور ان کی نماز قضا ہو گئی۔ لشکر والے چہ مگوئیاں کرنے لگے۔ حضرت علیؑ نے سنا تو اللہ تعالیٰ سے سورج کو لوٹانے کی دعا کی تاکہ ان کے ساتھ نماز ادا کر لیں۔ اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی۔ آفتاب نکل آیا اور عصر کا وقت ہو گیا۔ جب آپ نے سلام پھیرا تو سورج غروب ہو گیا اور اس میں ہولناک آواز آنے لگی۔ لوگوں پر خوف و ہراس پھیل گیا۔ سب توبہ استغفراللہ پڑھنے لگے۔

(شواہد النبوت صفحہ 292' خصائص الکبریٰ جلد دوم صفحہ 135)

اب اگر کوئی اختلاف کرے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا معجزہ ہے یا حضرت علیؑ کی کرامت تو اس کے واسطے میں کہا جائے گا کہ یہ دونوں طرح درست ہے۔ کیونکہ ہاں معجزہ سے آپ کی کرامت متحقق ہوئی اور کرامت سے ظاہر ہوا یہ معجزہ۔ اور اس حقیقت کو اس طرح حضرت شاہ ولی اللہؒ نے 1124 ہجری میں مدینہ

Marfat.com

منورہ میں اپنے استاد شیخ ابو طاہرؒ سے مل کر بھی واضح کیا ہے۔

ان واقعات سے درحقیقت اس اَمر کی جانب توجہ مرکوز ہوتی ہے کہ اس رب تعالیٰ کو بھی علیؑ کی عبادت کس قدر محبوب ہے کہ آپ کی خاطر اپنے وضع شدہ نظام فطرت کو بدل ڈالا۔ اور وہ سورج جو مشرق سے مغرب کو جاتا ہے۔ اس کو مغرب سے مشرق کی جانب سفر کرا دیا۔ تو پھر مجھے اس مقام پر اس حکمت الٰہی کو بھی واضح کر لینے دیجئے کہ جس کے تحت نماز دس برس کی عمر میں فرض کی گئی۔ اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ علیؑ کا ظاہری قبول اسلام دس برس کی عمر میں ہے۔ اور رب کو یہ مقصود ہے کہ علیؑ کی کوئی نماز قضاء اور کوئی لمحہ فکر و عبادت سے خالی نہ ہو۔

جب مندرجہ بالا روایات سے یہ ثابت ہے کہ کرامت اور معجزہ ایک دوسرے کیلئے لازم و ملزوم ہیں اور کرامت ولایت کی نشانی ہے اور معجزہ نبوت کی۔ کیونکہ معجزہ اللہ کے فضل کی نشانی ہے کہ جس میں جستجو کا عمل دخل نہیں۔ لیکن اس کے برعکس کرامت ایک جستجو کے بعد مرضی الٰہی کو حاصل کرتی ہے تو اس مقام پر ایک اہم امر کی وضاحت ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ ہزاروں پیغمبروںؑ کو اللہ نے اس دنیا کی طرف مبعوث فرمایا اور مختلف ادوار اور قوموں پر انہیں مختلف ذمہ داریاں سونپیں۔ ان سب پیغمبر اکرامؑ میں جو ایک چیز مشترک تھی وہ یہ تھی کہ ان میں سے کسی ایک نے بھی ولادت سے لے کر وصال تک کسی غیر اللہ کو اپنا خالق مالک جاننے کا تصور تک نہیں کیا۔ اس ضمن میں رسول اللہ ﷺ کے دور میں جو ہستیاں سن بلوغ تک اس صفت کی حامل تھیں۔ ان میں ایک تو آپ کی دختر حضرت فاطمہؑ تھیں اور دوسری ہستی شیر خدا جناب علی مرتضیٰؑ کی ذات تھی۔ جیسا کہ احمد رضا خان بریلویؒ رقم کرتے ہیں۔

"روز ولادت سے سن تمیز تک اسلام فطری کہ کل مولود یولد علی الفطرۃ اور سن تمیز سے روز بعثت تک اسلام توحیدی کہ ان

Marfat.com

حضرات والا صفات نے زمانہ فترت میں بھی کبھی بت کو سجدہ نہ کیا۔ کبھی غیرخدا کو خدا قرار نہ دیا۔ ہمیشہ ایک ہی جانا' ایک ہی مانا' ایک ہی کہا' ایک ہی سے کام رہا۔ (تزیہ الکانتہ الحیدریہ)

یہی وجہ ہے کہ جناب علیؑ کو کرم اللہ وجہہ کا خطاب ملا۔ لیکن چونکہ صنف نازک کو کسی دور میں بھی نبوت کے مقام پر فائز نہیں کیا گیا۔ اس لیے رسول اکرم ﷺ کا یہ ارشاد پاک کہ:

"اے علیؑ! تمہارا درجہ میرے ساتھ ایسا ہے جیسے ہارونؑ کا موسیٰؑ کے ساتھ۔ البتہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔" (مسلم شریف' صفحہ 74-75)

یہ اس امر پر صادق ہے کہ اگرچہ حضور ﷺ خاتم النبین ہیں۔ لیکن مقام علیؑ کسی مقام نبی سے کم نہیں۔ اور روز محشر علیؑ کو وہی مقام حاصل ہوگا کہ جو صف انبیاءؑ میں ہارونؑ کو موسیٰؑ کی نسبت ہوگا۔ اور یہ کہ اوصاف علیؑ مثل اوصاف نبی ہی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ رب کریم کو آپؐ پر نبوت ختم کرنا مقصود ہوا! تو آپؐ سے منسلک ولایت کا تاج آپؐ کے بعد علیؑ کے سر پر سجادیا۔ جیساکہ محب طبری روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"علیؑ کی منزلت مجھ سے ایسی ہے جو میرے سر کو میرے جسم کے ساتھ۔" (ریاض النضرہ' جلد دوئم' ذکر علیؑ)

پھر فرمایا۔

"میری ادائیگی میں کرسکتا ہوں یا علیؑ کرسکتے ہیں۔"

(صواعق محرقہ' صفحہ 417)

یہ ظاہر کرتا ہے کہ مجھ سے منسلک فرائض کی ادائیگی میرے بعد مجھ جیسا ہی کر سکتا ہے۔ اگرچہ میرے بعد نبی نہیں لیکن وہ کہ جو اوصاف نبی رکھتا ہے۔ اور وہ علیؑ کے سوا اور کوئی نہیں۔ یہی وجہ سے کہ سورۂ برآت کی تبلیغ کی خاطر بھی اللہ رب العزت نے جبرائیل امین کے ذریعے خاص جناب علیؑ کی جانب نشاندہی فرمائی۔

Marfat.com

اپنی تشریح کو خود واضح کرتا ہے۔ کیونکہ نبوت کے قابل کوئی ایسی ہی ہستی ہو سکتی تھی۔ جو مندرجہ بالا بیان شدہ صفات کی حامل ہوتی۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ اپنی مکتوب نمبر251 میں مولانا محمد اشرف کو لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اے بھائی! چونکہ حضرت امیرؑ ولایت محمدی علیٰ صاحبہا الصلواۃ والسلام کا بوجھ اٹھانے والے ہیں۔ اس لیے اقطاب و ابدال واو تاد کو جو اولیائے عزلت میں سے ہیں اور کمالات ولایت کی جانب ان میں غالب ہے مقام پر ہیں کی تربیت حضرت امیرؑ کی امداد و اعانت کے سپرد ہے۔ قطب الاقطاب یعنی قطب مدار کا سر حضرت امیرؑ کے قدموں کے نیچے ہے۔ قلب مدار انہی کی حمایت و رعایت سے اپنے ضروری امور کو سرانجام کرتا اور مداریت سے عہدہ برآ ہوتا ہے۔ حضرت فاطمہؑ اور امامینؑ بھی اس مقام میں حضرت امیرؑ کے ساتھ شریک ہیں۔"

شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ پیران پیر دستگیر بڑے پائے کے صوفی گزرے ہیں۔ آپ صوفیائے کرام میں ایک اعلیٰ درجہ کے حامل ہیں۔ اور اپنے اندر بڑی کرامات رکھتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ مجھ میں جو کچھ بھی پایا جاتا ہے وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے لعاب دہن کا نتیجہ ہے۔ اس واقعہ کو کتاب سوانح و تعلیمات حضرت غوث الاعظمؒ از مکیش اکبر آبادی رام پور یوپی صفحہ نمبر64 سے نقل کیا جا رہا ہے۔ جہاں حضرت غوث الاعظمؒ ارشاد فرماتے ہیں:

"میں جب وعظ دیتا تھا تو چار سو آدمی قلم و دوات لے کر میرا وعظ لکھا کرتے تھے۔ میں نے اول حال میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور علی علیہ السلام کو خواب میں دیکھا کہ مجھے کلام کرنے کا حکم فرماتے ہیں اور اپنا لعاب دہن میرے منہ میں ڈال دیا ہے۔ پس میرے اوپر سخن کے دروازے کھل گئے۔"

Marfat.com

شانِ علیؑ تاریخ کے اوراق پر سنتِ رسول ﷺ اور احادیثِ رسول ﷺ سے بھی اپنے آپ کو مستند طور پر ثابت کرتی ہے۔ اس ضمن میں سب سے پہلے اس واقعہ کی تشریح کرنا ضروری سمجھوں گا کہ جس کو ہجرت مدینہ سے تعبیر کیا جاتا ہے کہ جب حضور ﷺ کو مدینہ منورہ ہجرت کرنے کا حکم ہوا تو لوگوں کو ان کی امانتیں لوٹانے کے لیے جناب علیؑ کو مقرر فرمایا اور کہا:

اے علیؑ میرے بستر پر سو جاؤ اور صبح لوگوں کی امانتیں لوٹا کر واپس آ جانا۔"

حضور ﷺ کا یہ فرمان نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ آپؐ نے اس فرمان میں سو جانے کیلئے کہا ہے اور ایک ایسے شخص کو کہا ہے کہ جس کا وقفہ شب بہت مختصر رہا ہے۔ یعنی جناب علیؑ رات کا زیادہ پہر تو عبادت الٰہی ہی میں گزارتے تھے یا پھر اہل مکہ کے مسائل کو حل فرماتے تھے اور ان کو اپنی نیند پر ترجیح دیتے تھے۔ دوسری جانب اگر فطرتِ بشر کو دیکھا جائے کہ اگر کسی پر امانتیں واپس کرنے کی اتنی بڑی ذمہ داری ہو اور باہر ہر طرف ننگی تلواروں کا پہرہ ہو تو انسان کی نیند تو اس سے کوسوں دور رہتی ہے اور وہ ان مسائل سے نبرد آزماء ہونے کی تدابیر کرتا رہتا ہے۔ لیکن شبِ ہجرت جناب علیؑ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم سے اس طرح سوئے کہ فجر کی نماز بھی نہ پڑھ سکے۔ تو مجھے کہہ لینے دیجئے کہ علیؑ پر جو غلبہ نیند کا ہوا تو وہ ایک خاص حکم الٰہی کے تحت ہوا اور اس ذات تعالیٰ باری کو علیؑ کی نیند اس قدر پسند آئی کہ اسی وقت یہ آیت نازل فرمائی۔

(ترجمہ) "بے شک اللہ نے مسلمانوں کے کچھ نفسوں کو خرید لیا ہے جنت کے بدلے میں۔" (سورۂ توبہ)

اور ان نفوس میں بلاشبہ سب سے مکرم نفوس اہل بیت اطہارؑ ہی کے ہیں اور خدا فرماتا ہے کہ میں نے ان نفوس کو اپنی رضا کے بدلے میں خرید لیا ہے۔ اس

کے معنی یہ ہوئے کہ اگر خدا کی رضا حاصل کرنی ہے تو ان پاک نفسوں کی اطاعت کرو۔

بہرحال حضور ﷺ نے جناب علیؑ کو اپنے بستر پر لٹا دیا اور خود بحکم تعالیٰ نکل گئے۔ بقول علامہ شبلی نعمانی کہ یہ سخت خطرے کا موقع تھا اور حضرت امیرؑ کو معلوم ہو چکا تھا کہ قریش حضور ﷺ کے قتل کا ارادہ کر چکے ہیں اور آج رسول خدا ﷺ کا بستر خواب گاہ، قتل ہے۔ لیکن فاتح خیبر کے لیے قتل گاہ فرش گل تھا۔ قریش دروازہ توڑ کر داخل خانہ ہوئے تو حضرت علیؑ کو سوتے پایا۔ انہوں نے پوچھا محمد ﷺ کہاں ہیں؟ جواب ملا کہ وہ خدا کی امان میں ہیں۔ یہ کہہ کر علیؑ تلوار سونت کر کھڑے ہو گئے تو سب قریش اپنی جوتیاں بھی چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ (سیرت النبیؐ)

امام غزالیؒ لکھتے ہیں کہ حضرت علیؑ کی حفاظت کے لیے اللہ تعالیٰ نے جبرائیلؑ و میکائیلؑ کو بھیج دیا تھا یہ دونوں ساری رات حضرت علیؑ کی خوابگاہ کا پہرہ دیتے رہے۔

حضور ﷺ کا فرمان ہے جس کو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ

"علیؑ کا منہ دیکھنا بھی عبادت ہے۔"

یہی وجہ ہے کہ ایک مستند روایت کے مطابق ایک مرتبہ حضرت علیؑ نوافل ادا کر رہے تھے۔ تو جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ انہیں دیکھ کر رک گئے اور اُن کے چہرہ کو تکنے لگے۔ کسی راہ گزر نے دیافت کیا اے ابوبکر رضی اللہ عنہ، اعلیؑ تو نوافل ادا کر رہا ہے لیکن تم کیوں اس طرح اس کو دیکھتے ہو؟ تو جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

"نوافل علیؑ بھی ادا کر رہا ہے اور میں بھی کیونکہ میں نے حضور ﷺ سے سنا ہے کہ علیؑ کے چہرہ کو دیکھنا بھی عبادت ہے۔" (فردوس۔ آسیہ)

Marfat.com

پھر ایک اور مقام پر جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس کو ابن حجر مکی نے نقل کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

"لوگ مختلف درختوں سے ہیں لیکن میں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور علیؑ ایک درخت سے ہیں۔" (صواعق محرقہ صفحہ 420)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے اور آپؐ کے اصحاب رضی اللہ عنہم چاروں طرف سے آپؐ کو گھیرے ہوئے بیٹھے تھے کہ اتنے میں حضرت علیؑ آئے اور کھڑے ہو کر مجلس میں بیٹھنے کی جگہ ڈھونڈنے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کی طرف دیکھا کہ ان میں سے کون علیؑ کو جگہ کی گنجائش دیتا ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپؐ کے دائیں جانب بیٹھے ہوئے تھے۔ اپنی نشست سے ابوبکر رضی اللہ عنہ اٹھے اور فرمایا! اے ابوالحسنؑ! یہاں آجائیں۔ چنانچہ حضرت علیؑ، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے درمیان بیٹھ گئے۔ تو ہم نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ مبارک انتہائی خوش ہوا۔ اس کے بعد آپؐ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا:

"اے ابوبکر رضی اللہ عنہ! اہل فضل ہی سے فضیلت ظاہر ہوتی ہے۔"

حضرت رباح بن حارث کہتے ہیں کہ مقام رحبہ میں ایک جماعت حضرت علیؑ کے پاس آئی اور اس نے کہا! السلام علیکم یا مولانا! حضرت علیؑ نے فرمایا کہ میں تمہارا مولا کیسے ہو گا؟ تم تو قوم عرب ہو (اور عرب غلام نہیں بنائے جاتے) اس جماعت نے کہا ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے غدیر خم کے دن سنا ہے۔ آپؐ فرماتے ہیں۔

"جس کا میں مولا اس کا علیؑ مولا۔"

حضرت رباح رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب یہ لوگ چلے تو میں ان کے پیچھے ہو لیا اور میں نے پوچھا وہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا ہم انصار ہیں اور ان میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

Marfat.com

اب جبکہ یوم غدیر کا ذکر آیا تو میں اس کی تفصیل میں جانا ضروری سمجھتا ہوں۔ کیونکہ میرے نزدیک "یہ اسلام کی ایک اہم عید ہے۔" کیونکہ اس دن شیر یزداںؑ کو ولایت محمدی ﷺ عطاء ہوئی تھی۔ وہ ولایت کہ جس کے بل پر اسلام کی روشنی دنیائے عالم میں پھیلی۔ وہ ولایت کہ جو اسلام کا ایک قیمتی اثاثہ ہے۔ وہ ولایت کہ جو خود بھی اثاثہ اسلام کی امین ہے۔ وہ ولایت کہ جس کے بل پر علم معرفت کی منازل طے ہوتی ہیں۔ وہ ولایت کہ جو جب تک اس دنیا میں ہے تب تک اس دنیا کا وجود بھی قائم ہے۔ وہ ولایت کہ جس کے مشورہ سے خلافت بھی چلتی ہے۔ وہ ولایت کہ جس پر شجاعت بھی ناز کرتی ہے اور وہ ولایت کہ جس کے خون سے کھیتی اسلام بھی سیراب ہوتی ہے۔

یوم غدیر تاریخ اسلام کا ایک اہم ترین دن ہے۔ یہ وہ دن ہے جب خداوند کریم نے مسلمانوں پر اپنی نعمتوں کی تکمیل کر دی۔ احکام دین کامل و استوار ہوگئے۔ بندگی کی راہ میں گامزن امت کو ولایت کی سرپرستی عطا ہوئی۔ ہدایت کے رسالتی سلسلہ کو امامت سے متصل کر دیا گیا اور فرزند کعبہ' مسند امامت پر جلوہ افروز ہوا۔

پیغمبر اسلام ﷺ حجاج کے انبوہ کثیر کے ساتھ مکہ سے واپس آتے ہوئے 18 ذی الحج کو غدیر کے علاقہ میں پہنچے۔ غدیر ایسی جگہ کو کہتے ہیں جہاں بارش کا پانی اکٹھا ہو جاتا ہے۔ اس تپتے ہوئے صحرا میں ایسی جگہیں بہت اہم ہوا کرتی ہیں۔ اس زمانے میں اس مقام کی دوسری خصوصیت یہ تھی کہ وہیں سے قافلے مختلف سمتوں میں متفرق ہوا کرتے تھے۔ جب نبی کریم ﷺ اس مقام پر پہنچے تو خداوند عالم کی جانب سے ولایت کی تبلیغ کرنے کا حکم پوری تاکید و تہدید کے ساتھ نازل ہوا۔ امین وحی' خدا کا یہ پیغام لے کر نازل ہوئے۔

"اے پیغمبر خدا ﷺ جو حکم آپؐ پر خدا کی طرف سے نازل ہو چکا ہے۔ اس کی تبلیغ کر دیجئے اور اگر آپؐ نے یہ عمل انجام نہ دیا تو گویا

رسالت کی تبلیغ نہ کی۔ اللہ آپؐ کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے۔

(سورۂ مائدہ آیت 67)

اس آیت کریمہ میں تبلیغ کے اس حکم سے مراد جملہ تعلیمات اسلام کی تبلیغ ہرگز نہیں۔ ورنہ تہدید کا جملہ بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے کیونکہ اگر ہم اسے رسالت کی تبلیغ کا حکم مانیں تو شرط و جزاء میں کوئی فرق ہی باقی نہ رہے گا۔ اور اس طرح آیت کا مطلب یہ ہو گا کہ اے پیغمبر ﷺ آپ رسالت کی تبلیغ کیجئے اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو گویا آپ نے رسالت کی تبلیغ نہیں کی۔ ظاہر ہے آیت کے یہ معنی صحیح اور درست نہیں ہو سکتے۔ ماننا پڑے گا کہ اس تبلیغ سے مراد کوئی ایسا امر ہے جس پر پورے دین کا دارومدار ہے۔ اگر اسے انجام نہ دیا گیا تو رسالت کی تمام تبلیغات و تعلیمات اَدھوری رہ جائیں گی۔ کیونکہ یہی امر دین کی بقا کا موجب اور شریعت کے دوام کا ضامن ہے اور بغیر اس کے کوئی تبلیغ کارگر اور کوئی شریعت مکمل نہیں ہو سکتی۔ اس آیت کی شان نزول میں فخرالدین رازیؒ نے تفسیر کبیر، ابن صباغ مالکی نے فصول المہمہ اور جلال الدین سیوطیؒ نے تفسیر در منثور اور بہت سے علماء نے فرمایا ہے کہ یہ حضرت علیؑ کے سلسلہ میں نازل ہوئی۔

دوسری بات یہ کہ اسلام کے سارے اصول و تعلیمات کی تبلیغ کے موقعوں پر کبھی خدا نے لوگوں کا آنحضرت ﷺ سے وعدہ نہیں فرمایا۔ لیکن یہاں نبی ﷺ کو پس و پیش میں دیکھ کر خدا نے آپؐ کی حفاظت کا وعدہ فرمایا کہ وہ آپؐ کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ولایت کے تعین کا مرحلہ ایسا تھا جو کسی کو بغض و حسد میں مبتلا کرتا اور کسی کو سوظن کا شکار بناتا۔ چونکہ جناب امیرؑ نے گزشتہ اسلامی جنگوں میں عرب کے بے شمار سرکشوں کو زمین دکھائی تھی۔ ان میں سے بعض نے تو خوف سے اسلام قبول کر لیا تھا۔ لیکن ان کے دل میں علیؑ کی طرف سے بغض و عناد بھرا ہوا تھا۔ دوسری طرف رسول خدا ﷺ سے نزدیک ترین قرابت رکھنے کی وجہ سے علیؑ کا انتخاب سادہ لوح افراد

کیلئے سوظن کا باعث ہوتا۔ جو دشمنوں اور بدخواہوں کیلئے بڑا سودمند ثابت ہوتا۔ لہٰذا رسول اسلام ﷺ کو خدشہ تھا کہ کہیں اس امر کا اعلان برے نتائج کا پیش خیمہ نہ ثابت ہو۔ یہی وجہ تھی کہ خداوند عالم نے پیغمبر اسلام ﷺ کو ان تمام عواقب سے مطمئن کر دیا۔ کہ خدا آپؐ کو بدخواہوں کے شر سے محفوظ رکھے گا۔

واللہ یعصمک من الناس ۝

خدا کے اس قدر مستحکم وعدہ کے بعد پیغمبر ﷺ نے کمال اطمینان کا مظاہرہ فرماتے ہوئے وہیں رکنے کا اعلان کر دیا اور حکم دیا کہ جو لوگ آگے جا چکے ہیں انہیں واپس بلایا جائے اور خود پیچھے رہ جانے والوں کا انتظار کرنے لگے۔ یہ بڑا عجیب و غریب موقع تھا۔ سب ایک دوسرے سے پوچھتے تھے۔ آخر اس تپتے ہوئے صحرا میں جبکہ حاجی اپنی ردائیں تلوؤں میں لپیٹے اونٹوں کے سایوں میں دبکے پھر رہے ہیں۔ پیغمبر ﷺ نے یک بیک سب کو کیوں روک لیا؟ کون سا ایسا امر ہے جو پیغمبر ﷺ کو اس چلچلاتی دھوپ میں انجام دینا ہے؟

لوگوں کا استعجاب اپنے کمال کو پہنچ رہا تھا کہ رسول خدا ﷺ نے اس مقام پر اُگے ہوئے چند درختوں کے سایہ میں اونٹوں کے کجاؤں سے منبر بنانے کا حکم دیا۔ ظہر کا ہنگام تھا۔ عالم اسلام نے اس تپتی ہوئی زمین پر نماز ادا کی۔ ادائے نماز کے بعد آنحضرت ﷺ منبر پر تشریف لے گئے اور بڑی بلند اور رسا آواز میں ایک اہم ترین اور تاریخ ساز خطبہ ارشاد فرمایا۔

"اے لوگو! عنقریب میں دعوتِ حق پر لبیک کہنے والا ہوں اور تم سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رخصت ہونے والا ہوں مجھ سے رسالت سے متعلق سوال کیا جائے گا اور تم سے بھی دریافت کیا جائے گا تو تم کیا کہو گے؟"

سب نے یک زبان ہو کر کہا۔

"ہم گواہی دیں گے کہ آپؐ نے امور رسالت پوری طرح سے انجام دیا۔ آپؐ لوگوں کے خیرخواہ رہے اور اس راہ میں بڑی زحمتیں

Marfat.com

اُٹھائیں۔ خداوند عالم آپؑ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔"

آپؑ نے فرمایا۔

"کیا تم خدا کی واحدانیت' میری رسالت' جنت و دوزخ' موت و حیات کی حقانیت کی گواہی نیز قیامت اور مردوں کو دوبارہ زندہ کیے جانے کی شہادت دو گے؟"

سب نے یک زبان ہو کر پیغمبر ﷺ کے قول کی تصدیق کی۔ آپؑ نے فرمایا: "خدایا تو گواہ رہنا۔" پھر آپؑ نے دریافت کیا۔ "تم سب میری آواز سن رہے ہو۔" مجمع کے اثبات پر آپؑ نے اپنی گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

"میں تم سے پہلے حوض کوثر پر پہنچنے والا ہوں اور تم بھی وہاں وارد ہو گے۔ لہٰذا غور سے سنو کہ میں تمہارے درمیان جو دو اہم چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں ان کے ساتھ کس طرح پیش آؤ گے؟"

مجمع نے دریافت کیا۔

"اے خدا کے رسول ﷺ وہ چیزیں کیا ہیں؟"

آپؑ نے فرمایا:

"ان میں سے ایک خدا کی کتاب قرآن حکیم ہے جو ثقل اکبر ہے اور تمہارے اور خدا کے درمیان رابطہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اسے اپناؤ تاکہ گمراہ نہ ہو اور دوسرے میرے اہل بیتؑ ہیں۔ خداوند عالم نے مجھ سے فرمایا ہے کہ یہ قرآن سے کبھی جدا نہ ہوں گے اور قیامت میں قرآن کے ہمراہ مجھ سے ملاقات کریں گے۔ دیکھو ان دونوں پر سبقت نہ کرنا اور نہ ان کے حق میں کوئی کوتاہی کرنا ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔"

اس کے بعد آپؑ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ہاتھ تھاما اور اس قدر بلند فرمایا کہ دونوں کی سفیدی بغل نمایاں ہو گئی۔ پھر فرمایا:

"اے لوگو! کیا میں مومنین سے زیادہ ان کے نفوس پر اولیٰ نہیں

Marfat.com

ہوں۔"

لوگوں نے یک آواز ہو کر اس کی تصدیق کی۔ آپؐ نے تین بار اس جملہ کی تکرار کی اور لوگوں سے اقرار لیا اور پھر فرمایا:

"جس جس کا میں مولا ہوں علیؑ بھی اس کے مولا ہیں۔ خدایا! تو ان کے دوستوں کو دوست رکھ اور ان کے دشمنوں سے دشمنی کا سلوک فرما۔ جو ان کی نصرت کرے اس کی نصرت فرما۔ اور جو انہیں چھوڑے تو بھی اس سے اپنی رحمت کو دور فرمادے۔ اس مجمع میں موجود افراد پر لازم ہے کہ وہ دوسروں کو جا کر اس واقعہ کی خبر دیں۔

(تفسیر در منشور' ملا جلال الدین سیوطیؒ طبع قدیم مصر صفحہ 409)

ابھی مجمع متفرق نہیں ہوا تھا کہ جبرائیل امین پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آیت لے کر نازل ہوئے۔

"آج میں نے تمہارے دین کو کامل کر دیا۔ تم پر اپنی نعمتیں تمام کر دیں اور تمہارے دین سے راضی ہو گیا۔" (سورۂ مائدہ آیت 3)

اس کے بعد تمام لوگوں نے حضرت علیؑ کو مبارک باد دی۔ جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ جملہ تاریخ پر ثبت ہے۔

"مبارک ہو مبارک ہو اے ابی طالبؑ ۔ آج آپ میرے اور تمام مومنین و مومنات کے مولا ہو گئے۔

(کذا فی المشکواۃ' شاہ ولی اللہ محدث دہلوی' ابن جوزی' ابو نعیم اصفہانی' مالکی)

افسوس کہ ابھی کچھ عرصہ بھی نہ گزرا تھا کہ منکران اہل بیتؑ نے سر اُٹھا لیا اور اس واقعہ کی تفصیل سے منکر ہو گئے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدیث غدیر بیان کرنے کے بعد فرمایا تھا۔

لیھلک من ھلک عن بینۃ و یحیی من حی عن بینۃ۔

(ترجمہ) "اب جو چاہے اسے قبول کرلے اور جو ترک کرنا چاہے ترک کرے۔"

یہ بالکل اسی طرح ہوا جس طرح حضور ﷺ کے بعد بعض لوگوں نے نماز کا تو اقرار کیا لیکن زکوٰۃ دینے سے انکار کردیا تھا۔ اسی طرح بعض نے حدیثِ غدیر کی تصدیق کی لیکن بعض اس کے منکر ہوئے اور جو منکر ہوئے تو وہ خوار ہوئے۔

اِنہی منکران کے خوف سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا:

"میں نے آنحضرت ﷺ سے دو علم حفظ کیے۔ ایک کو تو میں نے پھیلا دیا (یعنی علم دین) اور دوسرے کا نام لوں تو یہ میری گردن کاٹی جائے۔)

حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ (تفسیر بیان القرآن)

"چار دن ایسے ہیں جب شیطان رو پڑا۔

(1) جس دن وہ لعوم قرار پایا۔

(2) جس دن وہ آسمان سے نکال باہر کیا گیا۔

(3) جس دن رسول خدا ﷺ مبعوث کیے گئے۔

(4) جس دن غدیر میں امامت علیؑ کا اعلان ہوا۔

(ابو۔علی)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے ہمیں واسطے خمس میں روانہ فرمایا اور ہم پر اَمیر ملت علی علیہ السلام کو مقرر کیا۔ جب ہم خمس کا قبضہ لے کر واپس آئے تو حضور ﷺ نے دریافت کیا کہ تم نے اپنے امیر کو کیسا پایا؟ تو میں نے یا میرے علاوہ کسی دوسرے نے آپؐ سے حضرت علیؑ کی شکایت کی۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپؐ نے اپنا سر مبارک بلند کیا اور میں سر جھکائے ہوئے بیٹھا تھا۔ تو میں نے دیکھا کہ نبی کریم ﷺ کا چہرہ مبارک سرخ ہوگیا ہے اور آپؐ فرما رہے تھے کہ جس کا میں مولا اس کا علیؑ مولا۔ تو میں نے عرض کیا کہ میں آپؐ کو حضرت علیؑ کے بارے میں کبھی تکلیف نہ دوں گا۔

حضرت عمر بن شاس اسلمی جو صلح حدیبیہ میں شریک تھے۔ فرماتے ہیں کہ میں حضرت علیؑ کے ساتھ ایک سریہ میں تھا جس کو آنحضرت ﷺ نے یمن کی طرف روانہ کیا۔ حضرت علیؑ نے مجھ پر بعض سختیاں کیں جس کی وجہ سے میں ان سے خفا تھا۔ جب میں مدینہ پہنچا تو میں نے ان کی ہر مجلس میں اور جس کسی سے ملا شکایت کی۔ میں ایک روز سامنے سے آیا اور حضور ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ جب آپؐ نے مجھے دیکھا کہ میں آپؐ کی دونوں آنکھوں کی طرف دیکھ رہا ہوں۔ آپؐ نے میری طرف نظریں جمائیں۔ یہاں تک کہ میں آپؐ کے پاس بیٹھ گیا اور جب میں بیٹھ گیا تو آپؐ نے فرمایا۔ اے عمرو! خدا کی قسم! سن لے تو نے مجھے تکلیف دی ہے۔ میں نے کہا۔ اِنا لِلّٰہ وَاِنا اِلَیہ رَاجِعون ٥ میں اللہ کی اور اسلام کی اس بات سے پناہ چاہتا ہوں کہ حضور ﷺ کو تکلیف پہنچاؤں۔ تب آپؐ نے فرمایا:

"جس نے علیؑ کو تکلیف دی اُس نے مجھ کو تکلیف دی۔"

حضرت سعد بن ابی وقاص فرماتے ہیں کہ میں اور میرے ساتھ دو آدمی مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے اور ہم نے حضرت علیؑ کے بارے میں کچھ کہنا شروع کیا۔ سامنے سے رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ آپؐ کے چہرہ مبارک پر غضب کے آثار نمایاں تھے۔ میں نے آپؐ کے غصہ سے اللہ کی پناہ چاہی۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگوں کو کیا کہوں؟ اور مجھے کیا ہو گیا؟ جس نے علیؑ کو تکلیف دی اس نے مجھے تکلیف دی۔

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے حضرت علیؑ کے بارے میں کچھ کہنے لگا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تو اس قبر والے ﷺ کو جانتا ہے۔ یہ حضرت محمد ﷺ بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہیں اور علیؑ، ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں اور یہ بھی عبدالمطلب کے پوتے ہیں۔ تو علیؑ کا تذکرہ بجز بھلائی کے مت کر۔ اگر تو نے حضرت علیؑ کو تکلیف پہنچائی تو ان

صاحبِ قبر ﷺ کو تکلیف پہنچائی۔

حضرت ابوبکر بن خالد بن عرفطہ' حضرت سعد بن مالک کے پاس آئے اور کہا مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ تم لوگ کوفہ میں حضرت علیؑ کو برا کہتے ہو تو کیا تو نے بھی ان کو برا بھلا کہا ہے؟ حضرت سعد نے کہا اللہ کی پناہ! اس ذات کی قسم سعد کی جان جس کے ہاتھ میں ہے۔ میں نے حضور ﷺ سے سُنا ہے کہ آپؐ حضرت علیؑ کیلئے کچھ فرماتے تھے۔ اگر میرے سر کے بیچ پر آراء چلایا جائے تو میں (اس قول کے سننے کے بعد) حضرت علیؑ کو جب بھی برا نہ کہوں گا۔

حضرت ابو نجیح فرماتے ہیں کہ جب معاویہ نے حج کیا تو حضرت سعد بن ابی وقاص کا ہاتھ پکڑا اور کہا اے ابو اسحاق! ہم وہ لوگ ہیں کہ ان غزوات نے ہم کو حج سے دور کر دیا اور قریب ہے کہ ہم حج کی بعض سنتیں بھول جائیں۔ لہٰذا تم طواف کرو ہم بھی تم جیسا طواف کریں۔ ابو نجیح کہتے ہیں جب طواف سے فارغ ہوئے تو حضرت سعد کو دارالندوہ میں لے گئے اور انہیں اپنے ساتھ تخت پر بٹھایا اور اس کے بعد حضرت علیؑ کا تذکرہ کیا اور ان کے بارے میں کچھ کہنے لگے۔ تو حضرت سعد نے کہا تو نے مجھے اپنے گھر میں داخل کیا اور تم نے مجھے اپنے تخت پر بٹھایا۔ اس کے بعد تم برائی کے ساتھ حضرت علیؑ کے بارے میں لب کشائی کرتے ہو؟ خدا کی قسم اگر مجھ میں ان کی تین باتوں میں سے ایک بات ہوتی تو یہ مجھے زیادہ پسند تھا۔ اس چیز کے مقابلے میں کہ میرے پاس تمام روئے زمین ہوتی جس پر سورج نکلتا ہے۔ اور کاش کہ اگر میرے لیے وہ ہوتا جو رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؑ سے غزوۂ تبوک کے موقع پر کہا تھا کہ اے اعلیؑ! کیا تم اس بات پر راضی نہیں کہ تم میرے لیے اس طرح ہو جس طرح ہارون علیہ السلام' موسیٰ علیہ السلام کے لیے تھے۔ مگر صرف بات یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ تو یہ بات مجھے زیادہ پسند تھی اس سے کہ میرے لیے وہ دنیا ہوتی جس کے اوپر سورج نکلتا ہے اور اگر میرے لیے وہ چیز ہوتی جو حضور ﷺ نے یوم خیبر میں حضرت علیؑ کے بارے میں کہا تھا کہ میں

Marfat.com

ایسے آدمی کو جھنڈا دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو دوست رکھتا ہے اور اللہ اور اس کا رسول ﷺ اسے دوست رکھتے ہیں۔ اللہ اس کے ہاتھوں فتح نصیب کرے گا۔ وہ بھاگنے والا نہیں۔ تو یہ چیز مجھے اس دنیا سے زیادہ محبوب ہے جس پر سورج طلوع ہوتا ہے اور اگر میں آپ ﷺ کی بیٹی پر حضور ﷺ کا داماد ہوتا اور میرے اس سے لڑکا ہوتا جس طرح حضرت علیؑ کے لیے ہے۔ تو یہ بات مجھے اس سے زیادہ محبوب تھی کہ میرے لیے وہ دنیا ہوتی جس پر سورج نکلتا۔ لیکن یہ تینوں خصوصیات صرف ذات علی علیہ السلام ہی کے لیے مخصوص ہیں اور کوئی دوسرا شخص ایسی کسی ایک خصوصیت کا بھی حامل نہیں۔ آج کے بعد میں تمہارے پاس گھر میں کبھی داخل نہ ہوں گا۔ اس کے بعد حضرت سعد نے اپنی چادر جھاڑی اور باہر نکل گئے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب علیؑ میں چار فضیلتیں ایسی ہیں کہ وہ اور کسی کو نصیب نہیں ہیں۔ ایک نشان بردار ہونا ہر جہاد میں' صبر کرنا روز احد کے' غسل دینا رسول اللہ ﷺ کو اور قبر میں رکھنا ان کو۔ یہ چاروں کا مجموعہ کسی میں نہیں ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں منافق کی تین پہچانیں تھیں۔ تکذیب اللہ و رسول ﷺ کی' پیچھے رہنا جماعت سے اور بغض علیؑ ابن ابی طالب سے۔

تاریخ گواہ ہے کہ جس کے دل میں بھی بغض علیؑ رہا تو اس بات سے قطع نظر کہ وہ زمانہ رسول ﷺ میں اِخلاق و کردار میں کتنا ہی برگزیدہ رہا ہو لیکن تاریخ میں اُس کا کردار ہمیشہ مشکوک رہا۔ اور بعض اوقات تو عذاب الٰہی کا مستحق ٹھہرا۔

اِس ضمن میں ایک مستند روایت بیان کی جاتی ہے کہ بعد از وصال نبی اکرم ﷺ جب فتنوں نے جنم لیا تو نام نہاد مسلمانوں کی ایک جماعت جو حدیث غدیر کی قائل نہ تھی۔ انہوں نے حضرت علیؑ کو آزمائش میں ڈالنے کی ٹھانی اور ایک زندہ شخص کو کفن میں لپیٹ کر اس کا جنازہ تیار کیا اور حضرت علیؑ کے پاس روتے

Marfat.com

پیٹتے پہنچے اور کہا کہ ہمارا یہ عزیز قضائے الٰہی سے مرگیا ہے۔ آپ اس کا جنازہ پڑھائیں۔ مولا علیؑ نے ان سے سوالیہ کہا کہ کیا واقعی جنازہ پڑھادوں؟ انہوں نے یک زبان کہا۔ جی ہاں۔ اسی طرح حضرت علیؑ نے تین مرتبہ اُن سے دریافت کیا۔ تینوں مرتبہ انہوں نے ہاں میں جواب دیا۔ تب برادر رسول ﷺ نے کہا۔ ٹھیک ہے تم صفیں ترتیب دو۔ چنانچہ آپ نے اُس زندہ شخص کا جنازہ پڑھادیا۔ جب لوگ جنازہ پڑھ چکے تو انہوں نے حضرت علیؑ کو کم علم جان کر ان کی ولایت و حکمت کا مذاق اُڑانا شروع کر دیا۔ اور کہنے لگے کہ اے علیؑ! یہ تو زندہ شخص ہے کہ جس کا تم نے جنازہ پڑھادیا۔ چنانچہ انہوں نے اُس شخص سے کہا کہ وہ کفن سے باہر آجائے۔ لیکن وہ کفن میں ساکن رہا۔ تب اُن منافقین نے جانا کہ وہ کفن پوش تو واقعی مرگیا۔ یہ دیکھ کر اُس کے عزیز و اَقارب رونے پیٹنے لگے اور حضرت علیؑ سے فریاد کرنے لگے۔ تب حضرت علیؑ نے فرمایا کہ روز محشر جب تمام نبی آدمؑ زندہ کی جائے گی تو یہ شخص اس وقت بھی مردہ ہی رہے گا۔

اِسی طرح کتاب انوار الیقین، صفحہ 309 پر سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مقتدر شیخ نے اُم فروۃ رضی اللہ عنہا انصاریہ کو پاس بلایا۔ اور کہا کہ تو علیؑ کے بارے میں کیا کہتی ہے تو اُم فروۃ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ وہ اماموں کے امام، وصیوں کے وصی اور ایسی ہستی ہیں جن کے نور سے مشرق و مغرب منور ہوئے۔ اور جس کی معرفت کے بغیر معرفتِ توحید بھی پوری حاصل نہیں ہوتی۔ اور تو نے اس کی بیعت توڑ دی دین میں تبدیلیاں کیں اور دنیا کے بدلے دین کو بیچ دیا۔ یہ سن کر وہ شیخ آگ بگولہ ہوگیا۔ اور کہنے لگا کہ یہ عورت مُرتد ہوگئی ہے اسے قتل کیا جائے۔ چنانچہ حبِ علیؑ کی پاداش میں اس مومنہ اور محبہ کو قتل کیا گیا۔

اِن دنوں مولا علیؑ مدینہ سے کہیں باہر گئے ہوئے تھے۔ جب واپس تشریف لائے تو پتہ چلا کہ اُم فروۃ رضی اللہ عنہا قتل کر دی گئی ہیں۔ آپ اس کی قبر پر تشریف لائے۔ قبر پر کھڑے ہو کر دعا مانگی کہ اے مارنے کے بعد زندہ کرنے والے اور

Marfat.com

بوسیدہ ہڈیوں کو جوڑنے والے اُم فروۃ رضی اللہ عنہا کو دوبارہ زندہ فرما۔ اور ان نافرمانوں کے لیے موجب عبرت بنا۔ مولا کے دعائیہ کلمات ختم ہوتے ہی اُم فروۃ رضی اللہ عنہا زندہ ہو کر سبز ریشمی لباس میں ملبوس قبر سے برآمد ہوئیں اور عرض کی مولا یہ شیخ چاہتا ہے کہ نور خدا کو بجھادے۔ مگر اللہ تعالیٰ اِس نور کو روشن رکھنا چاہتا ہے۔ اسی لیے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر علیؑ ذات باری کی قسم دیں کہ وہ اولین و آخرین کو زندہ کردے تو وہ ضرور انہیں زندہ کردے گا۔

حضرت ابو عبداللہ خدلی فرماتے ہیں مجھ سے حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا۔ اے ابو عبداللہ رضی اللہ عنہ! کیا تم لوگوں میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو برا بھلا کہا جاتا ہے؟ میں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کس طرح برا بھلا کہا جا سکتا ہے؟ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا۔ کیا حضرت علیؑ کو اور جو ان کو دوست رکھتے ہیں۔ ان کو برا نہیں کہا جاتا ہے؟ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علیؑ کو دوست رکھتے تھے۔

حضرت ابو صادق فرماتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ میرا حسب نسب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حسب نسب ہے۔ میرا دین حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دین ہے جس نے مجھ کو برا کہا اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ تم سید العرب کو بلا دو۔ میں نے عرض کی کہ آپؐ ہی سید العرب ہیں۔ فرمایا میں سید اُولاد آدم ہوں اور علیؑ سید العرب ہیں۔ (بیہقی، کنز العمال، صواعق محرقہ صفحہ 416)

زبیر بن بکار قدس سرہ نے "اخبار مدینہ" میں حضرت ابو حازم اشجعی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! اللہ جل مجدہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک پاکیزہ مسجد بنانے کا حکم دیا۔ جس میں صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام ہی ٹھہر سکتے ہیں اور اللہ جل مجدہ نے مجھے بھی ایک پاکیزہ مسجد بنانے کا ارشاد فرمایا ہے۔ جس میں صرف میں اور علیؑ اور ان کے صاحبزادے ٹھہر سکتے ہیں۔ حضرت جابرؓ بن عبداللہ سے علامہ ابن عساکر نے روایت کیا کہ سید

Marfat.com

عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سید العرب یعنی جناب علیؑ سے فرمایا:

"اس مسجد میں جو شے میرے لیے جائز ہے۔ وہ تمہارے لیے بھی جائز ہے۔"

یہی وجہ ہے کہ ترمذی شریف میں روایت ہے جس کو ابو سعید سے نقل کیا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"میرے اور علیؑ کے سوا کسی کو جائز نہیں کہ حالت جنابت میں اس مسجد میں رہے۔"

علی بن منذر نے کہا کہ میں نے ضرار بن صرر سے اس کے معنی پوچھے۔ تو انہوں نے کہا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ حلال کسی کو نہیں کہ حالت جنابت میں اس مسجد سے گزرے۔ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت علیؑ کو ہے۔ اس کے سوائے کسی کو نہیں۔ (ترمذی جلد دوئم صفحہ 778)

اسی طرح کی روایت ترمذی میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی نقل کی گئی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم فرمایا: "تمام دروازے بند کر دو جو مسجد نبوی میں کھلتے ہیں مگر سوائے علیؑ کے۔" مسجد نبوی کے اطراف میں صحابہ کرامؓ کے جو مکانات تھے ان کے دروازے مسجد نبوی میں بھی کھلتے تھے۔ تمام صحابہ اکثر ان دروازوں سے مسجد میں آتے جاتے تھے۔ مگر حکم خداوندی کے تحت آپؐ نے تمام دروازوں کو بند کرنے کا حکم فرمایا۔ اس طرح حالت جنابت میں صرف آپؐ اور حضرت علیؑ کو مسجد میں آنے کی اجازت تھی۔ (جلد دوئم صفحہ 779)

اس حدیث کو ترمذی کے علاوہ نسائی میں بھی چھ سے زائد روایات سے نقل کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ طبری، حاکم، امام سیوطی، ابن حجر مکی، محدث عبدالحق دہلوی نے بھی اس حدیث کو اپنے اپنے انداز سے کئی حوالوں کے ساتھ بیان کیا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ جناب عمرؓ نے فرمایا: علیؑ بن ابی طالب کو تین باتیں ایسی عطا ہوئیں۔ اگر مجھے ان میں سے ایک بھی عطا ہو جاتی تو سرخ اونٹوں کی قطار سے بہتر

Marfat.com

تھیں۔ لوگوں نے پوچھا وہ کون سی تین باتیں ہیں۔ آپ نے کہا: "اول فاطمہؑ بنت محمد ﷺ سے نکاح' دوسرا مسجد میں ان کی سکونت' کیونکہ علیؑ کیلئے بھی وہ باتیں مسجد میں جائز تھیں جو پیغمبر کے لیے جائز تھیں اور بروز خیبر علیؑ کو علم دینا۔
(بخاری و مسلم' نسائی' حاکم سیوطی وغیرہ)

بعض لوگ اس حدیث کو جناب۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے منسلک کرتے ہیں۔ بلاشبہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ اول اور برگزیدہ صحابی تھے۔ لیکن یہ حدیث صرف جناب علیؑ کیلئے ہی وارد ہوئی ہے۔ کیونکہ جناب عمرؓ کے مندرجہ بالا بیان سے ثابت ہے کہ انہوں نے مسجد میں قیام کو صرف حضرت علیؑ سے مختص کیا ہے۔

ارشاد نبوی ﷺ ہے۔

"میں حکمت کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہیں۔"

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

"علیؑ سے منافق محبت نہیں رکھتا اور مومن علیؑ سے بغض نہیں رکھتا۔"

حضرت عمران بن حیص سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"علیؑ مجھ سے اور میں علیؑ سے ہوں اور علیؑ ہر مومن کا دوست اور مددگار ہے۔"
(مشکواۃ شریف' جلد سوئم صفحہ 259)

حضرت اُم عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی۔ رحمت ﷺ نے ایک لشکر کو کہیں بھیجا جس میں علیؑ بھی تھے۔ آپ فرماتی ہیں کہ علیؑ کے چلے جانے کے بعد میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا یعنی ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے ہوئے۔

"اے اللہ مجھ کو اس وقت تک موت نہ دینا جب تک کہ تو مجھ کو علیؑ نہ دکھادے۔"
(ابن اثیر' مشکواۃ' ترمذی)

علامہ اثیر متعدد اصحاب سے روایت کرتے ہوئے درمیان میں امام ابوحنیفہ' ابراہیم نخفی' حسن بصری' شعیب ابن اسحاق و دیگر سے روایت کرتے ہوئے آخر

Marfat.com

میں انس بن مالک سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ایک بھنا ہوا پرندہ رکھا ہوا تھا۔ اس وقت آپؐ نے یہ دعا کی۔

"یا اللہ! میرے پاس ایک ایسے شخص کو بھیج جو تیری مخلوق میں سب سے زیادہ تجھے محبوب ہو۔ وہ میرے ساتھ اس پرندے کو کھائے۔"

پس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے آپؐ نے انہیں واپس کر دیا۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آئے۔ آپؐ نے ان کو بھی واپس کر دیا۔ پھر علیؑ آئے آپؐ نے انہیں اجازت دی۔ اور دونوں نے اس پرندے کا گوشت کھایا۔ ابن اثیر نے دوسری روایت میں بھی یہی الفاظ استعمال کیے ہیں۔ البتہ تیسری روایت میں ان الفاظوں کا اضافہ ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے دعا فرمائی۔ تو حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میری خواہش تھی کہ یہ فضیلت کسی انصار کو ملے۔ مگر علیؑ آئے اور آنحضرت ﷺ نے آپ کو اندر بلایا اور پرندے کا گوشت کھایا اور فرمایا:

"یا اللہ ان سے محبت کر۔" (اسد الغابہ جلد ہفتم صفحہ 40-39)

مندرجہ بالا روایت کو امام نسائی اور علامہ مسعود نے بھی بسند صحیح نقل کیا ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں:

"نبی ﷺ کی نظر میں میرا رتبہ سب مخلوق سے بلند ہے۔ میں صبح ہی صبح حضور ﷺ کے در دولت پر حاضری دیتا اور کہتا السلام علیکم یا نبی اللہ ﷺ، اگر حضور ﷺ سلام کے جواب میں کھنگارتے تو میں اپنے گھر لوٹ جاتا اور اگر آپؐ نہ کھنگارتے تو میں آپؐ کے شانہ نبوت میں داخل ہو جاتا۔" (مشکوٰۃ شریف۔ جلد سوئم صفحہ 262)

حضرت جابر سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے غزوۂ طائف کے دن بعد از نماز عشاء حضرت علیؑ کو بلایا اور آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؑ سے سرگوشی میں بات کی۔ اس وقت صحابہ رسول ﷺ کہنے لگے۔ آج آپ نے

Marfat.com

اپنے چچازاد بھائی کے ساتھ بہت دیر تک سرگوشی کی ہے۔ تو آپؐ نے فرمایا:

"میں نے ان سے سرگوشی نہیں کی۔ اللہ نے خود ان سے سرگوشی کی ہے۔" (ابن اثیر' ترمذی' ازالۃ الخفاء)

بلاشبہ یہ راز و نیاز کی باتیں تھیں۔ اللہ نہیں چاہتا تھا کہ میرے محبوب کا محبوب آپس میں باتیں کریں اور کوئی دوسرا ان کی باتوں کو سنے اور پھر تمام مسلمان جانتے ہیں کہ اللہ کو جو کہنا ہوتا ہے وہ زبان۔ نبیؐ سے کہلاتا ہے۔ رسول۔ خدا ﷺ اپنی طرف سے کچھ نہ کہتے ہیں اور نہ عمل کرتے ہیں۔ آپؐ کا ہر عمل و قول منشاء الٰہی کے تابع ہے اور آپؐ کا مندرجہ بالا بیان یہ واضح کر دیتا ہے کہ جناب علیؑ سے سرگوشی میں بات کرنا کسی رشتے ناطے کی بناء پر نہ تھا بلکہ حکم الٰہی یہی تھا۔

یہ روایت حدیث کی دیگر کتابوں میں بھی ہے۔ امام نسائی' ابو جعفر' اسود بن عامر و دیگر سے روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں قریش کے کچھ لوگ آئے اور کہا کہ یا محمد ﷺ ہم آپ کے ہمسائے اور حلیف ہیں۔ ہمارے کچھ غلام آپؐ کے پاس آگئے ہیں۔ انہیں دین و فقہ سے کچھ رغبت نہیں۔ بلکہ وہ ہمارے نقصان اور ہمارے مالوں کی وجہ سے فرار ہو کر آپؐ کے پاس آگئے ہیں۔ انہیں ہمیں لوٹا دیجئے۔ آنحضرت ﷺ نے سن کر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ ان کے لیے کیا کہتے ہو؟ جناب ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ یہ سچ کہتے ہیں پھر آپؐ نے یہی سوال حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کیا تو انہوں نے بھی یہی جواب دیا کہ یہ لوگ سچے ہیں۔ لیکن آپؐ مطمئن نہ ہوئے۔ چنانچہ آپؐ نے فرمایا: اے گروہ۔ قریش! خدا کی قسم! میں تم میں سے تمہارے پاس ایسے آدمی کو بھیجوں گا جس کے دل کا اللہ تعالیٰ نے اِمتحان لے رکھا ہے۔ وہ دین کے بارے میں تمہارے ساتھ جنگ کرے گا اور تم میں سے بعض کو مارے گا۔ اس فرمان کے بعد اس وقت موجود تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے باری باری عرض کی۔ یا رسول اللہ ﷺ

Marfat.com

کیا وہ آدمی ہم ہیں۔ آپؑ نے سب کو باری باری نفی میں جواب دیا۔ پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"وہ شخص جو جوتے مرمت کر رہا ہے۔ (اس وقت حضرت علیؑ جوتے مرمت کر رہے تھے۔)　(خصائص نسائی صفحہ 28)

حضرت حبش بن جنادہ سے روایت ہے کہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے جس سے وعدہ کیا تھا وہ کھڑا ہو جائے۔ پس ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا کہ رسول کریم ﷺ نے مجھے تین مٹھی کھجوروں کا وعدہ کیا تھا۔ پس ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جناب علیؑ سے کہا انہیں کھجوریں دو پھر تعداد گنی تو برابر تھی۔ اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا! رسول کریم ﷺ نے ہجرت کی رات نماز میں فرمایا تھا۔

"میری ہتھیلی اور علیؑ کی ہتھیلی گنتی میں برابر ہے۔"

(ریاض النضرہ، طبری جزاول صفحہ 67-83)

ایک دوسری روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا۔

"مسلمانوں میں بہترین فیصلہ کرنے والے علیؑ ہیں۔"　(طبری، ریاض النضرہ)

قارئین کرام! ہم جو اپنے آپ کو اہل علم و فکر کہہ کر شاہِ ولایت کی شان کو جانچنے، ناپنے اور احاطہ تحریر میں لانے کے لیے کوشاں ہیں۔ اس حقیقت کو جانے باوجود کہ علیؑ کی ذات تو وہ ذات ہے کہ زمانہ قدیم سے لے کر زمانہ جدید تک تمام علماء و مفکرین عالم حیرت میں گم ہو کر اپنے کتب خانوں اور لائبریوں میں اپنی عقلیں کھو چکے ہیں۔ علیؑ کی ذات تو ان کی پیدائش سے قبل ہی سراپا معجزات تھی۔ جب بھی شمسِ نبوت ﷺ منبر خانہ ابوطالب رضی اللہ عنہ پر طلوع ہوتا تو حضرت علیؑ شکم مادر میں اپنی حرکت سے اپنی والدہ رضی اللہ عنہا کو اس امر پر مجبور کرتے کہ وہ حضور ﷺ کی تعظیم و تکریم کے لیے اٹھ کھڑی ہوں۔

Marfat.com

یہی وجہ ہے کہ جب ایک روز حضور ﷺ نے اپنی چچی سے دریافت کیا کہ اے چچی! کیا وجہ ہے کہ جب میں آتا ہوں تو آپ کھڑی ہو جاتی ہیں۔ حالانکہ میں چھوٹا ہوں اور آپ بڑی ہیں تو فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت اسد نے جواباً عرض کیا کہ میں خود کھڑی نہیں ہوتی۔ بلکہ جو امانت رب العزت نے میرے شکم میں میرے حوالے کر رکھی ہے یہ مولود مجھے مجبور کرتا ہے کہ میں آپؐ کی تعظیم کروں۔ تو اب یہ بڑی غور طلب بات ہے کہ جو ظہور عالم ابھی نہیں آیا تو اس کو معرفت محمد ﷺ کا یہ عالم تھا کہ خود ہی نہیں بلکہ اپنی اُم گرامی کو بھی اس کی عظمت و تکریم سے روشناس کرائے کہ یہ کتنی عظیم ترین شخصیت ہے۔ لیکن جب منشاء شہود پر آئے گا تو اس کی شان و عظمت کو دنیا سے منوانے کیلئے کیا کچھ نہ کرے گا۔ جب آپ کی ولادت کا وقت قریب ہوا تو آپ کی والدہ مکرمہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت اسد کو تکلیف ہوئی۔ تو آپ خانہ خدا کے قریب گئیں اور طواف کرنے لگیں۔ جب طواف سے فارغ ہوئیں تو دیوار کعبہ سے ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئیں اور دربار رب میں یہ دعا کی۔

"یا رب جلیل تجھے اپنے خلیل کے خانہ کعبہ اور اس مولود کا واسطہ ہے
جو میرے شکم میں ہے میں مومنہ ہوں میری مشکل آسان فرما۔"

آپ کی دعا سے دیوار کعبہ شک ہو گئی اور آپ کی والدہ محترمہ خانہ کعبہ میں داخل ہو گئیں تو دیوار کعبہ اپنی اصلی حالت میں آ گئی۔ اس طرح سے گوہر بحر ممکنات' جلوۂ حسن کائنات' نور رَب الکریم 13 رجب المرجب سن 30 عام الفیل بمطابق 400 سن عیسوی' یوم جمعتہ المبارک جلوہ گر ہوا۔ آپ سے قبل کوئی بیت الحرم میں تولد ہوا ہے نہ ہو گا۔ مولود کعبہ جناب علیؑ نے تین یوم تک آنکھیں نہ کھولیں۔ مگر جب اشرف الانبیاء ﷺ تشریف لائے اور حضرت علیؑ کو اپنی آغوش میں لے لیا تو علیؑ نے آنکھیں کھول دیں اور رُخ پیغمبر کو دیکھنے لگے۔ حضور ﷺ نے حضرت علیؑ کو سینے سے لگا لیا اور پیشانی پر بوسہ دے کر فرمایا۔

Marfat.com

"اے علیؑ! آپ ہمارے ہیں ہم علیؑ تیرے ہیں۔"

حضور ﷺ نے اپنی زبان۔ اطہر کو علیؑ کے منہ میں دے دیا۔ جناب علیؑ نے زبان۔ رسول ﷺ کو چوسنا شروع کیا تو اہل۔ امامت میں بارہ چشمے جاری ہوگئے۔ مورخین لکھتے ہیں کہ جناب علیؑ مختون اور ناف بریدہ تولد ہوئے۔

(روضۃ الشہداء۔ ترجمہ صائم چشتی)

علامہ محمد صالح حنفی تحریر فرماتے ہیں کہ اس زمانے میں دستور تھا جب کسی کے ہاں بچہ پیدا ہوتا تو ابو جہل بتوں کے پاؤں کی مٹی کا سرمہ بچے کی آنکھوں میں ڈالتا تھا۔ حسب معمول وہ ابو طالب رضی اللہ عنہ کے گھر بھی آیا مگر حضرت علیؑ نے اپنے بچپنے کے باوجود اسے ایسا طمانچہ مارا کہ آخر دم تک وہ کج رو ہی رہا۔

علامہ بسمل امرتسری لکھتے ہیں کہ ایک یوم آپ کی والدہ مکرمہ آپ کو جھولنے میں لٹا کر کہیں گئی ہوئی تھیں کہ جھولے پر ایک کالا اژدھا چڑھ آیا۔ جناب علیؑ نے ہاتھ بڑھا کر پکڑ لیا اور اس کے کلے کو چیر دیا۔ جب آپ کی والدہ واپس آئیں اور یہ ماجرہ دیکھا تو کہنے لگیں۔

"بے شک میرا فرزند حیدر ہے۔"

بعض روایات میں ہے کہ آپ کی والدہ نے نانا کے نام کی مناسبت سے ان کا نام حیدر رکھا تھا۔ ان کے نانا کا نام اسد تھا۔ حیدر اور اسد ہم معنی ہیں۔ مگر ان کے والد نے ان کا نام علیؑ رکھا۔ لیکن اس کے برعکس علامہ بشاہر واعظ کاشفی کتاب بشاہر المصطفیٰ ﷺ سے یزید بن قعنب سے روایت تحریر کرتے ہیں کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت۔ اسد نے ہاتف۔ غیبی سے آواز سنی کہ اس مولود کا نام علیؑ رکھنا۔ اسی روایت کے مطابق جناب علیؑ کو پہلا غسل بھی حضور ﷺ نے دیا اور کیا شان ہے کہ حضور ﷺ کو بھی آخری غسل جناب علیؑ نے دیا۔

کنیت میں آپ کو ابوالحسن اور ابو تراب کہا جاتا ہے۔ آپ کے القاب یہ ہیں۔ مولی الثقلین، امیرالمومنین المرتضیٰ، کل ایمان، اسد اللہ الغالب، وغالب علیٰ

کل غالب' یداللہ' لسان اللہ' نفس رسول اللہ ﷺ کرار" غیر ضرار اور حیدر مشہور ہیں۔ آپ کو عین اللہ اور وجہہ اللہ بھی کہتے ہیں۔

شانِ علیؑ سے تسکینِ قلوب اذہان حاصل کرنے کے لیے ایک اور زاویے سے آپ کے مقام کا جائزہ لیتے ہیں۔ اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں اپنے آپ کو "رب العرش العظیم" کے نام سے یاد کیا ہے۔ جس کے معنی ہیں "آسمانوں کا رب" اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ نے قرآن میں متعدد جگہ پر مسجد الحرام اور مسجد الاقصیٰ کا ذکر بھی کیا ہے اور ان کو اپنا گھر ظاہر کر کے ان کی جانب قبلہ رُو ہو کر عبادت کا حکم دیا ہے۔ اس دنیا میں جتنے بھی انسان ہیں خواہ امیر ہو یا غریب' اس کے دو ٹھکانے ہوتے ہیں۔ ایک وہ کہ جس کو وہ اپنا مسکن بناتا ہے یا جسے گھر کہتے ہیں اور ایک وہ کہ جہاں پر وہ اپنا کاروبار یا کوئی اور مقصد پورا کرتا ہے یا جسے اس کا سرکاری ٹھکانہ کہتے ہیں۔ قرآن میں لفظ "العرش" استعمال ہوا۔ اس سے مثل ایک بلند و بالا اختیار مقام ہے۔ کہ جس پر رہ کر فیصلے کیے جاتے ہیں یعنی سرکاری کام لیے جاتے ہیں۔ تو قرآن میں جب "رب العرش العظیم" آیا تو اس کے معنی اللہ کے سرکاری ٹھکانہ کے ہوئے۔ لیکن جو اس کا ذاتی ٹھکانہ یا گھر ہے اس کو قرآن نے مسجد الحرام کہا ہے تو قارئین کرام ذرا غور فرمایئے گا کہ جب اس کو سرکاری کام درپیش ہوا تو حضور ﷺ کو معراج کے ذریعے اپنے پاس بلا لیا اور جب ذاتی کام پڑا تو علیؑ کو اپنے گھر (کعبہ) میں بلا لیا۔

جناب علیؑ کے بچپن کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ ان کی نشوونما کی رفتار نسبتاً تیز تھی اور وہ اپنی ذہنی اور جسمانی صلاحیتوں کے اعتبار سے اپنے ہم عمر بچوں سے آگے تھے۔ حضرت علیؑ کا جسم اپنی ساخت کے اعتبار سے بڑا مضبوط تھا۔ جس میں ساٹھ سال کی عمر کو پہنچنے کے بعد بھی کوئی فرق نہ آیا۔ ان کی جوانی کا نقشہ بعض لوگوں نے ان الفاظ میں کھینچا ہے۔

"جسم بھرا ہوا' قد مائل بہ پستی' رنگ گہرا گندمی' سر کے بال اُڑے

Marfat.com

ہوئے' داڑھی گھنی' آنکھیں بڑی بڑی' چہرہ ہشاش بشاش' صراحی دار گردن' شانے شیروں کی طرح چوڑے چکلے' بازو پر گوشت' پیٹ ذرا بھاری جسے توند نہیں کہہ سکتے۔ پنڈلیاں اوپر سے موٹیں نیچے سے پتلی' رفتار تیز' میدان جنگ میں اس طرح پیش قدمی فرماتے گویا دائیں بائیں نظر اُٹھانے سے بے نیاز ہیں۔ آواز میں اس قدر دبدبہ تھا کہ نامور جانبازوں کے کلیجے منہ کو آنے لگتے۔ جسمانی قوت اور عوارض و مشکلات کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنے کی طاقت غیر معمولی طور پر قدرت نے انہیں عطا کی تھی۔ اکثر ایسا ہوا کہ شہسوار کو اُٹھایا اور گیند کی طرح زمین پر دے مارا۔ کسی شخص کا ہاتھ پکڑ لیتے تو اس کا دم گھٹنے لگتا۔"

حضرت علیؑ کی خدمت میں شب و روز رہنے والے ایک رفیق ضرار رضی اللہ عنہ بن صخرہ اس طرح ان کی تصویر کھینچتے ہیں۔

"بڑے بلند نظر عالی ہمت' بڑے طاقتور' جچی تلی گفتگو فرماتے' حق و انصاف کے مطابق فیصلہ فرماتے' زبان و دین سے علم کا سرچشمہ ابلتا' ہر ادا سے حکمت ٹپکتی' دنیا اور بہار دنیا سے وحشت تھی۔ رات اور رات کی تاریکی میں خوش رہتے۔ آنکھیں پُر آب' ہر وقت فکر و غم میں ڈوبے ہوئے' رفتار زمانہ متعجب' نفس سے ہر وقت مخاطب' کپڑا وہ مرغوب جو موٹا چھوٹا ہو' غذا وہ مرغوب جو غریبانہ اور سادہ ہو' کوئی امتیازی شان پسند نہیں کرتے تھے۔ جماعت کے ایک فرد معلوم ہوتے تھے۔ ہم سوال کرتے تو جواب دیتے۔ ہم حاضر ہوتے تو سلام و مزاج پرسی میں پہل کرتے' ہم مدعو کرتے تو دعوت قبول فرماتے لیکن اس قرب و مساوات کے باوجود رُعب کا یہ عالم تھا کہ بات کرنے کی ہمت نہ ہوتی اور سلسلہ سخن کا آغاز کرنا مشکل ہوتا' اگر کبھی مسکراتے تو دانت موتی کی لڑی کی طرح معلوم ہوتے' دینداروں کی عزت اور مساکین سے

محبت کرتے تھے' لیکن اس تواضع و مسکنت کے باوجود کسی طاقتور اور دولت مند کی مجال نہ تھی کہ ان سے کوئی غلط فیصلہ کروا لے یا ان سے کوئی رعایت حاصل کر لے۔ کمزور کو ہر وقت ان سے عدل و انصاف کا بھروسہ تھا۔"

آپ کے ظاہری قبول اسلام (ظاہری اس لیے کہ حقیقتاً تو آپ کا ایمان اسی طرز پر مسلم ہے کہ جس طرز پر نبی آخرالزماں ﷺ کا ہے) کے بیان میں ابن عباس رضی اللہ عنہ' زید بن ارقم رضی اللہ عنہ اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے نقل ہے کہ حضور ﷺ کو نبوت ہوئی پیر کے دن اور حضرت علیؑ نے قبول اسلام کیا منگل کے دن اور آپ کی عمر اس وقت دس برس تھی۔ حضرت علیؑ کے فضائل میں حضرت امام ابو حنیفہؒ اپنی "مسند اعظم" جلد اول صفحہ 320 پر فرماتے ہیں۔

"حضرت علیؑ کے ایک شاگرد نے فرمایا۔ میں نے بھی علیؑ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں وہ پہلا شخص ہوں جو اسلام لایا۔"

اصل میں تو حضرت علیؑ کے لیے اسلام سے قبلیت و بعدیت ہی نہیں ہے۔ اسلام علیؑ کے وجود کے ساتھ ہے۔ حقیقتِ اسلام پیغمبر اسلامؐ ہے وہ علیؑ کے ساتھ ہے' تعلیم اسلام قرآن ہے وہ علیؑ کے ساتھ ہے۔ دینِ اسلام فطرتِ انسانی ہے اور وہ علیؑ کے ساتھ ہے۔ علیؑ پر کبھی باتفاق اہل اسلام' کفر طاری ہی نہیں ہوا پھر قبلیت و بعدیت اسلام کیسی؟ مطلب ہمارا یہ ہے کہ قبل بعثت و اظہار نبوت ختمی مرتبت علیؑ کی کیا شان ہے؟ مگر اِس زمانے میں حضرت کا سن دس یا زیادہ سے زیادہ تیرہ سال ہے۔ اِصطلاحاً دنیا میں تو داخل ہی نہیں ہیں جو دنیاوی سوانح اور کارنامے یہاں درج ہو سکیں۔ ہاں علیؑ اُس وقت اِیک چاند کی مانند ہیں۔ جو شمسِ رسالت کے ساتھ ساتھ پھرتا نظر آتا ہے۔ اور جسم بے سایہ کے پرتو میں رہتا ہے۔ اور جب یہ آفتابِ رسالت اس کو گود میں لیے ہوتا ہے تو قرآن السعدین نظر آتا ہے جب ایک حجرے میں ہوتے ہیں تو ایک برج میں شمس و قمر جمع

Marfat.com

ہو جاتے ہیں۔ علیؑ اس وقت بھی نور ہے' نور کی صحبت میں ہے' نور کے پرتو میں ہے۔ اسلام کی گود میں ہے۔ اسلام کی تعلیم میں ہے۔ اسلام کی تربیت میں ہے۔ پیغمبر اسلام کی حرکات و سکنات کا مطالعہ کر رہا ہے اور قدرت کا تماشا دیکھ رہا ہے۔ قلب شفاف و نوری ہے۔ کبھی باطنی چمکارا پڑتا ہے۔ روحانی کرشمہ نظر آتا ہے۔ رسول ﷺ سے کچھ چپکے سے کہتا ہے اور حضرت ﷺ فرماتے ہیں۔

"اے علیؑ! تو بھی وہ دیکھتا ہے جو میں دیکھتا ہوں اور بیشک تو وہ سنتا ہے جو میں سنتا ہوں۔"

کل اہل اسلام جانتے ہیں کہ علیؑ کو بچپن سے رسول اللہ ﷺ ہی نے پالا ہے۔ جیسا کہ خود حضرت علیؑ فرماتے ہیں۔

"میں اس طریقے سے رسول ﷺ کی اِتباع کرتا تھا جیسے اونٹنی کا بچہ اپنی ماں کے پیچھے چلتا ہے۔ (نہج البلاغہ' خطبہ قاصعہ)

ابن ہشام وغیرہ مورخین لکھتے ہیں اور خصم کو بھی اِقرار ہے کہ علیؑ کو رسول خدا ﷺ اپنے پاس بغرض تربیت لے آئے تھے۔ اس میں ایک خاص راز ہے۔ ہمیشہ قائدہ ہے کہ ولی عہد کی تعلیم کا خاص بندوبست ہوا کرتا ہے۔ خاص معلمین و اساتذہ کے سپرد کیا جاتا ہے۔ کامل اتالیق معین کیا جاتا ہے۔ یہاں بھی وہی اہتمام ہے۔ اس وقت حضرت علیؑ کم سن ولی عہد کی شان رکھتے ہیں۔ دست قدرت نے ان کی تعلیم و تربیت کا خاص انتظام کیا ہے اور خود شہنشاہ دین و دنیا ہی کے سپرد کیا ہے۔ اور کون تھا جو ولی عہد امامت کو اس وقت تعلیم دے سکتا؟ علیؑ اسی وقت سے رازہائے سیاست۔ دینی سے واقف ہو رہے ہیں۔ یہ خصوصیت صرف علیؑ ہی کو حاصل ہے۔ اور ولی عہد' شہنشاہ کونین کی گود میں پل رہا ہے۔ کبھی کندھے پر اُٹھائے ہوئے ہیں اور کبھی جھولا ہلا رہے ہیں۔ کبھی ساتھ ساتھ لیے جا رہے ہیں اور کبھی راز کی باتیں سنا رہے ہیں۔ وہ معلم کامل جو تیس سال اصول ہدایت پر کامل غور کر چکا ہے۔ اور عنقریب علی الاعلان عملی طور پر کار ہدایت شروع کرنا چاہتا

Marfat.com

ہے۔ اور اس حالت میں بچوں کو راستوں میں کھیلتے دیکھ کر قبل اس کے یہ سنائے۔

"اے بچو! ہم کھیلنے کے لیے پیدا نہیں ہوئے ہیں۔"

یہ علیؑ کا تالیق ہے تو کیا حال ہوگا اس ولی عہد کا جو اس قدر نام رکھتا ہے؟ فیض کامل ہے۔ مبدء فیض فیاض ہے۔ اور وجود مستفیض مستعد و قابل؟ لوحِ نفس صاف۔ اور کامل جانشینِ امامت و وراثت بنے گا اور اس کی یہ شان ہوگی کہ دعوتِ اسلام کے وقت جب سب خاموش ہوں گے۔ یہ بول اٹھے گا کہ اے رسول اللہ ﷺ میں ہی تمہارے ساتھ ہوں۔ اور اس کام میں شریک اسی دن سے دینی بھائی بھی بن جائے گا۔ تاج ولائت بھی پائے گا اور امامت کے اس عہدے کا خطاب بھی اسی دن مل جائے گا۔

تاریخ الخلفاء و الصواعق ازالتہ الخفاء میں مرقوم ہے کہ آپ نے قبل بلوغ اسلام حضور ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی اور اسلام آپؑ کا' بعد اسلام حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ہے۔ محمد بن اسحاق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قریش میں سخت قحط آن پڑا اور ابو طالب رضی اللہ عنہ کے عیال کثیر تھے تو حضور ﷺ نے اپنے چچا عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ آپ بنی ہاشم میں غنی ہیں اور آپ کے بھائی ابو طالب رضی اللہ عنہ کے عیال کثیر ہیں۔ اس لیے ان کا بیٹا آپ لے لیں اور ایک میں لے لوں۔ چنانچہ جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا تو انہوں نے کہا میرے پاس عقیل رضی اللہ عنہ کو رہنے دو۔ چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی ذمہ داری سنبھال لی اور حضور ﷺ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اپنی گود میں لے لیا۔

ابن اسحاق سے ہی روایت ہے کہ وقتِ نماز حضور ﷺ گھاٹیوں میں چلے جاتے اور حضرت علیؑ بھی اپنے باپ اور چچا سے چھپ کر حضرت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چلے جاتے تھے۔ بس وہاں جاتے اور اکٹھے نماز ادا کرتے۔ جب شام ہوتی تو وہاں سے آتے۔ ایک دن حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ نے انہیں اکٹھے نماز

Marfat.com

پڑھتے ہوئے دیکھ لیا تو دریافت کیا کہ یہ کیسا دین ہے جو تم نے اختیار کیا ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا! اے چچا یہ اللہ تعالیٰ' اس کے فرشتوں' سب رسولوں اور ابراہیمؑ کا ہے۔ پھر حضرت علیؑ سے دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا! اے میرے باپ میں ایمان لایا ہوں رسول اللہ ﷺ پر اور تصدیق کی میں نے اور نماز پڑھتا ہوں میں ان کے ساتھ۔ کہا یہ تو خیر کی بات ہے تو اسے لازم پکڑ۔ بعثت سے تین سال تک جناب رسالت مآبؐ پوشیدہ طور پر دعوتِ اسلام دیتے رہے تھے۔ یہاں تک کہ اپنے خویش و اقارب کو عذابِ الٰہی سے ڈرانے کا حکم ہوا۔

"اے رسول! تم اپنے قریبی رشتہ داروں کو (عذاب الٰہی سے) ڈراؤ"

حضرت علیؑ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے مجھ سے فرمایا۔ اے علیؑ تم کچھ روٹی' بکرے کی ایک ران اور تھوڑے دودھ کا سامان کر رکھو۔ جب شام ہوئی تو آپؐ نے قریش میں سے چالیس آدمی بلائے اور کھانا ان کے سامنے رکھا گیا۔ آپؐ نے اپنا دستِ مبارک لگا دیا۔ اس کے بعد ان سے کھانے کو فرمایا۔ جب سب کے سب کھانا کھا کر سیر ہو گئے۔ حالانکہ وہ کھانا بظاہر ایک آدمی سے زیادہ کھانے کا نہ تھا تو آپؐ نے چاہا کہ کچھ بات کریں کہ ابولہب نے بات کاٹ کر کہا کہ تمہارے صاحب نے بڑا جادو کیا ہے۔ یہ سننا تھا کہ سب کے سب چل پڑے۔ دوسرے دن پھر آنحضرت ﷺ نے اس سامان کا حکم دیا اور کھانے کے بعد آپؐ نے فرمایا! "اے فرزندان عبدالمناف میں تمہارے ہاں دنیا اور آخرت کی نیکی لے کر آیا ہوں اور اچھی خبر لایا ہوں کہ اس سے پہلے تمہارے پاس کوئی ایسی خبر نہ لایا اور مجھے خدا نے تمہیں دعوت دینے کا حکم دیا ہے تو تم میں سے کون ایسا ہے جو میرا وزیر بنے اور میرے کام میں میری مدد کرے۔ تاکہ وہ میرا بھائی اور میرا وصی اور خلیفہ ہو۔ کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ مگر حضرت علیؑ نے عرض کیا رسول اللہ ﷺ میں آپؐ کے دشمنوں کو نیزہ ماروں گا اور آنکھیں پھوڑ دوں گا۔ بہرکیف اس طرح آنحضرت ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا۔ لیکن

Marfat.com

حضرت علیؑ کے سوا کسی نے جواب نہ دیا۔ تب آپ نے فرمایا۔
"تو ہی میرا وزیر' میرا وصی اور میرا بھائی اور خلیفہ ہے۔"
(تفسیر معالم التنزیل جلد 5 صفحہ 105 طبع بمبئی)

قارئین کرام! خدا کے نزدیک سب سے مقرب بندہ وہی ہے جو خدا سے زیادہ ڈرنے والا اور متقی ہو۔ اور جس مقام سے آنحضرت ﷺ کا اول العابدین ہونا ثابت ہے۔ وہیں سے علیؑ کا بھی اول العابدین و اول ساجدین ہونا ثابت ہے اور اتحاد نوری اس کی دلیل ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے عبادت کی ہے' علیؑ نے بھی کی ہے۔ اس وقت دونوں جدا نہ تھے اور اسی میں کل اہل بیتؑ شریک ہیں۔ انہوں نے اس وقت سے تسبیح و تقدیس خدا کی ہے۔ جبکہ ملائکہ بھی اس سے واقف نہ تھے۔ اور دنیا میں کوئی گھڑی خالی نہیں رہتی کہ جب یہ تسبیح و تقدیس و تحلیل نہ کرتے ہوں۔ جب یہ اول دنیا میں آتے ہیں تو آتے ہی کہتے ہیں۔

شهد الله انه لااله الاهو الملئكة و اولوالعلم قائماً بالقسط

اور یہی وہ ہیں کہ جب کوئی اسلام کا نام بھی نہ لیتا تھا تو یہ اسلام پر تھے۔ اس وقت نبی ﷺ کے ساتھ ساتھ چھپ چھپ کر نماز کون ادا کیا کرتا تھا؟ اور اہل مکہ خصوصاً قریش حیرت سے ان کی نماز کو دیکھتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ یہ محمد ﷺ ایک بچے کے ساتھ کیا کرتا ہے۔ یہ وہ وجود ہیں جو کسی وقت ذکر خدا اور عبادت سے خالی نہیں۔ ان کے لیے وہ وقت اور وہ زمانہ پیدا ہی نہیں ہوا۔ جب یہ وصف اسلام سے خالی اور عاری ہوں۔ یہ اسلام لانے والے نہیں بلکہ یہ اسلام کو دنیا میں لانے والے ہیں۔ ملائکہ کو اسلام سکھانے والے ہیں۔

کم سنی میں حضرت علیؑ کی اس تصدیق کو مغربی مورخین نے بھی نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ چنانچہ مسٹر گلمن اپنی کتاب Story of the Nation کی نویں جلد میں نقل کرتے ہیں۔

Marfat.com

"Allah has commissined me to call men to him, who among you will join me in the sacred work and become my brother, my caliph, my commissioner? A prefound silence fell upon the whole assembly, until Ali, the youngest of them all cried out with zeel, I prophet of Allah, I will join you. Muhammad embraced Ali and said, Behold my brother, my caliph, my commissioner, Listen to him obey his Commendsı"

Sir Thomes Carloyal اپنی کتاب Heroworship میں حضرت علیؓ کی شجاعت اور کم سنی کے اس نذرپن کو اس انداز میں خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔

(ترجمہ) پس یہ مجلس جس میں علیؓ کے باپ ابو طالب رضی اللہ عنہ موجود تھے۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے برا سلوک نہیں کر سکتی تھی۔ تاہم یہ نظارہ' یعنی اَن پڑھ آدمی ایک سولہ سالہ لڑکے کے ساتھ مل کر اپنے تمام بنی نوع انسان کے برخلاف اتنی بڑی مہم کا فیصلہ کرے' میں ایک قسم کی نزاکت نظر آئی۔ اس لیے سارے اہل مجلس ہنس پڑے۔ لیکن حقیقت میں یہ ہنسی کی بات نہ تھی بلکہ ایک وزن دار بات تھی۔ اور اس نوجوان علیؓ کی نسبت یہ رائے ہے کہ ہر شخص اس کو پیار ہی کرے گا۔ ایک نہایت شریف دل مخلوق جیسا کہ اس نے اس جلسہ میں اپنے آپ کو ظاہر کیا اور اس کے بعد ہمیشہ ظاہر کرتا رہا۔ ایک محبت اور اخلاق کا بھرا' آتش دلیری والا' نہایت درجہ کا شجاع اور شیر ببر جیسا بہادر۔ تاہم معاف کرنے والا' ایک مجسم سچ اور محبت کر پچن Nighthood کا مستحق۔ یہی علیؓ وہ لسان الصدق ہے جس کی کتب سابقہ میں پیشین گوئی موجود ہے۔ اور تمام فائف و مولف اس کی صداقت کے قائل ہیں۔"

امام احمد بن حنبلؒ نقل کرتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"میں تمہیں بشارت دیتا ہوں کہ خدا نے میری تائید علیؑ سے کی۔ جو سید الاولین و آخرین و سید الواصلین ہے۔ اور اسی کو میرا کفو بنایا۔"

احمد بن حنبلؒ ہی ایک دوسرے مقام پر حضرت علیؑ سے نقل کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشادہ فرمایا:

"ہر نبی کا وصی ہوتا ہے جیسے آدمؑ کے وصی شیثؑ ہوئے موسیٰؑ کے یوشعؑ بن نون ہوئے۔ اور عیسیٰؑ کے شمعونؑ ہوئے اور علیؑ میرا وصی ہے۔ اور میرا وصی سب وصیوں سے بہتر ہے۔"

(مودۃ القربیٰ ینابیع المودۃ۔ مسند احمد حنبل)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ "اخبار الاخبار" کے دیباچہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

"جب خاتم نبوت ﷺ کی خلافت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ذات گرامی تک پہنچی تو اس شجر علم و ولایت سے درخت طوبیٰ کی مانند بے شمار شاخیں پھوٹیں۔ جن کے کمالات ہر جانب سایہ فگن ہوئے اور ساری دنیا حضرت علیؑ کے نور جمال ولایت سے روشن ہو گئی۔ بالخصوص رسول اللہ ﷺ کی اولاد عالی نژاد نے بحکم وراثت حقیقی اور مناسبتِ ذاتی ولایت کا پورا پورا حصہ اور فیض حاصل کیا اور اپنی عصمتِ ذاتی کی بناء پر ولایتِ معنوی کا علم بلند کرتے ہوئے ظاہری حکومت دوسروں کے لیے چھوڑ دی۔ خاندان نبوت سے نور ولایت نہ تو کبھی منقطع ہوا نہ ہو گا اور آسمان ولایت نے بغیر ان اقطاب کے کبھی قرار نہیں پکڑا۔ انہی میں سے اللہ نے جسے چاہا قطب الاقطابِ عالم، غوثِ بنی آدم اور مرجع جنس و انس بنا کر مشرق و مغرب میں مشہور و معروف کر دیا اور حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ کو دین اسلام کا دوبارہ زندہ کرنے والا بنایا۔ اگرچہ جمال محمدیہ ﷺ تمام آلؑ میں تاباں و درخشاں ہے مگر محی الدین سید

Marfat.com

عبدالقادر جیلانیؒ میں اس کا کچھ اور ہی رنگ ہے۔ جو یقیناً جمال احمدی ﷺ اور کمال محمدی ﷺ کا مظہر ہے۔"

جس طرح مقام نبوت کے مرکز اعلیٰ آنحضرت ﷺ ہیں۔ اسی طرح مقام ولایت کے مرکز اعلیٰ سیدنا علیؓ ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"اور جب اللہ نے نبیوں سے عہد کیا کہ جو کچھ میں تمہیں کتاب اور علم سے دوں پھر تمہارے پاس پیغمبر آئے جو اس چیز کی تصدیق کرنے والا ہوں جو تمہارے پاس ہے تو اس پر ایمان لے آنا اور اس کی مدد کرنا۔"

حدیث شریف میں آتا ہے۔

"میں اس وقت بھی نبی ﷺ تھا جب آدم ابھی روح اور جسم کے درمیان تھے۔"

اس کی تشریح میں امام سیوطیؒ نے خصائص کبریٰ اور حضرت شیخ اکبرؒ نے "فتوحات مکیہ" میں تحریر فرمایا ہے:

حقیقت کلیہ اور تجلی اول میں قبول فیض کے لحاظ سے تمام حقائق سے قریب تر حقیقت محمدیہ ﷺ ہے اور اس کے بعد سیدنا علیؓ کی حقیقت ہے۔"

چنانچہ احمد بن شعیب، احمد بن حرب، اسباط اور ابو مریم نے کہا کہ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میں رسول کریم ﷺ کے ساتھ چل رہا تھا یہاں تک کہ ہم کعبہ شریف میں آگئے۔ پس رسول کریم ﷺ میرے کندھوں پر چڑھ گئے اور میں آپؐ کو لے کر اٹھ کھڑا ہوا۔ جب رسول کریم ﷺ نے میری کمزوری کو دیکھا تو مجھے فرمایا۔ بیٹھ جاؤ، میں بیٹھ گیا۔ تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا تم میرے کندھوں پر سوار ہو جاؤ۔ آپؐ مجھے لے کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ مجھے خیال ہوا کہ میں آسمان کے کنارے تک پہنچا ہوا ہوں۔ پس میں کعبہ پر چڑھ گیا وہاں تانبے یا پیتل کا مجسمہ پڑا ہوا تھا۔ میں اسے دائیں بائیں آگے پیچھے کرنے لگا۔

Marfat.com

یہاں تک کہ میں کامیاب ہو گیا۔ آنحضرت ﷺ نے مجھ سے فرمایا! اسے پھینک دو۔ میں نے اسے پھینک دیا اور مجسمہ شیشے کی طرح چور ہو گیا۔ پھر میں نیچے اُتر آیا تو رسول کریم ﷺ اور میں دوڑنے لگے کہ ہمیں کوئی آدمی نہ مل جائے گھروں کے پیچھے چھپ گئے۔ (خصائص نسائی صفحہ71) یہ واقعہ فتح مکہ سے بہت پہلے کا ہے۔ فتح مکہ کے وقت آنحضرت ﷺ کے دوش مبارک پر سوار ہو کر بڑے بت گرانے والا واقعہ اس سے الگ ہے اور درج ذیل ہے۔

فتح مکہ کے حالات میں محدث عبدالحق دہلوی تحریر کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ علم لے کر مکہ میں داخل ہوئے۔ بعض سیر کی کتابوں میں ہے کہ چند بڑے بت اونچی جگہوں پر نصب تھے۔ جن تک ہاتھ نہیں پہنچ سکتا تھا۔ ان میں ہبل بت بھی تھا۔ علی مرتضیٰؓ نے کہا آپؐ اپنے قدم میرے شانوں پر رکھ کر بت گرا دیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! "اے علیؓ تم بار نبوت اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتے۔ تم میرے کندھوں پر آؤ اور ان بتوں کو گرا دو۔ علیؓ کہتے ہیں میں دوش آنحضرت ﷺ پر آیا اور بتوں کو گرا دیا۔ اس حالت میں آنحضرت ﷺ نے علیؓ سے پوچھا تم اپنے کو کیا دیکھتے ہو۔ عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں ایسا دیکھتا ہوں گویا تمام حجابات اٹھ گئے ہیں اور میرا سر ساق عرش سے جا ملا اور جدھر بھی میں ہاتھ پھیلاؤں وہ چیز میرے ہاتھ میں آ جاتی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اے علیؓ تمہارا کتنا اچھا وقت ہے تم کار حق ادا کر رہے ہو اور میرا حال کتنا مبارک ہے کہ میں بار حق اٹھائے ہوئے ہوں۔ اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ جب علیؓ نے بتوں کو زمین پر گرا دیا اور وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے تو خود کو دوش رسول ﷺ سے زمین پر گرا دیا۔ (مدارج النبوت جلد دوئم صفحہ 486' علاوہ ازیں مسند امام احمدؒ)

یہاں ہم اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ اِسلام کے عنفوان کے زمانے میں اس کی نشوونما کے ساتھ ساتھ ولی عہد اِسلام بھی جوان ہو چکا ہے۔ اور تاریخ اسلام اور اس زمانے کے کارنامہائے اسلامی و پیغمبری پر نظر ڈالنے سے صاف معلوم ہو جاتا

ہے کہ اس وقت ولی عہد امامت کی شان ایک جرنیل بلکہ وزیر جنگ کی ہے۔ اب شمشیر حیدری ہے اور مخالفین اسلام کی گردنیں۔ جہاں جہاں ذوالفقار حیدری کفار کے قطرات خون گراتی ہے' وہیں اسلام کی بنیاد قائم ہو جاتی ہے۔ اور ہر ایک اہم معرکہ اس سے سر ہوتا ہے۔

حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ نے غنیتہ الطالبین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت فرمائی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "جب اللہ نے آدم علیہ السلام میں روح پھونکی تو انہیں عرش معلیٰ کی داہنی جانب پانچ انوار رکوع و سجود میں مصروف نظر آئے۔ آدم علیہ السلام کے استفسار پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ تیری اولاد کے پانچ افراد ہیں۔ اگر یہ نہ ہوتے تو میں جنت' دوزخ' عرش' کرسی' آسمان' زمین' فرشتے انسان و جن وغیرہ کو پیدا نہ کرتا۔ جب تمہیں کوئی حاجت پیش آئے تو ان کے وسیلے سے سوال کرنا۔" اس حدیث کو امام ابوالقاسم رافعؒ نے بھی نقل کیا ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ اور ان کے فرزند عبداللہ اور علامہ ابن عساکر اور علامہ طبری وغیرہ نے بھی اس ضمن میں کئی احادیث نقل کی ہیں۔ جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

میں اور علیؑ ایک ہی نور سے پیدا کیے گئے ہیں۔"

یہی وجہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سورۂ برآت دے کر بھیجا اور یہاں تک کہ وہ راستے پر تھے۔ آپؐ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بھیجا کہ وہ سورۂ برات حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے واپس لے لیں۔ حضرت علیؑ نے اس سے سورۂ برآت واپس لی جس کا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دل میں غم محسوس ہوا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "حکم الٰہی ہے کہ اسے کوئی نہیں پہنچائے گا مگر میں خود یا وہ شخص جو مجھ سے ہو۔ دوسری روایت میں یہ الفاظ اضافہ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اس پیغام کو یا تو میں خود پہنچاؤں گا

Marfat.com

یا میرے اہل بیتؑ پہنچائیں۔ (نسائی صفحہ 49-50' سیرت ابن ہشام جلد دوم صفحہ 257)
اس روایت کو دیگر محدثین نے بھی تحریر کیا ہے۔ ان میں بخاری و مسلم' ترمذی' امام حنبل' طبری شامل ہیں۔ امام احمد' مسند احمد جلد اول صفحہ 2 پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا بیان تحریر فرماتے ہیں کہ پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورۂ برآت دے کر روانہ کیا تاکہ میں اہل مکہ کے سامنے جاکر اعلان کروں۔ ابھی تین دن کی راہ طے کی ہوگی کہ حضرت علیؑ آئے۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام دیا اور اس طرح حضرت علیؑ کو سورۂ برآت سنانے کے لیے مقرر کیا۔ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی تو آپؐ نے فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ سورۂ برآت کی تبلیغ یا تو میں خود کروں گا یا علیؑ ادا کرے گا۔ اور فرمایا میرا پیغام کوئی نہیں پہنچائے گا مگر میں اور علیؑ۔ (نسائی صفحہ 49' ابن ماجہ 12' مشکوٰۃ 14)

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے بھی اپنی تفسیر عزیزی میں ان کلمات کی تفصیل لکھتے ہوئے جن کے توسل سے حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ توسل ثابت فرمایا۔ لیکن یہ یاد رہے کہ جیسے "شرح العقائد" اور "نبراس" میں تحریر ہے کہ حضرت علیؑ کے یہ فضائل شیخین رضی اللہ عنہ کے فضائل کے منافی نہیں ہیں۔ ان سے حضرات شیخین رضی اللہ عنہ کے فضائل میں کسی طرح کی کوئی کمی واقع نہیں ہوتی ہے۔

قارئین کرام! جہالت کیا کیا گل کھلاتی ہے؟ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک آدمی اپنی کم علمی اور عدم واقفیت کی بناء پر غلط عقیدہ پر قائم ہو۔ یعنی حقیقت کو نہ جانتا ہو اور ساتھ اس بات پر بھی اسرار کرے کہ جو بات وہ جانتا ہے وہی درست ہے اور وہ حقیقت سے کماحقہ واقف ہے۔ ایسا شخص جہل مرکب کی بیماری میں مبتلا ہوتا ہے۔ ظاہر میں حضرات جو اپنے آپ کو خدا پرست کہیں وہ حقیقت میں ظاہریت پرست ہیں۔ کیونکہ ذات خداوند تعالیٰ تو خود عقل و فطرت اور علوم و معارف کے پردوں میں پنہاں ہے۔ وہ ظاہر میں دیکھے جانے والا وجود ہی

نہیں۔ ظاہر میں حضرات کی عقل کی حدیں اس تلک رسائی نہیں کر سکتیں۔ شان و مقامات علیؑ کو ہماری عقلیں کیا سمجھیں گی۔ جیسا کہ سید الف شاہؒ نے اس شعر میں ایک حدیث کی تصویر کھینچی ہے۔

کہا نبیؐ نے بتا تو دوں میں مقام علیؑ کا ویسے یہ ڈر ہے
کہیں نہ اُمت کہے علیؑ کو مسیحؑ جیسے یہ ابن مریمؑ

مندرجہ بالا شعر حضور ﷺ کی اس حدیث کا ترجمہ ہے کہ حضرت علیؑ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ اگر میری امت کے لوگ تیرے حق میں ایسی بات نہ کہہ گزریں کہ جو نصاریٰ حضرت عیسیٰؑ کے حق میں کہہ رہے ہیں تو البتہ آج میں تیرے حق میں ایسی بات کہتا کہ تو کسی مسلمان کے پاس سے ہو کر نہ گزرکہ وہ تیرے پاؤں کی مٹی لے کر اس میں اپنے لیے برکت مانگتے۔" (فردوس آسیہ)

علامہ سیوطی، طبرانی اور ابن حاکم کی روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے تحریر کرتے ہیں۔

"جس جگہ قرآن شریف میں یَا اَیُّھَا الَّذِینَ آمَنُو ہے وہاں سمجھنا چاہیے کہ حضرت علیؑ ان کے امیرو شریف ہیں۔"

(تاریخ الخصائص صفحہ 358)

ابن عساکر، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

"قرآن شریف میں جو کچھ حضرت علیؑ کی شان میں نازل ہوا وہ کسی کی شان میں نازل نہیں ہوا۔ نیز آپ کی شان میں تین سو آیات نازل ہوئیں۔" (تاریخ الخصائص صفحہ 358)

صوفی سید محمد صالح کشفی الحنفی اپنی تصنیف "کوکب دری" جو عہد مغلیہ میں شائع ہوئی اور شاہجہاں بادشاہ کو پیش کی گئی، میں فرماتے ہیں۔

"شب معراج حضور ﷺ کا تشریف لے جانا اور اللہ تعالیٰ سے مکالمہ فرمانا اور اللہ تعالیٰ کا حضور ﷺ سے دریافت فرمانا کہ مخلوقات میں سب سے زیادہ کسے دوست رکھتے ہو اور حضور ﷺ کا جناب علیؑ کا نام لینا اور پھر اللہ تعالیٰ کا حضور ﷺ کو بائیں طرف حضرت علیؑ کو دکھانا اور حضرت علیؑ ہی کے لہجہ میں خطاب فرمانا کہ حضور ﷺ کو اطمینان ہو اور اچھا لگے اور پھر حضور اکرم ﷺ سے دریافت فرمانے پر تشریح بھی فرمادینا کہ میرا قیاس لوگوں پر نہ کرنا۔ بلکہ تم اور علیؑ دونوں میری مخلوق ہو اور تم دونوں کو اپنے نور سے پیدا کیا۔ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ علیؑ کی شان میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہے۔"

اسی طرح ایک اور مقام پر جناب عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ سے سنا جبکہ لوگوں نے حضرت ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ شب معراج میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے کس کی آواز میں کلام کیا تھا۔ فرمایا:

"علیؑ کی آواز میں' میں نے عرض کی اے میرے رب! تو مجھ سے باتیں کر رہا ہے یا علیؑ۔ فرمایا: اے محمدؐ! میں ایسا ہوں کہ کسی مخلوق کے ساتھ میرا قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ میں لوگوں جیسا نہیں اور نہ ہی کوئی شے میرے مشابہ ہے۔ میں نے تجھے اپنے نور سے پیدا کیا اور علیؑ کو تیرے اس نور سے پیدا کیا۔ میں تیرے دل کے بھید سے واقف ہوں کہ تیرے قلب میں مخلوق میں سے علیؑ سے زیادہ اور کسی کی محبت نہیں۔ پس میں اس کی آواز میں تیرے ساتھ ہم کلام ہوا تاکہ تیرے دل کو تسلی ہو۔"

حافظ ابو نعیم نے حلیتہ الاولیاء میں روایت کیا ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا۔

"جبکہ میں معراج کے لیے گیا تو اللہ نے تمام انبیاء کو جمع کیا اور فرمایا: اے

Marfat.com

محمد ﷺ! ان سے پوچھو کہ کس چیز کے ساتھ تم مبعوث بر رسالت ہوئے تھے۔ سب نے کہا ہم شہادت لاالہ الا اللہ اور تیری نبوت اور ولایتِ علیؑ کے اقرار کے ساتھ مبعوث ہوئے تھے۔"

یہی وجہ ہے کہ ابن اثیر نے ایک طویل روایت حضرت علیؑ سے روایت کی ہے۔ اس کا ایک اقتباس درج ذیل ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔

علیؑ تم کعبہ کی مثل ہو جاؤ لوگ اس کے پاس آتے ہیں یہ کسی کے پاس نہیں جاتا۔ اگر قوم تمہارے پاس آئے اور خلافت تمہارے حوالے کر دے تو قبول کر لینا اور اگر وہ تمہارے پاس نہ آئیں تو تم ان کے پاس نہ جانا۔ یہاں تک کہ وہ خود تمہارے پاس نہ آئیں۔ (اسد الغابہ جلد 7، صفحہ 42)

شیخ کمال الدین ابو سالم محمد ابن طلحہ اپنی کتاب الدار الغظم میں نقل کرتے ہیں کہ علماء طریقت اور مشائخ حقیقت کے نزدیک نقل صحیح اور کشف صریح سے ثابت ہے کہ امیرالمومنین علیؑ ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ منبر کوفہ پر کھڑے ہوئے خطبہ فرما رہے تھے۔ آغاز میں آپ نے خدا کی بزرگی بیان کی پھر رسول ﷺ کی وجہ بعثت اور شان اور پھر آنے والے دنوں کا کچھ حال بیان کیا اور ان دنوں کی ضعیفی پر افسوس ظاہر کیا۔ اتنے میں سوید بن نوفل اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔ امیرالمومنینؑ! جو کچھ واقعات آپ نے آئندہ ذکر کیے۔ کیا آپ ان پر حاضر و ناضر ہیں اور ان کا علم رکھتے ہیں؟ حضرت علیؑ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور چشم غضبناک سے اس کو دیکھا اور فرمایا:

"رونے والیاں تجھے روئیں، بلائیں تجھ پر نازل ہوں اُو خبیث مردوں کی اولاد جھوٹے عہد شکن، عنقریب تیری عمر ختم ہوگی اور ہلاکت تجھ پر غالب۔ تو کہتا ہے کہ کیا میں غیبی رازوں کو جاننے والا ہوں اور انوار الٰہی کا شاداب درخت؟ سن کہ میں آسمانوں کا رہنما ہوں اور تسبیح گزار فرشتوں کا رئیس و صاحب، میں خلیلؑ جبرائیلؑ ہوں اور حبیب، صادق

Marfat.com

میکائلؑ ۔ میں سارے فرشتوں کا سردار ہوں اور میں لوح محفوظ اور لوح خود اثبات کا محافظ' میں قطب ومیخور ہوں' اور میں ہی خود بیت معمور آسمان علوم' میں باران سحاب رحمت ہوں' اور میں ہی تاریکیوں کو روشن کرنے والا نور تاباں' میں فلک حجت ہائے الٰہی ہوں اور حجتوں کا باپ اور سردار ہوں' میں ساری کائنات کا مددگار و معاون ہوں' اور جملہ حقائق کو ثابت کرنے والا ہوں' میں خامس آل عباء ہوں' اور میں تفصیل وبیاں (سورۂ نساء)' میں عالم زبور اور حجاب رب غفور ہوں' میں برگزیدۂ رب جلیل اور ایلیا و انجیل ہوں' میں ہی معنی اُلفت ایلاف اور مفسر سورۂ ایلاف ہوں' میں رحال اعراف مراد ہوں' میں ابراہیم خلیل اور اژدھائے کلیم' میں سب ولیوں کا ولی اور سب نبیوں کا وارث ہوں' میں شدید القوی اور میں ہابل نور محمد ﷺ' میں پیشوائے روز محشر اور ساقی کوثر ہوں' میں ہی قاسم جنت اور اعداء اللہ کے لیے جہنم کی آگ بھڑکانے والا ہوں' میں امام المتقین ہوں' وارث رسول مختار ﷺ اور سب مددگاروں کا مددگار' مشکل کشائے روزگار ہوں' میں کافروں کو ہلاک کرنے والا ہوں' اور نیک اماموں کا باپ ہوں' میں ہی باب کفر (مثل قلعہ خیبر) کو اکھاڑنے والا اور کفر کی فوجوں کو پریشان کرنے والا ہوں' میں خزانہ قدرت کا قیمتی جوہر اور دروازۂ شہر علم پیغمبر ہوں' میں آیات و بیانات کی تفسیر کرنے والا ہوں' اور مشکل علوم کو بیان کرنے والا ہوں' میں ہی معنی نون و قلم ہوں' میں تاریکیوں کی شمع نورانی ہوں' میں سوال متی کا مصداق (متی نصر اللہ) اور میں "سورۂ ھل آتی" کا ممدوح ہوں (قدرت نے یہ قصیدہ میری ہی شان میں کہا ہے) میں بناء عظیم کا مصداق اور میں حقیقت صراط مستقیم الٰہی ہوں' میں صدف ہائے عظمت و کرامت کا

Marfat.com

موتی ہوں' اور میں کوہ قاف۔ جلال الٰہی میں سر حروف ہوں' میں ہی کوہ۔ راسخ علوم اور جبل شامخ معارف و حقائق ہوں' میں تمام غیبوں کی کنجی اور اہل ایمان کے دلوں کو روشن کرنے والی شمع ہدایت ہوں' میں سب روحوں کی روح اور سارے نفسوں کی جان ہوں' میں بار بار حملہ کرنے والا شہسوار اور سب ناصروں کی نصرت اور ان کا مددگار ہوں' میں حق کی برہنہ شمشیر اور شہید راہ۔ خدا ہوں' میں قرآن کو جمع کرنے والا اور بیان کی تفسیر' خلق الانسان علمه البیان کی تفسیر میں ہوں' میں رسول ﷺ کا برادر شفیق اور بتول عذراؑ کا شوہر رفیق ہوں' میں دین اسلام کا ستون اور بت شکن ہوں' میں صاحب۔ اذن ہوں' و فیها اذن داعیه کا مصداق ہوں' اور جنوں کو قتل کرنے والا' میں صالح المومنین اور امام المفلحین اور پیشوائے ارباب فتوت و جوانمردی ہوں' اور میں ہی خزانہ اسرار نبوت ہوں' میں پہلوؤں کی خبروں سے باخبر اور آنے والا ہوں' واقعات کی خبر دینے والا' میں سب قطبوں کا قطب' دوستوں کا دوست ہوں' میں مہدیؑ اور مسیحؑ زماں ہوں' میں خدا کی قسم وجہ اللہ ہوں' میں خدا کی قسم اسد اللہ ہوں' میں سید العرب ہوں اور میں رسول ﷺ کی مشکلات کو دور کرنے والا کاشف الکرب' میرے ہی حق میں کہا گیا ہے۔ لَافَتی اِلاَّعلی لَا سَیف اِلاَّذوالفقار ٥ اور میری ہی شان میں رسول ﷺ نے فرمایا ہے بمنزلة ہارون وَ مُوسی ٥ میں شہر ہر نبی پر غالب ہوں اور میں علیؓ ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ ۔"

راوی کہتا ہے کہ جب حضرت علیؓ یہاں تک اپنے بیان حقائق التیا میں پہنچے تو سائل تاب نہ لا سکا ایک چیخ ماری اور مردہ ہو کر زمین پر گر گیا۔ تو علیؓ نے اصل کلام کی طرف رجوع کیا اور اس کے بعد یوں سلسلہ بیان کو جاری رکھا:

Marfat.com

"حمد ہے اس اللہ کے لیے جو روحوں کا پیدا کرنے والا اور ساری اُمتوں کا خلق کرنے والا ہے اور درود و سلام ہو' اِسم اَعظم' نور قدم رسول اکرم ﷺ اور اس کی آلؑ پر۔ پھر فرمایا! پوچھ مجھ سے آسمان کے راستوں کو کہ میں زمین کی نسبت بھی اس کو زیادہ جاننے والا ہوں۔ پوچھ مجھ سے کہ قبل اس کے مجھ کو نہ پاؤ۔ کیونکہ میرے پہلوؤں میں دریائے علوم ٹھاٹھیں مار رہے ہیں۔"

پھر علماء و حکماء ماہرین اُٹھے اور اس کے ساتھ اولیاء کاملین اور اصفیاء نادر بھی اور حضرتؑ کے قدموں کو چوما اور اسم اعظم کی قسم اٹھا کر کہتے تھے کہ اس کلام کو پورا کیجئے اور سلسلہ بیان کو ختم فرمایئے۔

تب رہبر عارفین اَمام غالب علیؑ اِبن ابی طالبؓ نے فرمایا! "(تب) محمدی ﷺ جھنڈے والا' احمدی ﷺ دور سلطنت والا بمقام ابراہیم' صادق مقام کرنے والا (مہدیؑ) ظاہر ہوگا۔ جو زمین کو آباد کرے گا اور سنن و فرائض الٰہی زندہ کرے گا۔ پھر فرمایا! اُو (سائل) میری شان سے جاہل اور میرے حال سے غافل۔ بے شک عجائبات میرے دل کے آثار ہیں اور میرے ضمیر کے اسرار کہ میں نے حجابوں کو چاک کردیا ہے اور عجائبات کو ظاہر کر دیا ہے اور ٹھیک دروازہ سے آیا ہوں اور جو کہا ہے ٹھیک ٹھیک کہا ہے۔ میرا تعلق سراسر حق و صداقت ہے۔ میں نے غیب کے خزانون کو کھولا ہے اور میں نے دلوں کے دفینوں کو ظاہر کیا ہے۔ میں نے لطیف معارف کو جمع کیا ہے اور معارف و لطائف و حقائق کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔ پس خوشحال ہے وہ جو اس کلام سے تمسک کرے اور اس امام کی اقتداء کرے۔ کیونکہ وہ معنی کتاب مسطور اور رق منشور سے واقف ہوتا ہے۔"

کتاب صحیفۃ الابرار صفحہ 281 جلد 1' طوابع صفحہ 91 اور روضۃ العارفین میں سید توبلی قطب الدین اشکوری کی حیواۃ القلوب سے اور وہ شیخ صدوق کی کتاب روضۃ الفراء سے نقل کرتے ہیں کہ ایک دن مولا امیرالمومنین حضرت علیہ السلام نے منبر

Marfat.com

کوفہ پر خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے لوگو! قبل اس کے کہ مجھے نہ پاؤ۔ مجھ سے پوچھ لو جو کچھ پوچھنا ہے۔ میں زمین کے راستوں سے آسمان کے راستوں کو زیادہ جانتا ہوں۔ مجمع میں بیٹھے ایک آدمی نے اُٹھ کر کہا اس وقت جبرائیلؑ کہاں ہیں؟ آپ نے زمین و آسمان مشرق و مغرب اور ان کے مابین چپہ چپہ کو دیکھا اور کونے کونے کو چھان مارا جبرائیلؑ کہیں بھی نظر نہ آئے۔ تو آپ اِس شخص کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ جبرائیلؑ تو ہے۔ ابھی مولا علیؑ نے یہ فرمایا ہی تھا کہ ایک مرتبہ پرندے کے پروں کی جیسی پھڑپھڑاہٹ ہوئی جسے دیکھ کر سب کے سب یک زبان ہو کر بولے ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ رسول ﷺ کے خلیفہ برحق ہیں۔

مولا علی علیہ السلام کی وسعتِ علم کا اندازہ شواہد النبوۃ صفحہ 161 میں رقم اس واقعہ سے بھی کیا جا سکتا ہے۔ راوی کہتا ہے کہ "ایک دن حضرت علیؑ نے صبح کی نماز کے بعد اپنے خادم سے فرمایا کہ فلاں محلّہ میں جا۔ اس محلّہ میں ایک مسجد ہے۔ مسجد کے پہلو میں ایک گھر ہے۔ اس میں ایک عورت اور مرد بہت دیر سے لڑ رہے ہیں۔ ان کو میرے پاس بلا لا۔ آپ کا خادم قنبر اُس پتہ پر پہنچا تو دیکھا کہ واقعی ایک مرد اور ایک عورت باہم تکرار کر رہے ہیں۔ غلام نے کہا۔ چلو تمہیں جنابِ علیؑ بلا رہے ہیں۔ یہ دونوں حضرت علیؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا! آج ساری رات تم نے لڑتے ہوئے کیوں گزاری؟ مرد نے عرض کیا حضور! میں نے اس عورت سے نکاح کیا تھا۔ مگر جس وقت یہ عورت میرے سامنے آئی مجھے اس سے سخت نفرت پیدا ہو گئی۔ اگر مجھے طاقت ہوتی تو اسی وقت اس کو نکال دیتا۔ اس عورت نے مجھے متنفر دیکھ کر مجھ سے لڑنا جھگڑنا شروع کر دیا۔ حضرت علیؑ نے تمام حاضرین مجلس کو رخصت کر دیا اور عورت سے فرمایا کہ جو بات ہم تم سے پوچھیں سچ سچ جواب دینا۔ اے عورت! تمہارا نام یہ ہے' تیرے باپ کا نام یہ ہے' عورت نے کہا ٹھیک ہے۔ فرمایا! ایک رات تو اپنے گھر سے باہر نکلی تھی۔ تیرے چچازاد بھائی نے تجھے پکڑ لیا اور تو اپنے چچازاد بھائی سے حاملہ ہو گئی۔ مدت تک تو

Marfat.com

اور تیری ماں نے اس حمل کو مخفی رکھا۔ جب تیرے درد شروع ہوا تو تیری والدہ تجھ کو کسی دوسری جگہ پر لے گئی۔ وہاں تیرے ہاں لڑکا پیدا ہوا۔ تو نے اس بچے کو ایک گٹھڑی میں لپیٹ کر اس مکان سے باہر جا کر رکھ دیا۔ اتفاق سے ایک کتا اس بچہ کے پاس آیا۔ تیری ماں نے کتے کو پتھر مارا۔ مگر وہ پتھر اس بچے کو جا لگا بچے کا سر پھٹ گیا۔ تیری ماں نے اپنا دوپٹہ پھاڑ کر بچے کا سر باندھا۔ پھر وہاں سے تم چلے گئے۔ اس کے بعد پھر تمہیں اس بچے کی کچھ خبر نہ رہی۔ کیا یہ واقعہ ٹھیک ہے؟ عورت آپ کے علم غیب پر حیران رہ گئی اور اس حیرانی کے عالم میں کہا یا اَمیرؑ بالکل سچ ہے۔

اس کے بعد حضرت علیؑ نے اس مرد سے کہا کہ اے مرد! تو اپنا سر کھول کر اسے دکھا دے۔ مرد نے سر کھولا تو اس زخم کا نشان موجود تھا۔ آپ نے فرمایا۔ اے عورت! یہ تیرا خاوند نہیں بلکہ تیرا بیٹا ہے۔ حق تعالیٰ نے تجھے دوسری قسم کے حرام سے بچالیا۔ اَب تو اپنے بیٹے کو لے جا۔"

آپ کے علم الغیب سے متعلق ایک اور بڑی عجیب روایت مشہور ہے کہ مسجد کوفہ میں ایک مقام "رقبۃ القضاء" ہے۔ اس کے بارے میں مشہور ہے کہ ایک دفعہ وہاں پر ایک حمام تھا اور ایک لڑکی وہاں پر نہانے کے لیے گئی۔ نہاتے ہوئے اس لڑکی کے شکم میں ایک کیڑا داخل ہو گیا۔ وقت کے ساتھ ساتھ وہ کیڑا اس لڑکی کے شکم میں اتنا بڑھا کہ لوگوں کو گمان ہوا کہ لڑکی بد کار ہے۔ اس لیے اس کو سنگسار کر دینا چاہیے۔ جب یہ مسئلہ بارگاہِ خلافت علیؑ میں پیش کیا گیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ لڑکی بے قصور ہے اور اس کے شکم میں ایک کیڑا داخل ہو گیا ہے جو وقت کے ساتھ ساتھ بڑھ گیا۔ آپ نے فرمایا! کہ گیلی مٹی اور پانی سے کیچڑ تیار کرو۔ پھر فرمایا کہ تھوڑا سا کیچڑ لڑکی کے شکم کے قریب کرو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ کیڑے نے جب مٹی کی خوشبو سونگھی تو باہر آگیا۔ اس طرح آپ کے علم غیب نے اس لڑکی کی جان بخشی کروائی اور یہ آپ کی کرامت کا ایک عظیم واقعہ ہے۔

Marfat.com

بیان کردہ روایات تو عہد قدیم سے تعلق رکھتی ہیں لیکن میرے مولا کی شان اور علم الغیب ایسا ہے کہ چودہ سو سال پہلے اپنے صحابہ پر موجودہ دور کی ترقی کا انکشاف کیا۔ روایت کچھ اس طرح ہے کہ حضرت کمیل رضی اللہ عنہ اور حضرت میثم تمار رضی اللہ عنہ میں سے ایک صحابی کو کوفہ سے باہر لے گئے اور فرمایا کہ تم یہاں دفن ہوگے اور کئی صدیاں بعد یہاں اونچی اونچی عمارتیں بنیں گی اور اس میں رہنے والے لوگ اپنے گھروں میں شیشہ رکھیں گے۔ (اس کے بعد شیشہ کی افادیت سے آگاہ کیا) اور گھروں پر ایک آلہ ہوگا جس کو "اَنٹینا" کہا جائے گا۔

جناب علیؑ خود بھی اپنے وسعتِ علم کے بیان میں فرماتے ہیں جس کو علامہ اسماعیل حقی علیہ رحمتہ نے رُوح البیان میں نقل کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں

"سارے علوم قرآن پاک میں ہیں اور قرآن پاک کے سارے علوم سورۂ فاتحہ میں ہیں اور سورۂ فاتحہ کے تمام علوم بسم اللہ شریف میں ہیں اور بسم اللہ کے سارے علوم بسم اللہ کی "ب" میں ہیں اور "ب" کا تمام علم اس کے نیچے نقطہ میں مخفی ہے۔ پھر فرمایا وہ "ب" کا نقطہ میں ہوں۔"

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

علیؑ کو نو حصہ علم دیئے گئے اور دسواں حصہ باقی لوگوں کو ملا۔ اس دسویں حصہ میں بھی علیؑ شریک ہیں۔" (ابن اثیر)

اور مروی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے "الرحمن علم القران خلق الانسان علمه البیان" کے معنی دریافت کیے۔ کہ انسان کون ہے جس کو بیان سکھایا گیا۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علیؑ کو بلوا کر سامنے بٹھادیا کہ دیکھ اس آیت کا معنی علیؑ ہے۔ (خلافت اِلیہ ج 3 ص 247)

سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور اس کو ابن اثیر نے نقل کیا ہے کہ جب کوئی بات ہمارے نزدیک حضرت علی کرم اللہ وجہہ

Marfat.com

سے ثابت ہو جاتی تھی تو پھر ہم اس میں شک نہیں کرتے تھے۔ ابوالفضل سے روایت ہے کہ بعض اصحاب نبی ﷺ کا قول تھا کہ اگر حضرت علیؑ کی ایک فضیلت تمام مخلوقات پر تقسیم ہو جائے تو سب مخلوق فائدے میں رہے۔ علامہ اثیر اس کے بعد تحریر کرتے ہیں۔

"اس قسم کے اقوال بہت ہے مگر اس پر قناعت کرتے ہیں اگر وہ فضائل بیان کریں جو صحابہ رضی اللہ عنہ نے آپ کی شان میں بیان کیے ہیں تو بہت طول ہو جائے۔" (اسد الغابہ جلد 7 صفحہ 29)

ایک دفعہ ایک مجوسی امیرالمومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس کے پاس تین مردہ سروں کی کھوپڑیاں تھیں۔ اس نے کہا اے عمر رضی اللہ عنہ! تمہارے صاحب ﷺ فرماتے ہیں کہ جو شخص اسلام کے سوا کسی دوسرے دین پر مرے گا۔ وہ آگ میں جلایا جائے گا۔ اس مجوسی نے یہ آیت بھی پڑھی۔

النار یعرضون علیہا غدوا و عشیا

(ترجمہ) صبح اور شام یہ لوگ آگ کے سامنے لائے جاتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ بے شک ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ کا فرمان صحیح ہے۔ یہ سن کر اسی مجوسی نے وہ تینوں سر نکالے اور کہا یہ سر میرے باپ کے ہے۔ یہ سر میری ماں کا ہے اور یہ سر میری بہن کا ہے۔ یہ تینوں مجوسی دین پر مرے ہیں۔ میں اپنا ہاتھ ان کھوپڑیوں پر رکھتا ہوں تو مجھے گرمی محسوس نہیں ہوتی۔ (یعنی تمہارے پیغمبر ﷺ کے قول کے مطابق ان کھوپڑیوں کو گرم ہونا چاہیے کیونکہ یہ آگ پر پیش کی جاتی ہیں) یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے خادم کو بھیج کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بلایا۔

جب حضرت علیؑ تشریف لائے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجوسی سے کہا کہ اچھا اب تو ذرا اپنے اعتراض کو دہرا دے۔ اس نے اعتراض دُہرایا۔ اعتراض سن کر حضرت علیؑ نے ایک لوہا اور پتھر منگوایا۔ جب حاضر کیا گیا تو آپ مجوسی سے کہا کہ تو

Marfat.com

اِس لوہے اور پتھر پر ہاتھ رکھ کر بتا کہ گرم ہے یا سرد۔ مجوسی نے ہاتھ رکھ کر کہا یہ تو سرد ہیں۔ حضرت علیؑ نے پھر فرمایا اچھا تو لوہے کو پتھر پر مار۔ جب مجوسی نے لوہے کو پتھر پر مارا تو اس میں سے چنگاری نکل پڑی۔ اس پر مولا علیؑ نے مجوسی کو مخاطب کر کے فرمایا جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ٹھنڈے پتھر اور لوہے کے درمیان آگ پیدا کر دی ہے۔ اسی طرح وہ اس چیز پر بھی قادر ہے کہ جن کھوپڑیوں میں تجھ کو گرمی محسوس نہیں ہوتی۔ ان کے اندر گرمی پیدا کر دی ہو۔ اور تجھے معلوم نہ ہو رہی ہو۔ یہ کھوپڑیاں اس طرز پر آگ پر پیش ہوتی ہیں۔ یہ بات سن کر مجوسی لاجواب ہو گیا۔ (کشف الرحمٰن)

جید عالم حجتہ الاسلام امام محمد بن محمد المعروف امام غزالیؒ فرماتے ہیں:

"اے رسول ﷺ، اللہ تعالیٰ نے تجھے وہ علوم سکھائے جو تجھے معلوم نہیں تھے اور علم لدنی اہل نبوت و ولایت ہی کو حاصل ہوتا ہے۔"

(رسالہ علم لدنی از امام غزالی)

امام غزالیؒ نے ایک روایت نقل کی ہے کہ جناب علیؑ نے فرمایا:

"میرے منہ میں زبان رکھی گئی اور میرے قلب میں علم کے ایک ہزار دروازے کھول دیئے گئے اور ہر دروازے کے ساتھ ایک ہزار دروازہ ہے اور اگر میرے لیے فرش بچھا دیا جائے تو میں اہل تورات کو تورات کے، اہل انجیل کو انجیل کے، اور اہل قرآن کو قرآن کے احکام سناؤں۔" (رسالہ علم لدنی از امام غزالی، اربعین از امام فخرالدین رازی)

اشعت اللمعات جلد 4 صفحہ 331 باب وفات النبیؐ میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نقل کرتے ہیں کہ حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ میں نے جب نبی کریمؐ کو آخری غسل دیا تو پانی کے چند قطرے سرور کونین ﷺ کی مقدس پلکوں پر پڑے رہے تو میں نے انہیں اپنی زبان سے چوس لیا۔ بس پھر کیا تھا۔ علم و عرفان اور حکمت و ادراک کا اک سمندر میرے سینے میں ٹھاٹھیں مارنے لگا۔"

Marfat.com

امام غزالیؒ اس ضمن میں مزید فرماتے ہیں۔

"یہ درجہ صرف تعلیم انسانی سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ بلکہ علم لدنی کی قوت سے مَرد کو یہ زیور عطا ہوتا ہے۔ لہٰذا حضرت علیؑ نے یہ بھی فرمایا! موسیٰؑ کی کتاب کی شرح اتنی بڑی تھی کہ اس کو چالیس اونٹ اٹھاتے تھے۔ اگر اللہ تعالیٰ مجھ کو اجازت فرمائے اور صرف سورۂ فاتحہ کی تفسیر شروع کروں تو وہ بھی اتنی ہی بھاری ہو جائے۔"

اور یہ اُسی کی شان ہو سکتی ہے۔ جو مقام معرفت میں یہاں تک پہنچا ہوا ہو کہ مجمع مخالفین میں پکار کر کہہ دے۔

"اگر پردہائے حواجب مادیہ و عوائق طبیعہ میرے سامنے سے اُٹھا دیئے جائیں۔ تو میرے علم یقین میں کچھ زیادتی نہ ہوگی۔ کشف تام کے درجہ کو میں اس عالم مادی میں پہنچا ہوں۔"

علم الفروع میں منبع علوم علیؑ ہی ہیں۔ علم الفرائض جو نصف العلم ہے آپ ہی سے پھیلا اور منتشر ہوا ہے۔ علم تفسیر کی ابتداء عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے ہوئی اور وہ آپ ہی کے شاگرد ہیں۔ علم القراۃ کا سب سے بڑا عالم عاصم ابن ابی النجود ہے۔ اور وہ شاگرد ہے عبدالرحمٰن کا۔ اور عبدالرحمٰن، علیؑ کا۔ علم النحو کے موجد آپ ہی ہیں اور مسلم ہے کہ ابوالاسود الدوَلی کو آپ نے اس کے اصول تعلیم دیئے۔ علم الفصاحت و البلاغت آپ سے خاص طور سے مخصوص ہے۔ اور ثبوت کے لیے ایک کتاب نہج البلاغہ کافی ہے۔ جس کے حقائق کی تفسیر میں بڑے بڑے فصحاء و بلغاء اپنے عجز و قصور کے معترف ہیں۔ علم تصفیہ الباطن و تزکیتہ النفوس میں آپ ہی کا حق ہے۔ اور کل علماء و عارفین قائل ہیں کہ کمال معرفت کی ابتداء وانتہا علیؑ سے ہے۔

صوفیاء کے اصولاً پانچ فرقے ہیں اور پھر ان کی آگے شاخیں قلندریہ، قادریہ، چشتیہ اور نقشبندیہ اور سب تحصیل معرفت و کشف میں علیؑ کی طرف رجوع کرتے

Marfat.com

ہیں۔ سلسلہ قادریہ نے اپنے سلسلہ سے معروف کرخی پر منتہی ہوتا ہے۔ اور معروف کرخی اپنے شیوخ کے سلسلہ سے حسن بصری رضی اللہ عنہ سے بیعت رکھتے ہیں اور وہ حضرت علیؑ کے شاگرد ہیں۔ نیز معروف کرخی' امام رضا علیہ السلام سے بھی فیض لیتے ہیں۔ اور وہ حضرت بتوالد و حضرت علیؑ سے ہیں۔ چشتیہ سلسلہ عبدالواحد بن زیدؒ سے متصل ہے اور وہ حسن بصری رضی اللہ عنہ سے اور وہ حضرت علیؑ سے۔ سہروردی سلسلہ بھی دوسرے سلسلہ سے معروف کرخی کی طرف منسوب ہے۔ اور وہ امام علی کرم اللہ وجہہ سے متصل ہے۔ نقشبندیہ' خواجہ بایزید بسطامیؒ سے ہے۔ اور وہ امام جعفر صادقؑ سے اور وہ بسلسلہ آباء طاہرین علیؑ سے۔ قلندریہ سلسلہ خواجہ عبدالعزیز مکی سے ہے اور وہ حضرت علیؑ سے فیض حاصل کرتے ہیں۔ غرض تمام علوم باطنیہ و غربیہ اور اسرار کشف و شہود حضرت علیؑ ہی سے منکشف ہوئے۔ علم الزہد والورع کے راس رئیس ابوذر غفاریؓ ہیں۔ اور وہ حضرت علیؑ کے ادنیٰ شاگرد تھے۔ علم الاخلاق میں حضرتؐ "بعثت لاتمم مکارم الاخلاق" کی پوری پوری تفسیر تھے۔ علم تہذیب الاخلاق کا کون سا شعبہ ہے جس میں علیؑ کے علم کا جلوہ نہ ہو اور آپ کی تحقیق اور عملی نمونہ اس میں شامل نہ ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ قرآن جامع جمیع علوم شرعیہ و علوم لسانیہ و علوم معارف و علوم حقائق و علوم حکمیہ و علوم بواطن ہے اور علیؑ اس کے بھی استاد الکل فی الکل ہیں۔

دنیا کے کل علوم کے اصول کلمات' علیؑ میں موجود ہیں۔ اور بہت سے علوم کی بہت سی تفصیلات بھی علیؑ میں موجود ہیں۔ اور باب مدینتہ العلم محمدیؐ کے یہی معنی اور یہی اس کا کام ہے۔ کوئی فرد و بشر عالم علمی خدمات میں علیؑ کے مقابل کھڑا ہی نہیں ہو سکتا۔ چہ جائیکہ مقابلہ کر سکے۔ اِن میں سے اکثر علوم ظاہریہ مروجہ ہیں بلکہ یہ سب آج کل رائج ہیں اور پڑھائے جاتے ہیں۔

شیخ عبدالرحمٰن بن علی بن احمد اسطامیؒ اپنی کتاب مراۃ المعارف میں لکھتے ہیں۔ آدمؑ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے خلق فرمایا اور اپنی رُوح قدس

Marfat.com

ان میں پھونکی اور آپ پر دس صحیفے نازل کیے۔ وہی پہلے شخص ہیں جنہوں نے علم الحروف کو بیان کیا (یہ کل صحائف علم الحروف میں ہیں) سفر الخفایا اس علم میں آپ ہی کی کتاب ہے اور دنیا میں یہ علم الحروف میں پہلی کتاب ہے۔ جس میں عجیب و غریب اسرار بیان کیے ہیں۔ نیز کتاب الملکوت آپ کی دوسری کتاب ہے اور صاحب ہیکل احمر نے شیثؑ بن آدمؑ سے یہ کتاب الملوک لی تھی۔ آپ کی تیسری کتاب سفر المستقیم ہے۔ آپکی عمر دنیا میں 930 سال (شمسی حساب سے) ہوئی۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حروف کو خلق کیا۔ اور اِن میں اسرار ودیعت کیے۔ اور آدمؑ کو خلق کر کے ان میں اسرار حروف قرار دیئے۔

"وعلم ادم الاسماء کلها"

ملائکہ یہ اسرار نہ رکھتے تھے۔ پس آدمؑ کی زبان پر یہ اسرار بانواع واقسام کی اَصوات ولغات میں جاری ہوئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو ان کی اولاد کے اسرار اور قیامت کے حالات سے مطلع کرایا۔ اور تمام علوم حرفیہ واسرار عددیہ انہی کتابوں سے دنیا میں پھیلے ہیں۔ پھر ان کے بعد ان اسرار علوم و حروف کے وارث آدمؑ کے بیٹے شیثؑ ہوئے۔ جن کو "انما تازیمون" کہتے ہیں۔ آپ پر خدا نے پچاس صحیفے نازل فرمائے۔ آپ ہی آدمؑ کے وصی اور ولی عہد ہیں۔ آپ کی بھی ایک کتاب جلیل الشان علم الحروف میں ہے۔ اور یہ اس علم کی دنیا میں چوتھی کتاب ہے۔ آپ 900 سال زندہ رہے۔ پھر ان اسرار وعلوم کے وارث ان کے فرزند انوش ہوئے۔ پھر ان کے بیٹے قینان' خط قیناوی انہی کی طرف منسوب ہے۔ پھر ان کے فرزند بہلائیل۔ پھر ان کے فرزند "یارد"۔ اُنہی کے زمانے سے دنیا میں بت پرستی کی ابتداء ہوئی ہے۔ یعنی تقریباً پانچ ہزار برس سے۔ اِن کے فرزند ہرمس حکیم ادریسؑ پیغمبر وارث علوم واسرار ہوئے۔ آپ پر خدا نے تیس صحیفے نازل کیے۔ اور آپ پر ہی رسالت علوم مرضیہ واسرار عددیہ ولطائف الحکمیہ و

Marfat.com

الاشارات الفلکیہ منتہی ہوتی ہے۔

(خصوصیت سے ان علوم ریاضیہ میں اول مدرس حضرت ادریسؑ ہی ہیں۔ اور انہی کے بعض شاگرد ہندوستان میں آئے۔ اوز علم حساب و علم نجوم وغیرہ پھیلائے۔) تمام حکماء و فلاسفر و علماء نے انہی سے فیض علوم پایا۔ اور آپ نے کتاب "کنزالاسرار وذخائرالابرار" لکھی۔ یہ ان علوم کی دنیا میں پانچویں کتاب ہے۔ جبرائیلؑ نے آپ کو "علم الرمل" بھی سکھایا۔ اور اس سے آپ کی نبوت کا اظہار ہوا۔ آپ نے ستر شہر بسائے۔ اور چالیس ہزار فلاسفر نے آپ سے علم سیکھے۔ سب سے بڑھ کر ہرامسہ میں "اسقلینوس" (یا اسقلی پیوس) تھا۔ یہی ابوالحکماء والاطباء ہے اور پہلا طبیب ہے۔ یہ حضرت ادریسؑ کے خادموں میں سے تھا۔

"ہر کہ خدمت کرد اومخدوم شُد"

پھران اسرار کے وَارث ان کے فرزند "متوشلخ" ہوئے۔ پھران کے فرزند "لامک"۔ پھرنوحؑ اور آپ نے بھی ایک کتاب علم الحروف میں لکھی۔ دنیا میں اس علم کی چھٹی کتاب ہے۔ پھر آپ کے وارث مسامؑ ہوئے۔ پھران کے فرزند ارفخشو۔ پھران کے فرزند شالخ۔ پھران کے فرزند عابر یعنی حضرت ہودؑ۔ پھر آپ کے فرزند "فانغ"۔ پھران کے فرزند بقطر۔ وھوقاسم الارض بین الناس۔ پھران کے فرزند صالحؑ پھر "ارغوا" ابن فانغ۔ پھران کے فرزند اسروع۔ پھران کے فرزند ناحود۔ پھران کے فرزند تارخ۔ پھر حضرت ابراہیمؑ بن تارخ خلیل اللہ۔ آپ پر خدا نے بیس صحیفے نازل کیے۔ اور آپ نے سب سے پہلے "علم الوفق" میں گفتگو کی۔ آپ کی بھی ایک کتاب اس علم میں ہے۔ اور یہ اس علم کی دنیا میں ساتویں کتاب ہے۔ پھر آپ کے فرزند اسمٰعیلؑ و اسحاقؑ ان علوم و اسرار کے وارث ہوئے۔ پھر حضرت یعقوبؑ، پھر یوسفؑ، پھر موسیٰؑ۔ اللہ نے اِن پر توریت نازل کی۔ اور ان کو علم الکیمیا تعلیم دیا۔ آپ اس زمانے میں علم

Marfat.com

الحروف والاسرار اور رفق المسلس کے سب سے بڑھ کر عالم تھے۔ آپ نے تابوت یوسفؑ نیل سے نکالا۔ پھر حضرت موسیٰؑ کے وصی حضرت یوشع بن نون وارث علوم و اسرار ہوئے۔ پھر الیاسؑ ۔ پھر حزقیل (اور زردشت نے بعض اصحاب موسیٰؑ سے علم الحروف سیکھا۔ اور اس سے سب حکماء نے جانا) پھر حزقیل سے حضرت داؤدؑ وارث ہوئے۔ پھران کے فرزند حضرت سلیمانؑ اور ان سے ان کے زائر اور وصی آصف بن برخیا۔ ان کے بعد اشعیاؑ پیغمبر پھر ارمیاؑ پیغمبر۔ اور ان سے عیسیٰؑ ۔ پھر وارث علوم و اسرار حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ پر منتہی ہوئی۔

حضرت امام حسینؑ فرماتے ہیں کہ حضرت محمد مصطفیٰؐ کو علم الحروف ہی کی طرف دعوت دی گئی اور یہی اسرار ان کو تعلیم دیئے گئے اور علم الحروف "لام الف" میں ہے اور "لام الف" الف میں اور علم الالف نقطہ میں ہے اور علم النقطہ معرفت اہلیتہ میں۔ معرفت اہلیتہ علم الازل میں علم الازل مشیت میں یعنی معلوم میں۔ اور علم المشیت غیب ہویٰ میں۔ اور اسی کی طرف خدا نے نبی کو بلایا۔

لا یظھر علی غیبہ احدا" الا من ارتضی من رسول۔ وقال۔ فاعلم انہ لا الہ الا اللہ۔ والھاء اشارۃ الی الھویتہ۔

(قال علیؑ ابن ابی طالب العلم نقطہ کثر علم الجاھلون۔ "علم ایک نقطہ ہے۔ جاہلین نے اس کو پھیلا دیا ہے۔" سب علم نقطہ میں اور علیؑ نقطہ تحت باء ہیں۔

پھر آنحضرت ﷺ سے علیؑ کرم اللہ وجہہ الکریم وارث علوم و اسرار الہیہ ہوئے۔ اور اسی کی جانب رسول اللہ ﷺ نے اشارہ کیا ہے۔

"میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ۔"

"اس خصوصیت کے حامل رسول اللہ ﷺ کے بعد علیؑ ہی رہے اور کوئی

Marfat.com

اس میں شریک نہ تھا۔ یہاں تک کہ علیؑ سے حسنین کریمینؑ بالترتیب اس خصوصیت کے حامل قرار پائے۔ اور یہ خصوصیت درحقیقت "دق مائتہ فی المائتہ" ہے۔ اور اس طرح یہ خصوصیت فی زمانہ ہوتی ہوئی امام آخرالزماں حضرت مہدی علیہ السلام پر منتہی ہوتی ہے۔

سبحان اللہ! میرے مولا علیؑ کا علم ایسا تھا کہ خواہ وہ سات آسمانوں کا علم ہوتا' خواہ وہ کل کائنات میں متحرک اور ساکت سیاروں اور ستاروں کا علم ہوتا' خواہ وہ ان پر بسنے والی مخلوقات' حشرات' نباتات' حیوانات کا علم ہوتا' خواہ وہ زیرزمین پوشیدہ رازوں کا علم ہوتا۔ یہ سب کچھ ان پر اس طرح عیاں تھا کہ جس طرح ان کے ہاتھوں پر کندہ لکیریں۔ اس علم کے سمندر کے چند قطروں سے فیض یاب ہونے کے لیے امام عالی مقام کے چند ارشادات کو نقل کرتا ہوں جو آپ نے مختلف مقامات پر ارشاد فرمائے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت علیؑ سے کہا کہ ابوالحسنؑ! مجھ کو نصیحت کیجئے۔ تو حضرت علیؑ نے فرمایا:

"تم اپنے یقین کو شک نہ بناؤ اور اپنے علم کو جہالت نہ بناؤ اور اپنے ظن کو حق مت بناؤ اور جان لو کہ تمہارے لیے دنیا سے بجز اس کے کچھ نہیں جو تم نے دے کر ختم کر دیا اور تقسیم کی اور اس کو برابر کر دیا اور جو کچھ پہن کر بوسیدہ کر دیا۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے ابوالحسنؑ! تم نے سچ کہا۔

حضرت علیؑ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔

"اے امیرالمومنین! اگر آپ کو یہ بات پسند ہے کہ آپ اپنے دونوں ساتھیوں سے مل جائیں۔ (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ) تو امید کو کوتاہ کیجئے اور پیٹ بھراؤ سے کم کھایئے اور کرتہ پر پیوند لگایئے اور چپل کا تسمہ ٹوٹ جائے تو خود ہی مرمت کیجئے۔ تو آپ ان دونوں

Marfat.com

حضرآت سے مل جائیں گے۔"

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایک مقام پر فرمایا:

"یہ خیر نہیں کہ تیرا مال اور اُولاد کثیر ہو جائے۔ لیکن خیر کی بات یہ ہے کہ تیرا علم کثیر ہو۔ اور تیری بُردباری زیادہ ہو اور لوگ تیرے اوپر اللہ کی عبادت کرنے سے فخر کریں۔ پس اگر تم نے اچھی طرح کی ہو تو اللہ کی تعریف کر اور اگر تو نے کچھ کمی کی ہو تو اللہ سے استغفار کرو اور دنیا میں سوائے دو آدمیوں کے اور کسی کے لیے بھلائی نہیں۔ ایک وہ آدمی جس نے کوئی گناہ کی اور اس کے بعد توبہ کرکے اس کا تدارک کرلیا یا وہ آدمی ہے۔ جو بھلائیوں کی جانب سبقت کرتا ہے۔ اور تقویٰ کے ساتھ کوئی عمل قلیل نہیں اور وہ چیز کیسے قلیل ہو سکتی ہے جو قبول کی جائے۔"

عقبہ بن ابو صہبا سے روایت ہے کہ جب ابن ملجم نے حضرت علیؑ کو زخمی کیا تو آپ کے پاس حضرت حسنؑ روتے ہوئے آئے۔ حضرت علیؑ نے پوچھا۔ اے میرے بیٹے! چار باتوں کو یاد کرلے اور ان کے علاوہ چار اور ہیں جو کبھی تجھے نقصان نہ پہنچائیں گی۔ جب تک کہ تو ان پر عمل کرتا رہے گا۔ حضرت حسنؑ نے دریافت کیا اے اباجان! وہ کیا ہیں؟ حضرت علیؑ نے فرمایا۔

"تمام دولت میں سے زیادہ بے پرواہ کرنے والی دولت عقل ہے اور سب میں سے بڑی محتاجی حماقت ہے اور سب سے زیادہ وحشت کی چیز خودبینی ہے اور سب میں بڑی کرم کی چیز اچھے اخلاق ہیں۔"

حضرت حسنؑ کہتے ہیں اے اباجان! یہ چار ہوئیں وہ باقی کی چار بھی بتا دیجئے۔

حضرت علیؑ نے فرمایا:

"اپنے آپ کو احمق کی دوستی سے بچانا۔ جھوٹا شخص بعید لوگوں کو تجھ سے قریب کردے گا اور قریب لوگوں کو تجھ سے بعید کردے گا اور اپنے

Marfat.com

آپ کو بخیل کی دوستی سے بچانا اس لیے کہ بخیل تجھ سے اس چیز کو دور کر دے گا۔ جس کا تو زیادہ محتاج ہے اور اپنے آپ کو فاسق اور فاجر کی صحبت سے بچانا اس لیے کہ وہ معمولی چیز کے بدلے تجھے بیچ کھائے گا۔"

حضرت علیؑ نے بیان کیا۔

"توفیق بہترین رہنما ہے اور اچھی عادت بہترین ساتھی ہے اور عقل بہترین دولت ہے اور اَدب بہترین میراث ہے اور خودپسندی سے زیادہ سخت وحشت کی کوئی چیز نہیں۔"

پھر ایک اور مقام پر فرمایا۔

"اس چیز کی طرف نہ دیکھ کہ کس نے کہا ہے بلکہ اس کے کہے ہوئے کی طرف دیکھ۔"

نیز حضرت علیؑ نے فرمایا۔

"یہ دوستی ٹوٹ جانے والی ہے مگر وہ دوستی جو بغیر لالچ کے ہو۔"

حضرات! جس ذات کی اتنی شان ہو کہ وہ لوگوں کو دعوت دیتا ہے کہ جتنا جلد ہو سکے مجھ سے زیادہ سے زیادہ علم حاصل کرو۔ اس کے بارے میں بعض مورخین کا کہنا ہے کہ ایک چیز کی کمی تھی اور وہ یہ کہ اِس خاندان کو سیاست نہیں آتی تھی۔ پھر میں سوچتا ہوں کہ یہ ناقص العقل مورخین بھی ایک لحاظ سے ٹھیک ہی کہتے ہیں کہ علیؑ کے خاندان کو سیاست نہیں آتی۔ وہ سیاست اسے آنی بھی نہ چاہیے تھی۔ جسے زمانہ دجل اور مکر و فریب کے عنوان سے جانتا ہے۔ وہ سیاست کہ جو فریب کاری ہے اس سیاست کا گزر واقعی اس خاندان سے نہیں ہونا چاہیے تھا۔ اس میں تو صاف اور سیدھی بات ہے اس میں کوئی لاگ لپیٹ نہیں پھر لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ انہوں نے فتوحات نہیں کیں۔ فتوحات تو ہیں لیکن شاید ان سے پس پردہ ہیں۔ بڑی فتوحات کے نام ہم گنواتے ہیں۔ سندھ کی فتح تک' روم کی فتح تک' ایران کی فتح تک کتنے ہی مقام اس باب میں آئے۔ لیکن ہم بھول جاتے ہیں کہ بدر

اور اُحد کے اندر اسلام کی عظمت کا پرچم لہرانے والا اگر اپنی ذوالفقار کو بے نیام نہ کرتا تو اس کی چمک روم اور فارس کے دروازہ تک کون پہنچاتا۔ اگر خندق میں عمرو بن عبدود کے مقابلے میں نکل کر اس کو جہنم رسید نہ کرتا تو پھر سندھ کے ریگزاروں تک کسی کو پہنچنے کی توقع ہی کیا ہو سکتی تھی۔ اگر خیبر کا قلعہ ہی سر نہ ہوتا تو پھر دنیا کے دوسرے قلعوں کو سر کرنے کی اُمید تم کہاں باندھ سکتے تھے۔ تم کیسے اس سے کریڈٹ چھین سکتے ہو جس نے ایک عمارت کی بنیاد رکھی ہو اگر بنیاد نہ ہوتی تو عمارت کا تصور کیسے ہوتا؟ اگر علیؑ کی فتوحات تاریخ اسلام میں شامل نہ ہوں تو خدا کی قسم تاریخ اسلام کا وجود ہی باقی نہ ہو۔

اب ذرا شجاعتِ علیؑ سے بھی اپنے ایمان کو تازہ اور جذبہ میں جوش پیدا کر لیا جائے۔ اس ضمن میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوۂ اُحد میں حضرت علیؑ، حضرت فاطمہؑ کے پاس آئے اور کہا۔ اے فاطمہؑ! یہ تیز تلوار لے۔ میرے ہاتھ میں نہ تو کپکپی ہے اور نہ میں بزدل اور کمینہ ہوں۔ پھر فرماتے ہیں قسم ہے میری عمر کی میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امداد میں اور اس اللہ کی رضاجوئی میں انتہائی سعی کرنے والا ہوں جو بندوں کے بارے میں خوب جاننے والا ہے۔ تو آنحضرت نے فرمایا! اگر تم نے جنگ اچھی کی ہے تو سہل رضی اللہ عنہ بن حنیف اور ابن صمہ رضی اللہ عنہ نے بھی تو اچھا جہاد کیا ہے۔ ایک اور صحابی کا آپ نے تذکرہ فرمایا۔ معلّٰی نے جس کو بیان کیا ہے کہ حضرت جبرائیلؑ نے کہا۔

"اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! قسم آپؐ کے باپ کی یہ غم خواری کرنے کا موقع ہے۔ (یعنی اُحد میں جو صحابہ خوف سے بھاگ گئے ان کے متعلق غم خواری ہے)

پھر آپؐ نے جنابِ علیؑ کے متعلق فرمایا کہ باقیوں سے برعکس!

"اے جبرائیل یہ تو مجھ سے ہیں۔" (یعنی میرے ہیں)

حضرت جبرائیلؑ نے فرمایا!

Marfat.com

"پھر میں تم دونوں سے ہوں۔"

حضرت کعب رضی اللہ عنہ بن مالک انصاری فرماتے ہیں کہ غزوۂ خندق کے روز عمرو بن عبدود ایک جھنڈا لیے ہوئے نکلا تھا کہ وہ میدان جنگ کا نظارہ کر سکے۔ جب وہ اور اس کے سوار کھڑے ہوئے تو اس سے حضرت علیؓ نے کہا۔ اے عمرو! تو اللہ کی قسم دے کر قریش سے کہا کرتے تھے کہ جب کبھی تجھ کو کوئی آدمی تین بھلے کاموں کی طرف بھلائے تو ان میں سے ایک کو ضرور اختیار کرے گا۔ اس نے کہا۔ ہاں۔ یہی بات ہے۔ تو اس کو حضرت علیؓ نے اسلام کی دعوت دی۔ جس پر اس نے کہا کہ مجھے اس کی حاجت نہیں۔ پھر فرمایا! یہاں سے واپس چلا جا۔ تو اس نے کہا کہ میرا قبیلہ مجھے اس کی اجازت نہیں دیتا۔ تو آخر میں حضرت علیؓ نے فرمایا کہ مجھ سے مقابلہ کر۔ عمرو نے کہا کس لیے میرے بھائی کے بیٹے؟ خدا کی قسم میں پسند نہیں کرتا کہ تجھ کو قتل کروں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا لیکن خدا کی قسم! میں پسند کرتا ہوں کہ تجھ کو قتل کروں۔ یہ سن کر عمرو غضبناک ہو گیا اور حضرت علیؓ کی طرف متوجہ ہوا۔ دونوں میدان میں آئے اور تھوڑی دیر تک مقابلہ ہوا۔ حضرت علیؓ نے اس کو قتل کر دیا۔

ابن اسحاق اس واقعہ کو ایک اور طرح کی روایت کرتے ہیں کہ عمرو بن عبدود اس طرح نکلا کہ لوہے کی زرہیں پہنے ہوئے تھا اور اس نے بلند آواز سے کہا کون میرے مقابلہ کے لیے آتا ہے؟ حضرت علیؓ بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا میں اس کے مقابلہ کے لیے نکلوں گا۔ آپؐ نے فرمایا! یہ عمرو ہے بیٹھ جاؤ۔ دوبارہ پھر عمرو نے آواز دی کہ ہے کہ کوئی آدمی جو میرے مقابلے کو نکلے؟ اور مسلمانوں کی مذمت کرنا شروع کی اور کہنے لگا کہ تمہاری ایسی جنت کہاں ہے جس کے متعلق تم دعویٰ کرتے ہو کہ جو تم میں سے مارا جاتا ہے وہ اس میں داخل ہو جاتا ہے؟ کیوں نہیں میرے مقابلے کے لیے کسی آدمی کو کھڑا کرتے ہو؟ حضرت علیؓ نے کھڑے ہو کر پھر اجازت چاہی۔ آپؐ نے فرمایا! بیٹھ

Marfat.com

جاؤ۔ عمرو نے تیسری مرتبہ پھر آواز دی اور کچھ اشعار پڑھے۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے کھڑے ہو کر حضور ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میں اس کے لیے نکلوں گا۔ آپؐ نے فرمایا کہ یہ عمرو ہے۔ حضرت علیؑ نے عرض کی خواہ عمرو ہی کیوں نہ ہو۔ چنانچہ آپؐ نے حضرت علیؑ کو اجازت دی۔ اِس موقع پر تاریخ بغدادی' روضۃ الصفاء' طبری' اعثم کوفی مزید بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے تلوار باندھی' زرہ پہنائی اور عمامہ سر پر رکھا۔ اور علیؑ خراماں خراماں دشمن کی طرف بڑھے۔ اِدھر اسلام کا جرنیل اعظم اور اُدھر کفار کا سب سے مشہور بہادر شجاع عرب' کفر مجسم' رسول اللہ ﷺ کی زبان سے ایسے ہی موقع پر یہ فقرہ موزون ہو سکتا تھا۔

"کل اسلام کل کفر کی طرف نکلا ہے۔ خداوندا اس کی مدد کرنا۔ عبیدہ کو تو نے بدر میں اُٹھالیا اور حمزہ کو اُحد میں۔ میرے پاس اَب علیؑ ہی رہ گیا ہے۔ اِس کی حفاظت کرنا۔"

ابن اسحاق مزید بیان کرتے ہیں کہ حضرتؑ چل کر اس کے پاس پہنچے اور وہ جو رجز پڑھ رہے تھے۔ اس کا ترجمہ پیش کرتا ہوں۔

1۔ جلدی نہ کر تیرے پاس تیری آواز کا جواب دینے والا جو عاجز نہیں ہے آگیا۔

2۔ سچی نیت اور بصیرت کے ساتھ اور سچائی ہی نجات دیتی ہے۔ ہر کامیاب ہونے والے کو۔

3۔ مجھے قوی امید ہے کہ میں تیرے جنازہ پر نوحہ کرنے والیوں کو قائم کروں گا۔

4۔ ایسی ضربِ وسیع کے ذریعہ کہ جس کا تذکرہ ہر نقل و حرکت کرنے والے میں باقی رہ جائے گا۔

عمرو نے پوچھا تو کون ہے؟ جواب ملا میں علیؑ ہوں۔ اس نے کہا عبدالمناف کے بیٹے۔ حضرت علیؑ نے کہا میں علیؑ ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہوں۔ اس نے کہا اے

Marfat.com

میرے برادر زادہ! تیرے چچاؤں میں سے ایسے بھی تو ہیں جو عمر میں تجھ سے زیادہ ہیں۔ میں تو تیرا خون بہانے سے کراہت کرتا ہوں۔ حضرت علیؑ نے فرمایا! لیکن میں خدا کی قسم تیرا خون بہانے سے کراہت نہیں کرتا۔ یہ سن کر عمرو غصہ میں آیا اور گھوڑے سے اُترا اور اس نے آگ کے شعلے جیسی تلوار سونت لی اور حضرت علیؑ کی جانب غصہ سے لپکا۔ حضرت علیؑ نے اپنی ڈھال پر اسے روکا۔ عمرو کے وار سے ڈھال پھٹ گئی اور تلوار اس میں گھس گئی اور حضرت علیؑ کے سر پر لگی اور زخمی کر دیا۔ حضرت علیؑ نے اس کے کندھے کی رَگ پر تلوار ماری تو وہ گر پڑا اور غُبار اُٹھا۔ جب رسول کریم ﷺ سے نعرۂ تکبیر سنا تو ہم لوگوں نے جان لیا کہ حضرت علیؑ نے اس کو قتل کر دیا۔

اس مقام پر جناب علیؑ فرماتے ہیں۔

☆ میرے اوپر سوار اس طرح کے ہجوم کیا کریں گے۔ اے میرے ساتھیو (میرے اور ان کے معاملے میں) تم ذرا پیچھے رہو۔ (میں ہی اکیلا کام کیے دیتا ہوں)۔

☆ میرے تحفظ (ایمانی) نے آج کے دن مجھ کو بھاگنے سے منع کر دیا اور ضرب کاری (دشمنوں کے) سر سے چوک کرنے والی نہیں۔

☆ یہاں تک کہ حضرت علیؑ نے فرمایا! اس نے پتھروں کی عبادت اپنی رائے کی حماقت سے کی اور میں نے محمد ﷺ کے رَب کی عبادت ٹھیک رائے کے ساتھ کی۔

☆ جس وقت میں اسے بچھاڑ چکا میں واپس ہوا۔ وہ اس کھجور کے تنے کی طرح گرا جو ریتلی نرم زمین اور تری کی نرم زمین کے درمیان ہو۔

☆ میں نے اس کے کپڑوں سے کراہت کی اور اگر میں گر پڑتا تو وہ میرے کپڑے چھین لیتا۔

☆ اے جماعت کے لوگو! تم ہرگز اللہ کے متعلق یہ گمان نہ کرو کہ وہ اپنے دین

Marfat.com

کو یا نبی ﷺ کو رسواء کرے گا۔

اس کے بعد حضرت علیؑ، حضور ﷺ کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کا چہرہ دمک رہا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ تم نے اس کی زرہ کیوں نہیں اتار لی؟ جواب ملا۔ اس لیے کہ عرب والوں کے لیے اس سے بہتر زرہ نہیں ہے۔ پھر فرمایا! کہ میں نے اس کو مارا اور میں نے اس کی شرم گاہ کھلنے کی وجہ سے اپنے آپ کو بچایا۔ اس کے بعد مجھے حیاء آگئی۔ کہ میرے چچا کا بیٹا ہے اور میں اس کا مال چھینوں۔ (ابن اسحاق)

حضور ﷺ نے اس غزوہَ کے موقع پر فرمایا تھا۔

"بے شک خندق کے دن علیؑ کی ایک ضرب تمام جن وانس کے قیامت تک کے کل اعمال سے افضل ہے۔ (تاریخ بغدادی' رضۃ الصفاء طبری)

بے شک اعمال اُمتِ محمدیؐ آثار محمدیؐ آثار دین اسلامی ہیں۔ اور بقاء اسلام حفاظتِ اسلام' حمایتِ اسلام آج علیؑ ہی کے ہاتھ سے ہوئی ہے۔ یہ جرنیل اسلام ضرور ایسے ہے خطابات کا مستحق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب میدان خندق فوجوں سے خالی ہو رہا تھا۔ تو عمرو کی بہن بھائی کی لاش پر آتی ہے۔ دیکھتی ہے کہ قاتل نے اس مقتول کی نہایت قیمتی زرہ نہیں اُتاری جو تمام عَرب میں مشہور تھی۔ بے ساختہ اُس کی زبان سے نکلتا ہے۔

ماقتلہ' اِلاکفو کریم

(ترجمہ): اس کو کسی شریف ہمسر نے ہی قتل کیا ہے۔

اور جب اس کو معلوم ہوا کہ اس کے بھائی کا قاتل علیؑ ہے تو وہ بجائے بُرا کہنے یا کوسنے کے یہ شعر پڑھنے لگی ؎

لوکان قاتل عمرو غیر قاتلہ لکنت ابکی علیہ اخرالابد

لاکن قاتلہ من لالباب بہ من کان یدعی قدیما" ببخہ البلد

(ترجمہ): اگر اس شریف النفس انسان کے سوا عمرو کا قاتل کوئی اور ہوتا۔ تو

Marfat.com

میں اس کو ابد الاباد رویا ہی کرتی۔ لیکن اس کا قاتل تو وہ شریف بہادر کریم النفس انسان ہے۔ جس کو کبھی کوئی عیب لگایا ہی نہیں جا سکتا۔ جو ہمیشہ سے شہر کا سردار اور مدینہ کا تاج پکارا جاتا ہے۔

حضرت سلمہؓ بن اکوع سے مسلم وغیرہ میں ایک طویل روایت ہے۔ اس روایت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا غزوۂ بنی فزارہ سے لوٹنے کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ سلمہؓ بن اکوع کہتے ہیں کہ ہم تین دن سے زیادہ نہیں ٹھہرے۔ یہاں تک کہ ہم لوگ خیبر کی طرف چلے اور حضرت عامر رضی اللہ عنہ بھی چلے اور وہ یہ شعر پڑھتے جاتے تھے۔

(ترجمہ): خدا کی قسم! اگر آپؐ نہ ہوتے ہم ہدایت نہ پاتے' نہ صدقہ و خیرات کرتے اور نہ نماز پڑھتے اور ہم لوگ آپؐ کے فضل سے بے پرواہ نہیں۔ اے اللہ! ہم لوگوں پر اطمینان نازل فرما اور جب ہم دشمنوں سے ملیں تو ہمیں ثابت قدمی عطا فرما۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! یہ شعر کون پڑھ رہا تھا؟ لوگوں نے عرض کیا۔ عامر رضی اللہ عنہ ! آپؐ نے فرمایا۔ اللہ پاک نے تیری مغفرت فرمادی۔ راوی کہتے ہیں کہ جب کبھی رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کلمہ کے ساتھ کسی کو خطاب کیا تو وہ ضرور شہید ہوا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا (اور یہ لوگ اونٹ پر سوار تھے) آپؐ نے ہم لوگوں کو حضرت عامر رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیوں نہ نفع پہنچایا۔ (یعنی ہمارے لیے بھی ایسی دعا فرمادیتے) راوی کہتے ہیں کہ ہم لوگ خیبر آئے۔ مرحب نکلا وہ اپنی تلوار لے کر اکڑتا ہوا چل رہا تھا اور کہہ رہا تھا۔ تمام خیبر جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں اور ہتھیار سے لیس ہوں۔ بڑا تجربہ کار پہلوان ہوں کہ جب لڑائیاں لپٹ مارتی ہوئی سامنے آتی ہیں۔ اس کے مقابلے میں حضرت عامر رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہوئے نکلے۔ خیبر جانتا ہے کہ میں عامر رضی اللہ عنہ ہوں۔ ہتھیار سے لیس ہوں اور خطرات میں گھس جانے والے بہادر ہوں۔ ان دونوں میں تلوار کے دو دو ہاتھ ہوئے۔ مرحب کی تلوار حضرت عامر رضی اللہ عنہ کی ڈھال میں گھس گئی۔ یہ اسے جھٹک کر

Marfat.com

چھڑوانے لگے۔ وہ اُچٹ کر انہی پر لگ گئی۔ جس سے ان کی رَگ اَکحل کٹ گئی۔ اسی میں ان کی شہادت ہوئی۔

حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ بن اکوع کہتے ہیں کہ میں نے چند صحابہ رضی اللہ عنہم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ عامر رضی اللہ عنہ کا سارا عمل رائیگاں جائے گا۔ انہوں نے اپنے آپ کو قتل کر لیا۔ یہ سن کر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس روتا ہوا حاضر ہوا۔ آپؐ نے دریافت فرمایا: تجھے کیا ہوا؟ میں نے عرض کیا کہ لوگ کہتے ہیں۔ عامر رضی اللہ عنہ کا عمل باطل ہوگیا۔ آپؐ نے فرمایا یہ کس نے کہا؟ میں نے کہا آپؐ کے اصحابؓ میں سے چند صحابہ تھے۔ آپؐ نے فرمایا: ان لوگوں نے جھوٹ کہا۔ بلکہ عامر رضی اللہ عنہ کے لیے دوہرا اجر ہے۔

راوی کہتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؑ کو آدمی بھیج کر بلایا۔ اِن کی آنکھیں دکھ رہی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"آج میں ایسے آدمی کو جھنڈا دوں گا جو اللہ اور اس کے رسولؐ کو محبوب رکھتا ہے اور اللہ اور رسول اس کو محبوب رکھتے ہیں۔"

چنانچہ حضرت علیؑ کو آپؐ کے پاس سہارا دے کر لایا گیا۔ آپؐ نے ان کی آنکھ میں لعاب دہن مبارک لگایا۔ فی الفور انہیں شفاء ہو گئی۔ ابن ابی یعلی سے روایت ہے کہ حضرت علیؑ گرمی میں روئی کا کپڑا اور جاڑے میں باریک کپڑا پہنتے تھے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زرہ ان کو پہنائی اور ذوالفقار کو حمائل ان کے کیا اور نشان ان کے ہاتھ میں دیا اور فرمایا "جا پیچھے مڑ کر نہ دیکھنا جب تک اللہ تجھ کو فتح نہ دے۔" اِبن ماجہ اور مشکوٰۃ یہاں پر ایک اور حدیث کا بھی اضافہ کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا:

"اے اللہ حق کو علیؑ کے ساتھ گردش دے یعنی جدھر علیؑ رہے ادھر حق رہے۔" (سوئم حدیث نمبر5872)

بہرحال ابو یعلی اس کے بعد تحریر کرتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے حضور

ﷺ سے دریافت کیا کہ میں کس بات پر لڑوں۔ فرمایا: کلمہ پر یعنی پہلے ہدایت دینا' پس جناب علیؓ قلعہ غموص کے نیچے آئے اور زمین میں نشان کو کھڑا کیا۔ اِس وقت ایک عالم یہود نے پوچھا کہ اے صاحب نشان تیرا نام کیا ہے؟ فرمایا: علیؓ ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ ۔ اس یہود عالم نے اپنے لوگوں کو خبردار کیا کہ اپنے ہوا س درست کر لو۔ کیونکہ اس شخص کا حال توراۃ میں لکھا ہے کہ یہ لڑکا شجاع ہے بغیر فتح کے یہ شخص نہیں جائے گا۔ لیکن اِن کو کچھ اثر نہ ہوا۔ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ بن اکوع یہاں پر کہتے ہیں کہ ادھر مرحب نے نکل کر کہنا شروع کیا۔ خیبر جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں' ہتھیار سے لیس' بہادر اور تجربہ کار ہوں کہ جب لڑائیاں لپٹ مارتی ہوئی سامنے آتی ہیں۔ اس کے مقابلے میں حضرت علیؓ نکلے اور وہ یہ شعر پڑھ رہے تھے۔

(ترجمہ) میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام شیر رکھا ہے
جھاڑیوں کے شیر جیسا دیکھنے میں خوفناک ہوں
میں ان کو پورا پورا بڑا صالح ناپ دوں گا
جیسے سندرہ کی ناپ یعنی میں ان کو قتل کروں گا

ازالتہ الخفاء اور مدارج النبوۃ سے روایت ہے کہ اس کے بعد آپ نے مرحب پر ایک وار کیا اور ذوالفقار اس کی ذرہ کو کاٹتی ہوئی سر اور سینہ پھاڑ کر زمین میں اُتر گئی اور اس کا بدن دو ٹکڑے ہو کر دونوں اطراف جا گرا اور اس کو قتل کر دیا۔ اس طرح سے خیبر فتح ہوا۔

رسول اللہ ﷺ کے غلام حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت علیؓ کے ہمراہ خیبر کی طرف نکلے۔ حضور ﷺ نے ان کو جھنڈا دے کر بھیجا تھا۔ جب یہ قلعہ کے قریب ہوئے تو قلعہ کے لوگ ان کی طرف متوجہ ہوئے۔ حضرت علیؓ نے ان سے جنگ کی اور جب مرحب قتل ہوا تو باقی تمام قلعے میں بھاگ گئے اور دروازہ بند کر لیا۔ جو تھوڑے بہت باقی رہ گئے تھے ان کو آپ

Marfat.com

نے جہنم رسید کیا۔ اسی اثناء میں اِن میں سے ایک نے حضرت علیؑ کو تلوار ماری تو آپ کے ہاتھ سے ڈھال گر گئی۔ لیکن جناب علیؑ نے ایک گھونسہ قلعہ کے کواڑوں پر ایسا مارا کہ تمام قلعہ میں زلزلہ آگیا اور تمام درودیوار ہل گئے۔ اُم المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بنتِ حی بن اخطب سردار یہود جو اس وقت اپنے تخت پر بیٹھی تھیں جھٹکا لگنے سے گر پڑیں اور زخمی ہوگئیں۔ ایسا نشان زخم ان کے چہرہ پر آیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نکاح کے وقت بھی وہ چہرہ پر نمایاں تھا۔ پھر حضرت علیؑ نے قلعہ کا پھاٹک ہاتھ میں لے کر اس کو ڈھال بنا لیا۔ یہ پھاٹک ان کے ہاتھ میں برابر رہا اور علیؑ برابر لڑتے رہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں خیبر فتح کیا۔ اس کے بعد اس پھاٹک کو اپنے ہاتھ سے ڈال دیا۔

حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی آپ کو مع 7 آدمیوں کے اس بات کی کوشش کرتے ہوئے دیکھا کہ ہم اس پھاٹک کو پلٹ دیں۔ لیکن ہمیں اتنی طاقت نہ تھی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے یوم خیبر میں دروازہ اٹھایا۔ یہاں تک کہ مسلمان اِس کے اوپر چڑھ کر قلعہ میں چلے گئے اور قلعہ فتح کرلیا۔ اس کے بعد 40 آدمیوں نے مل کر تجربہ کیا کہ وہ اِس دروازہ کو اُٹھا سکیں۔ لیکن وہ بھی کامیاب نہ ہوئے۔ ایک روایت ہے کہ ستر آدمیوں نے اس کو پلٹنے کی کوشش کی اور بڑی مشقت کے بعد بھی نہ پلٹ سکے۔ ابن ابی شیبہ کی یہ روایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اس طرح ہے کہ حضرت علیؑ نے یوم خیبر میں پھاٹک اٹھالیا۔ یہاں تک کہ مسلمان قلعہ پر چڑھ گئے اور اس کو فتح کرلیا۔

قارئین کرام! اس مقام پر میں کچھ وضاحت کرنا چاہوں گا۔ تاکہ شان علیؑ سے اپنے الفاظ کو مزید مزین کر سکوں۔ ہم اس واقعہ کو ذرا یہیں پر رہنے دیتے ہیں۔ مگر اپنے اَذہان میں رکھتے ہیں اور پھر مجھے اجازت دیں کہ میں لفظ "کافر" کی تشریح کروں۔ "کافر" کے معنی ہیں۔ "وہ شخص جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وساطت سے اللہ کی واحدانیت کا اقرار نہ کرے۔" تو پتہ چلا کہ کافر کی لڑائی اَصل میں خدا

کی واحدانیت سے ہے۔ محمد ﷺ کی نبوت سے نہیں۔ کیونکہ کفار قریش بھی آپؐ کو صادق اور امین کہہ کر پکارتے تھے۔ لیکن محمد ﷺ کی ذات وہ ہے کہ جب بھی آپؐ کی تلوار اُٹھی تو اللہ کی واحدانیت کے تحفظ کے لیے اٹھی۔ لیکن علیؑ کی تلوار وہ ہے جو ہمیشہ محمد ﷺ کے کہنے پر اٹھتی رہی اور محمد ﷺ کی حفاظت کے لیے اُٹھتی رہی۔ غزوۂ بدر' اُحد اور خندق تو آپ کے سامنے ہیں۔ لیکن خیبر میں اگر ایک بار پھر چلیں تو وہاں پر آپ کا مقابلہ مرحب سے ہے کہ جو کافر نہیں یہودی ہے اور یہودی اللہ کی وَاحدانیت پر ایمان رکھتا ہے۔ تو مرحب کی اصل لڑائی محمد ﷺ سے تھی۔ اور علیؑ نے ایک بار پھر محمد ﷺ کی حفاظت کی خاطر اور محمد ﷺ کے کہنے پر ذوالفقار لہرائی اور مرحب کو جہنم رسید کیا۔ تو معلوم ہوا کہ محمد ﷺ اللہ کے دین کی حفاظت کرتے تھے اور علیؑ' محمد ﷺ کی حفاظت کرتے تھے۔ قارئین کرام پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ علیؑ کی حفاظت کون کرتا تھا۔ اس کے لیے ایک مرتبہ پھر آپ کو غدیر خم کی طرف لے جانا چاہوں گا کہ جب حضور ﷺ حضرت علیؑ کا ہاتھ تھام کر ہوا میں بلند کرتے ہوئے علیؑ کی شان و عظمت بیان فرما رہے تھے۔ بعض لوگ وہاں پر بھی بغض و کینہ کو چھپا نہ سکے اور ان میں سے حارث فہری نے پیغمبر اسلام ﷺ سے گستاخی کے ساتھ دریافت کیا۔

"آپ کا یہ حکم خدا کی طرف سے ہے یا خود اپنی طرف سے۔"

آپؐ نے فرمایا:

"یہ حکم الٰہی ہے۔"

اس بدبخت نے آنحضرت ﷺ کی طرف پشت کر کے کہا۔

"خداوندا اگر یہ حکم تیری طرف سے ہے تو مجھ پر عذاب نازل فرما۔"

اور لوگوں نے دیکھا کہ ابھی ایک لمحہ بھی نہ گزرا تھا کہ آسمان کی طرف سے ایک پتھر اس کے سر پر نازل ہوا اور وہ اسی جگہ ہلاک ہو گیا۔

(جلال الدین سیوطی' سبط بن جوزی)

Marfat.com

دوسری جانب ایک بار پھر ہم یہ دیکھتے ہیں کہ خیبر کی لڑائی میں علیؑ کے بازو میں جو طاقت اللہ نے عطا کی وہ علیؑ کی وساطت سے محمد ﷺ کے دشمنوں کے لیے تھی اور غدیر میں علیؑ کے دشمن حارث کا آسمانی پتھر سے کچلا جانا یہ ثابت کرتا ہے کہ:

"اے محمد ﷺ تو میرے دین کی حفاظت کر میں علیؑ کے بازوؤں کی طاقت سے تیری نبوت کی حفاظت فرماتا ہوں اور تیرے بھائی علیؑ کی حفاظت اس کے دشمنوں سے میں خود کرتا ہوں۔"

حضرت علیؑ کی شجاعت کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی تھی کہ آپ میدان جنگ میں بھی اپنے مدمقابل سے کشادہ دل رکھتے تھے۔ اور اس کا بخوبی اندازہ اس واقعہ سے کیا جا سکتا ہے۔ جس کا ذکر علامہ کفوی طبقات میں کرتے ہیں کہ علیؑ سے ایک جنگ میں ایک کافر نے اپنی امداد کے طور پر کچھ مانگا۔ آپ کے پاس میدان جنگ میں کوئی ایسی چیز نہ تھی جو اُسے دیتے۔ اپنے سراپا کو دیکھنے لگے کہ اسلحہ جنگ میں کیا چیز ہے کہ جو اس کو دی جائے۔ اور وہ اسے بیچ کر اپنی ضرورت پوری کرے۔ کافر نے کہا یا علیؑ! مجھے اپنی تلوار دے دیجئے۔ آپ نے فوراً اپنی تلوار اسے بخش دی۔ کافر نے تلوار لے کر کہا۔ یا علیؑ! اب آپ میرے حملہ سے اپنی جان کیونکر بچائیں گے۔ آپ نے فرمایا جان کی فکر نہیں۔ مگر یہ ہماری مروت سے بعید تھا کہ سائل کچھ مانگے اور ہم نہ دیں۔ یہ سن کر وہ کافر مسلمان ہو گیا۔

(کتاب "المرتضیٰ" صفحہ 97)

قارئین کرام! اگر اس خاندان کی سخاوت کو احاطہ تحریر میں لایا جائے۔ تو اِندراج واقعات کی خاطر ایک علیحدہ سلسلہ تصنیف کی ضرورت ہوگی۔ اس بنا پر فقط ایک واقعہ بیان کرنے پر اکتفاء کرونگا جو انکی اس خصوصیت کا نچوڑ پیش کر سکے۔

حضرت اِبن عباس سے نقل کیا گیا کہ حضرت حسنؑ، حضرت حسینؑ ایک مرتبہ بہت بیمار ہو گئے۔ تو حضرت علیؑ اور حضرت فاطمہؑ نے نذر (منت) مانی کہ اگر یہ

Marfat.com

تندرست ہو جائیں تو شکرانہ کے طور پر تین تین روزے دونوں حضرات ؑ رکھیں گے۔ اللہ تعالیٰ شانہ کے فضل سے صاحب زادوں' شہزادوں ؑ کو صحت ہو گئی۔ ان حضرات ؑ نے شکرانے کے روزے رکھنے شروع فرما دیئے۔ مگر گھر میں نہ سحر کے لیے کچھ تھا نہ افطار کے لیے۔ فاقہ پر روزہ شروع کر دیا۔ صبح کو حضرت علی ؑ ایک یہودی کے پاس تشریف لے گئے جس کا نام شمعون تھا۔ کہ اگر تو کچھ اُون دھا کر بنانے کے لیے اُجرت پر دے دے۔ تو محمد ﷺ کی بیٹی اس کام کو کر دے گی۔ اس نے اُون کا ایک گٹھر تین صالح جَو کی اُجرت طے کر کے دے دیا۔ حضرت فاطمہ ؑ نے اس میں سے ایک تہائی کاتا اور ایک صالح جَو اُجرت لے کر ان کو پیسا۔ اور پانچ نان ان سے تیار کیے۔ ایک ایک اپنا میاں بیوی کا۔ دو دونوں صاحبزادوں کے۔ اور ایک باندی کا جس کا نام فضہ تھا۔ روزہ میں دن بھر کی محنت اور مزدوری کے بعد جب حضرت علی ؑ حضور ﷺ کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھ کر لوٹے اور کھانا کھانے کے لیے دسترخوان بچھایا گیا۔ حضرت علی ؑ نے ٹکڑا توڑا ہی تھا کہ ایک فقیر نے دروازے سے آواز دی۔ حضرت علی ؑ نے ہاتھ روک لیا۔ حضرت فاطمہ ؑ سے مشورہ کیا اور وہ تمام روٹیاں اس فقیر کو دے دیں۔ اور گھر والے سب کے سب فاقے سے رہے۔ اسی حال میں دوسرے دن کا روزہ شروع کر دیا۔ دوسرے دن بھی حضرت فاطمہ نے کو پیسا' روٹیاں پکائیں۔ اور جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ' حضور ﷺ کے ساتھ نماز مغرب پڑھ کر آئے۔ اور سب کے سب کھانے کے لیے بیٹھے۔ تو ایک یتیم نے دروازے سے سوال کیا۔ ان حضرات اقدس ؑ نے وہ روٹیاں بھی اس یتیم کے حوالے کر دیں۔ اور خود پانی پر گزارہ کرتے ہوئے تیسرے دن کا روزہ شروع کیا۔ اور صبح کو حضرت فاطمہ ؑ نے اُون کا باقی حصہ کاتا اور ایک صالح جو کا جو باقی رہ گیا تھا۔ وہ لے کر پیسا' روٹیاں پکائیں اور مغرب کی نماز کے بعد جب کھانے بیٹھے۔ تو ایک قیدی نے آکر آواز دی اور اپنی سخت حاجت اور پریشانی کا اظہار کیا۔ ان حضرات ؑ نے اس دن کی روٹیاں اس کو

دے دیں اور خود فاقے سے رہے۔ چوتھے دن صبح کو روزہ تو نہ تھا لیکن کھانے کو بھی کچھ نہ تھا۔ حضرت علیؑ دونوں صاحبزادوں کو لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بھوک و ضعف کی وجہ سے چلنا بھی مشکل ہو رہا تھا۔ حضور ﷺ نے جب یہ حالت دیکھی تو فرمایا کہ چلو فاطمہؑ کے پاس چلیں۔ حضور ﷺ جب تشریف لائے تو حضرت فاطمہؑ نماز پڑھ رہی تھیں۔ بھوک کی شدت سے آنکھیں گڑ گئیں تھیں۔ پیٹ کمر سے لگ رہا تھا۔ حضور ﷺ نے ان سب کو اپنے سینے سے لگا لیا۔ اور حق تعالیٰ شانہ سے فریاد کی۔ اس پر حضرت جبرائیلؑ سورۂ دہر کی آیات "ویطعمون الطعام علی حبہ مسکینا" ویتیما واسیرا"" لے کر آئے۔ اور اس پروانہ خوشنودی کی مبارکباد دی۔ (در منثور' علامہ سیوطیؒ)

حضرت علیؑ کی زندگی کا ایک اور پہلو جو کہ حقوق الناس سے متعلق ہے۔ اس کو اگر احاطہ تحریر میں لایا جائے تو معلوم یہی ہو گا کہ علیؑ کی ہستی ایسی تھی کہ رات کا ایک پہر عبادت الٰہی میں گزرتا اور دوسرا حقوق الناس کی ادائیگی میں۔

ایک واقعہ میں جب حضرت علیؑ کی خدمت میں یمن سے شہد سے بھری ہوئی مشکیں آئیں۔ تو اسی اثناء میں حضرت امام حسنؑ کے پاس چند مہمان آئے۔ روٹیاں تو بازار سے منگوالیں اور سالن کے لیے حضرت علیؑ کے غلام قنبر سے کہا کہ ایک مشک کھول دو۔ اس نے تعمیل کی۔ آپ نے ایک رطل شہد لے کر اپنے مہمانوں کے پاس بھیج دیا۔ جب حضرت علیؑ نے شہد کو تقسیم کرنے کے لیے مشکیں منگوائیں تو ایک مشک کی نسبت فرمایا کہ اس میں کمی معلوم ہوتی ہے۔ قنبر نے حضرت حسنؑ کے شہد لینے کا ذکر کیا۔ آپ نے غصہ سے فرمایا۔ حسنؑ کو میرے پاس بلاؤ۔ جناب حسنؑ حاضر ہوئے۔ آپ نے بہت ناراضگی کا اظہار کیا اور کہا کہ تمہیں کس نے اس بات کی جرات دلائی کہ تقسیم سے پہلے تم نے شہد لے لیا۔ حضرت حسنؑ نے فرمایا: اس بات نے جرات دلائی کہ جب ہمارا حق ہمیں ملے گا تو ہم اس قدر شہد واپس دے دیں گے۔ حضرت علیؑ نے فرمایا: بے شک شہد کی تقسیم

Marfat.com

میں تمہارا بھی حق ہے لیکن تمہیں یہ حق کہاں سے حاصل ہوگیا کہ تم اور لوگوں کے حق سے پہلے اس حق سے فائدہ اٹھاؤ۔

ایک مرتبہ حضرت عقیل رضی اللہ عنہ کی اِمداد طلبی پر حضرت علیؑ نے فرمایا۔ آپ ذرا صبر کریں۔ میں مسلمانوں کے حِصوں کے ساتھ تمہارا حصہ بھی نکال دوں گا۔ جب حضرت عقیل رضی اللہ عنہ نے جلد بازی سے کام لینا چاہا تو آپ نے ایک آدمی سے فرمایا! ان کا ہاتھ پکڑ کر بازار میں لے جاؤ اور کہہ دو کہ دکانوں کے قفل توڑ کر جو کچھ اس کے اندر ہے لے لیں۔ جنابِ عقیل رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ آپ مجھ سے چوری کرانا چاہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا! کیا تم مجھ سے چوری کرانا چاہتے ہو کہ میں مسلمانوں کا مال تم کو دے دوں۔

ایک اور روایت امام حسنؑ بیان فرماتے ہیں کہ جب ہم دونوں بھائی جنابِ علیؑ کو دفن کر کے گھر واپس آ رہے تھے تو راہ میں ایک عجیب واقعہ دیکھنے میں آیا۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک طرف رونے کی آواز آ رہی ہے۔ جب ہم اس صدا پر گئے تو دیکھا کہ ایک غریب بوڑھا یہودی سر کے نیچے ایک پتھر رکھے ہوئے پڑا ہے اور بے چینی سے رو رہا ہے۔ جب اس نے رونے کا سبب پوچھا تو اس نے نہایت عاجزی سے کہا کہ میں غریب اور معذور ہوں میرا کوئی مددگار نہیں ہے۔ ہم نے اس یہودی سے سوال کیا کہ تیری تیمارداری کون کرتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں ایک برس سے اس شہر میں ہوں۔ میرے پاس ایک شخص آتا تھا اور میرے سرہانے بیٹھ کر پدر مہربان کی طرح تیمارداری کرتا تھا۔ ہم نے پوچھا کہ تو نے اس شخص کا نام دریافت کیا تھا؟ کہنے لگا۔ ہاں۔ پوچھا تھا۔ لیکن اُس نے کہا تجھے میرے نام سے کیا کام ہے؟ میں تیری تیمارداری خدا کی خوشنودی کے لیے کرتا ہوں۔ پھر پوچھا کہ اس شخص کا حلیہ کیسا ہے؟ جواب ملا میں کیا بیان کر سکتا ہوں۔ میں تو اندھا ہوں۔ کوئی نشانی نہیں بتا سکتے۔ کہا وہ میرے پاس تین روز سے نہیں آیا اور میری خبر گیری نہیں کی۔ پھر ہم نے دریافت کیا تجھے اس کی گفتگو اور خصلت سے کچھ

Marfat.com

واقفیت ہے؟ کہا! ہاں۔ جب وہ میرے پاس آتا تھا تو ہمیشہ تسبیح و تحلیل میں مشغول رہتا تھا اور معلوم ہوتا تھا گویا زمین و آسمان اس کے ہم آواز ہیں۔ جب میرے پاس بیٹھتا تھا تو کہتا تھا۔

"مسکین و غریب وہ ہے جو مسکین و غریب کے پاس بیٹھتا ہے۔"

مجھے وجہ نہیں معلوم کہ وہ کیوں تین روز سے نہیں آیا۔

ہمیں اَب شبہ نہ تھا کہ کوئی دوسرا بجز ہمارے پدر بزرگوار کے نہ تھا۔ ہم نے اس سے کہا۔ اے بدنصیب اسے زہر آلود تلوار ماری گئی اور ہم لوگ اس بزرگ کو دفن کر کے آرہے ہیں اور تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ وہ اَمیرالمومنین علیؑ ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ خلیفۃ المسلمین تھے۔ بوڑھا یہ سن کر پچھاڑے کھانے لگا اور قبر پر لے چلنے کے لیے بہت زور دیا۔ ہم نے اس کی التجا پوری کی۔ اس نے نشان قبر ہاتھوں سے ٹٹولا اور کلمہ توحید کا اِقرار اپنے دل اور زبان دونوں سے کر لیا۔ پھر قبر پر گر پڑا اور مر گیا۔

حضرت علیؑ جہاں دوسروں کے حقوق کا احترام کرتے تھے۔ وہاں اپنے حق پر ڈٹے رہنے کی تلقین بھی اپنے طرز عمل سے کرتے تھے۔ خواہ ان کو وقت کے امیرالمومنین ہونے کے باوجود خود قاضی کی عدالت میں ہی کیوں نہ جانا پڑتا۔ واقعہ کچھ اس طرح ہے کہ جب آپ جنگ صفین میں شامل ہونے کے لیے تیار ہوئے تو زرہ باوجود تلاش کرنے کے نہ ملی۔ آخر جب جنگ سے واپس آئے تو وہ زرہ ایک یہودی کے پاس سے نکلی۔ آپ نے اس سے فرمایا۔ نہ میں نے زرہ کسی کو دی ہے نہ کسی کے ہاتھ لگی پھر تیرے پاس کیسے آگئی؟ اس نے کہا یہ زرہ میری ہے اس لیے کہ میرے قبضہ میں ہے۔ مقدمہ قاضی تک پہنچا اور نام اس کا شریح تھا۔ قاضی نے آپ کا دعویٰ اور یہودی کا جواب سن کر آپ سے کہا۔ گواہ پیش کیجئے۔ آپ نے فرمایا۔ میرا بیٹا حسنؑ اور میرا غلام قنبر موجود ہے۔ قاضی نے کہا! بیٹے کی باپ کے لیے اور غلام کی آقا کے لیے شہادت قبول نہیں ہو سکتی۔ فرمایا:

Marfat.com

"تعجب ہے تم اہل جنت کی شہادت قبول نہیں کرتے۔ کیا آنحضرتؐ نے نہیں فرمایا کہ حسنؑ اور حسینؑ جوانان جنت کے سردار ہیں۔"

یہ سن کر یہودی چلا اُٹھا۔ آپ خواہ مخواہ مجھے قاضی کے پاس کھینچ لائے۔ حالانکہ آپ امیرالمومنین ہیں اور قاضی آپ سے عام آدمیوں کی طرح جرح کر رہا ہے۔ بے شک یہ دین سچا ہے اور یہ ذرہ آپ ہی کی ہے۔ اور مسلمان ہو گیا۔ میں اہل فکر افراد کو اس واقعہ کے حوالے سے دعوت فکر دیتا ہوں کہ یہ اہل بیتؑ کسی مقام پر بھی کسی دور میں کسی بھی جگہ پر کسی بھی مقصد کے لیے کسی بھی قاضی اور عدالت کے محتاج نہیں ہیں بلکہ وہ قاضی اور عدالتیں تو خود ان بزرگ ہستیوں کے در کی محتاج ہیں۔ کیونکہ ان کی شہادت یا گواہی کی حق پرستی پر تو خود اللہ ناز کرتا ہے تو پھر کسی قاضی کا جناب علیؑ سے شہادت مانگنا اس کے کمزور ایمان کی دلیل ہے۔ لیکن یاد رہے کہ اس حوالے میں "امیرالمومنین" نہیں بلکہ "اہل بیتؑ" کا ذکر کیا ہے۔ کیونکہ امیرالمومنین کا لفظ استعمال کرنے سے کسی دوسرے کی شہادت واجب ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ حضرت علیؑ نے بطور امیرالمومنین خود اپنے آپ کو عدالت کے روبرو پیش کیا۔ لیکن وہ عدالت ہی اس کی اہل نہ تھی کہ آپ کی شہادت کو پہچان سکتی۔ حالانکہ اہل بیتؑ کی شہادت تو خود اللہ ہے۔ جہاں تک حضرت علیؑ کی خوضبطی اور ایثار نفسی کا تعلق ہے تو اس کی بے نظیر مثال ہمیں مندرجہ ذیل واقعہ سے ملتی ہے۔

آنحضرت ﷺ کے زمانے میں حضرت علیؑ ایک جنگ میں شامل تھے۔ ایک کافر مرتد مدمقابل تھا۔ جب اس کو گرا کر اس کے سینے پر چڑھے اور اس کے قتل کا اِرادہ کیا تو اس نے آپ کے منہ پر تھوک دیا۔ یہ واقعہ مولانا رومؒ نے بھی اپنی تصنیف میں لکھا ہے۔ فرماتے ہیں:

او حزو انداخت بروئے علیؑ
افتخار ہر نبی و ہر ولی

Marfat.com

اس کافر کے تھوکنے سے آپ اس کے سینے سے اُتر گئے۔ کافر نے کہا! اے علیؑ میرے تھوکنے سے تو تمہیں اور غصہ آنا چاہیے تھا۔ پھر وجہ کیا ہے کہ مجھے سرے سے ہی چھوڑ دیا۔ آپ نے فرمایا:

"پہلے دشمنی تم سے خدا کے لیے تھی۔ اب تو نے مجھ پر تھوکا ہے اس سے میرے نفس اور جوش کو غصہ تو ضرور آگیا ہے مگر اس حالت میں اگر قتل کر دوں تو یہ میرے نفس کی غیرت کا اظہار ہو گا اور اس کو غیرت الٰہی سے کوئی تعلق نہ ہو گا۔"

کافر پر ایثار نفسی کا ایک ایسا اثر ہوا کہ وہ فوراً مسلمان ہو گیا۔

اس قدر فضائل اور شجاعت ہونے کے باوجود مومنین کا مشکل کشاء اور وقت کا اَمیرالمومنین اپنے آپ کو اپنے رب کے سامنے کس قدر حقیر جانتا ہے۔ اس کے بارے میں حضرت ضرار رضی اللہ عنہ بن صخرہ فرماتے ہیں کہ نِصف شب میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص مسجد کوفہ میں گڑگڑا کر رو رہا ہے اور زمین پر اس طرح تڑپ رہا ہے کہ جس طرح کسی شخص کو بچھو ڈستا ہے اور وہ تکلیف سے تڑپتا ہے۔ جب میں قریب گیا تو دیکھا کہ وقت کا اَمیرالمومنین اور زمانہ کا امام علیؑ ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ زمین پر لیٹا ہے اور اپنی سفید داڑھی کو ہاتھ میں لیے ہوئے اَشک بار آنکھوں اور کپکپاتی زبان سے کہہ رہا ہے۔

"اے پالنے والے! سفر بہت لمبا ہے اور زادِ راہ بہت کم ہے۔"

مختصراً یہ کہ جناب علیؑ کی ہر اَدا میں ایک سوز' اپنی شدت کے ساتھ موجود رہتا ہے۔ خواہ آپ عبادت میں ہیں تو تب بھی یہ سوز موجود ہے۔ اگر ایک شجاع ہیں تو تب بھی' ایک سوز ہے۔ حتیٰ کہ آپ کے تمام اقوال بھی اپنے اَندر ایک سوز کو لیے ہوئے ہیں اور سوز ایک ایسی کیفیت کا نام ہے جس کے سامنے تمام دنیاوی حقیقتیں معدوم ہو کر رہ جاتی ہیں۔ بالکل اسی طرح کہ جس طرح ایک آتش فشاں پہاڑ اپنے باطن کی شدت کی اِنتہا پر اپنی ظاہریت اور گِردونواح کو موم کی مانند پگھلا

کر اپنے ہمراہ لے جاتا ہے۔ اسی لیے حضرت اَمیر خسرو فرماتے ہیں کہ میرے شیخ معظم عالی جناب حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے ارشاد فرمایا:

"ایک مرتبہ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حضرت داؤدؑ کی بابت بیان ہو رہا تھا کہ آپ کے ہاتھ میں لوہا نرم ہو جاتا تھا اور پھر آپ اس سے زرہ تیار کر لیتے۔ رسول اکرم ﷺ نے مسکرا کر فرمایا کہ حضرت داؤدؑ ہاتھ میں لوہا لیا کرتے تھے تو حضرت علیؑ کا نام لیا کرتے تھے اور لوہا آپ کے ہاتھوں میں نرم ہو جاتا تھا۔"

(افضل الفوائد' جلد اول 'ملفوظات خواجہ نظام الدین دہلوی خلیفہ اعظم خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ)

اِسم علیؑ کی برکات کے حوالے سے ایک اور روایت بھی مشہور ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علیؑ ایک راستہ سے گزر رہے تھے اور ایک خیبر کا رہنے والا شخص بھی آپ کے ہمراہ تھا۔ دونوں صاحبان کا گزر ایک وادی سے ہوا جس میں پانی بہہ رہا تھا۔ پس خیبری نے اپنی سواری پر سوار ہو کر کچھ پڑھا اور پانی پر سے گزر گیا۔ پھر پلٹ کر حضرتؑ کو آواز دی کہ اے شخص! اگر تو بھی جانتا ہے جو میں جانتا ہوں تو تو بھی پانی پر سے گزر جا۔ جیسے میں گزر گیا ہوں۔

حضرت علیؑ نے اِس پر خیبری سے کہا کہ تم ذرا اپنی جگہ پر ٹھہر جاؤ۔ پھر اَمیرالمومنینؑ نے پانی کی طرف اشارہ فرمایا اور وہ پانی جم گیا۔ آپ بڑے اِطمینان سے اس پانی کے اوپر سے گزر گئے۔ جب خیبری نے دیکھا کہ پانی پتھر کی طرح منجمد ہو گیا تو فوراً گھوڑے سے اُتر کر جنابِ امیرؑ سے مخاطب ہو کر کہا کہ جوان! تم نے کیا کیا جو یہ پانی جم کر پتھر بن گیا؟ جنابِ امیرؑ نے فرمایا کہ پہلے تم بتاؤ کہ تم کیا کہہ کر پانی پر سے گزر تھے؟ خیبری نے کہا کہ میں نے اللہ کو اس کے اِسم اعظم کے نام کے ساتھ پکارا تھا۔ جنابِ امیرؑ نے دریافت کیا کہ وہ اِسم اعظم کیا ہے؟ خیبری نے کہا کہ میں نے محمد اعظمؐ کے وصی کے نام کے ساتھ خدا سے سوال کیا تھا۔ جنابِ امیرؑ نے فرمایا: محمد ﷺ کا وصی تو میں ہوں۔ خیبری یہ سن کر مشرف بہ اِسلام

Marfat.com

ہوا۔ (بحر المعارف، صفحہ 219)

اَب اگر مولائے مشکل کشاء حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے فضائل کا نچوڑ حاصل کرنا مقصود ہو تو اس ضمن میں حضور رحمت ﷺ کا یہ فرمان ہی کافی ہے کہ جس کو اَمام احمد بن حنبل ؒ نے کتاب الفضائل میں روایت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"خدا نے علیؓ کو وہ پانچ صفتیں عطا کیں جو مجھے دنیا و مافیہا سے محبوب تر ہیں۔ اول یہ کہ وہ خدا کی سامنے کھڑا ہو گا۔ جب تک کہ لوگ حساب و کتاب سے فارغ نہ ہو جائیں گے۔ دوم یہ کہ لواءِ حمد اِس کے ہاتھ میں ہو گا اور انبیاءؑ اس کے جھنڈ کے نیچے جمع ہوں گے۔ سوم یہ کہ وہ میرے حوض کے کنارے پر کھڑا ہو گا اور میری اُمت میں سے جس کو پہچانے گا سیراب کرے گا۔ چہارم یہ کہ مجھے بعد اِیمان اس کے کافر ہو جانے اور بعد احسان زانی ہو جانے کا خوف نہیں ہے۔ پنجم یہ کہ وہ میری شرمگاہ کو ڈھکنے والا اور مجھے قبر میں اتارنے والا اور خدا کے سپرد کرنے والا ہے۔" (کتاب الفضائل)

قارئین کرام! قرآن حکیم میں خدائے بزرگ و برتر اپنے نیک اور پارسا بندوں کے گروہوں کا اعلان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

وَ مَن یُطع اللہ وَالرسُولَ فَاولٰئک مَع الَذین اَنعم اللہ عَلیھم من اَلنبین وَ اصدیقین وَالشھدآء وَالصلحین ۝ (سورۂ نساء آیت 69)

(ترجمہ) اور جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانے تو اسے ان کا ساتھ ملے گا جن پر اللہ نے فضل کیا یعنی انبیاء اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ۔"

مندرجہ بالا آیت میں اللہ نے چار گروہوں کی نشاندہی فرمائی ہے کہ جن پر اللہ کا خاص فضل ہے۔ اور انہیں اُمت کے لیے بہترین ساتھی قرار دیا گیا ہے۔ لیکن

Marfat.com

میرے آقا علیؑ کی نرالی شان یہ ہے کہ نبی آخرالزماں ﷺ کے بعد اِس آیت کی جامع تفسیر آپ ہی کی ذات گرامی ہے۔ کیونکہ اگر پہلے گروہ اَنبیاءؑ کی بات کریں تو حضور ﷺ یہ کہتے ہوئے نظر آئیں گے کہ میں اور علیؑ ایک ہی شجر سے ہیں۔ یعنی خاصیتیں دونوں کی ایک ہی ہیں۔ چونکہ حضور ﷺ کو خاتم النبین قرار دیا گیا تھا اس بناء پر علیؑ کو ولایت محمدی ﷺ کا قلمدان عطا ہوا۔ اور پھر حضور ﷺ ہی کا یہ فرمانا کہ میرے لیے علیؑ ایسے ہی ہیں کہ جیسے موسیٰؑ کے لیے ہارونؑ ' اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ علیؑ کو وہی عظمت و منزلت حاصل ہے کہ جو انبیاءؑ کو حاصل رہی۔

پھر انبیاء کے بعد جب "صدیقین" کا ذکر ہوتا ہے تو تب بھی علیؑ کا ایمان مثل نبی اَزل سے ہی مستحکم ہے۔ جیسا کہ حضور ﷺ ہی کا فرمان ہے اور جو پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ میں اور علیؑ ایک ہی نور کے دو ٹکڑے ہیں۔ رہا "شہیدوں" کا گروہ تو یہاں بھی سَرداری آپ ہی کے گھرانے پر ناز کرتی ہے اور پھر آخری گروہ "صالحین" میں تو آپ کو امام الاولیاء کہا گیا۔

اس تمام ابحاث کے بعد اب اگر یہ کہا جائے کہ نبی ﷺ اور علیؑ مومنین کا بہترین سہارا ہیں تو بلاشبہ یہ غلط نہ ہو گا۔

Marfat.com

صفاتِ علیؑ کا علمی تجزیہ

حضرات! اَب جبکہ ہم فضائل علیؑ سے اپنے جذبۂ ایمان کو تازہ کر چکے اور آپ کی ذات کو مختلف اوقات میں مثل نبی لاتعداد اوصاف سے متصل پایا تو یہ ضروری ہے کہ آپ کے چند اوصاف کا تجزیہ عشق کے بعد اب دلائل کی بنیاد پر بھی کر لیا جائے۔ اور ایسے دلائل کہ جن کی بنیاد قرآن و سنت پر ہو۔ تاکہ ایک توازن قائم رہ سکے۔ چنانچہ ذیل میں درج چند اہم صفاتِ علوی اپنے آپ کو قرآن و سنت کی رو سے ثابت کرتی ہیں۔

علم علویؑ:

قارئین کرام! خدا نے اپنے نبی ﷺ کو قرآن پڑھایا اور علیؑ کو علم جنس کتاب عطا کیا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

فقال قل کفی باللہ شھیدا" بینی و بینکم و من عندہ علم الکتاب

(ترجمہ) "کہہ دو اے پیغمبر کہ اے مخالفو میرے اور تمہارے درمیان میرا خدا شہادت کیلئے کافی ہے اور وہ جس کو علم کتاب حاصل ہے۔"

Marfat.com

اگر کتاب سے مراد جنس کتاب ہے اور اگر خاص کتاب یعنی قرآن مراد ہے تو ہر حال میں عالم علم کتاب وہی شخص ہو سکتا ہے جو علم مطلق رکھتا ہو۔ اور کسی سوال کے جواب میں عاجز نہ ہو۔ اور ساٹھ ہزار مجمع میں بر سر منبر بکمال قوت قلب فرمائے۔

"پوچھو مجھ سے قبل اس کے کہ مجھ کو نہ پاؤ جو کچھ تمہارا دل چاہے۔ (خواہ زمین کی باتیں یا آسمان کی) کیونکہ میں طرق زمین سے طرق آسمان کا زیادہ عالم ہوں۔"

اور وہ علیؑ بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہے نہ کوئی اور۔ اس ضمن میں کتب تواریخ و سیر و حالات جنگ جمل و خطبہ حضرت امیرالمومنینؑ اور فتح بصرہ ملاحظہ کریں۔ تمام اہل اسلام متفق ہیں کہ یہ کلام حقائق التیام کلام جناب علیؑ بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہے۔ کیونکہ عالم علم کتاب وہ ہو سکتا ہے جو یہ فرمائے۔

"اگر تمام حجاب ہائے حدوث و امکان اور پردہائے ظلمات جسمانیہ فانیہ مادیہ و استاد ہائے مراتب دہریہ میرے اور واجب الوجود حی قیوم ازلی و ابدی و سرمدی خالق زمین و آسمان کے درمیان سے اُٹھا دیئے جائیں تو جو علم و یقین اس کی معرفت میں مجھے اب حاصل ہے اس میں کچھ زیادتی نہ ہوگی۔" (فواتح یمندی)

کیونکہ وہ خلیفہ خدا و نور کبریا' مظہر اُوصاف الٰہی و خود آئینہ جمال خداوندی ہے۔ اس کی معرفت میں حجاب ہائے ظلمات جسمانیہ وغیرہ کیونکر حائل ہو سکتے ہیں۔ وہ خود حجتہ اللہ و دلیل و برہان حق ہے۔ و نعم ماقیل فیہ۔

ھا علیؑ بشرؑ کیف بشرؑ
ربہ فیہ تجلی و ظھر

(ترجمہ): آگاہ ہو کہ علیؑ بشر ہے مگر ایسا بشر ہے کہ اس کے پروردگار نے اس میں ظہور کیا ہے وہ مظہر کمالات الٰہی ہے۔ و قال ابن ابی الحدین ؎

Marfat.com

فذات" لمخلوق و وصف لخالق
و قد حارث الالباب اية حبر ة

(ترجمہ): وہ مخلوقات کی اصل روح رواں ہے اور خدا کا آئینہ اوصاف۔ اور عقلیں اس کے باب میں سخت حیرت میں ہیں۔

قرآن کی صفت تو معلوم ہے کہ تبیان کل شئی ہے۔ اور پہاڑ اس سے حرکت کر سکتے ہیں۔ زمین قطع ہو سکتی ہے۔ مردے بول سکتے ہیں۔ بلکہ ہر ایک امر الٰہی اس سے انجام پا سکتا ہے۔ پس عالم علم کتاب و حامل کتاب وہ ہی ہو سکتا ہے جو تمام امور میں تصرف رکھتا ہو۔ اگر درخت کو حکم دے چلا آئے۔ اگر آفتاب کو حکم دے تو لوٹ آئے۔ چشم زدن میں مشرق سے مغرب تک پہنچ جائے۔ ایک وقت میں چالیس جگہ مہمان ہو۔ زمین پر ہو آسمان پر ہو۔ غرض مظہر العجائب و مظہر الغرائب ہو۔ (اور دو مرتبہ آفتاب آپ کے لیے لوٹا) اور کیونکر ایسا نہ ہو۔ حالانکہ آصف برخیاؑ وصی حضرت سلیمانؑ کو صرف کتاب کا تھوڑا سا علم حاصل تھا۔ انہوں نے چشم زدن سے پہلے تخت بلقیس اُٹھالیا۔ یعنی ایک ماہ کی راہ سے لاکر رکھ دیا تھا۔

وقال الذی عندہ علم" من الکتاب انا اتیک بہ
قبل ان یرتد الیک طرفک

(ترجمہ): پس جس کو کل کتاب کا علم ہو اس کی قوت و قدرت کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے۔

طہارتِ علوی:

جبکہ یہ ثابت ہے کہ کتاب دراصل نفس وجود نبوی ہے۔ اور قرآن وہ صورت مقرر جو پیغمبر نے اپنی زبان مبارک سے بوحی الٰہی تلاوت فرمائی۔ اور "اِنہ لقران کریم فی کتاب مکنون لایمسہ الا

Marfat.com

المطھرون" اس پر شاہد ہے۔ پس "من عندہ علم الکتاب" وہ ہوگا جس کے پاس علم نبی ﷺ ہو۔ اور وہ مالک و وارث علم نبوت و باب شہر علم نبوی ہو۔ پس من عندہ الکتاب کا مصدق غیر از علیؑ ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ثعلبی وغیرہ نے عبداللہ بن سلام سے روایت کی ہے۔

"من عندہ علم الکتاب سے مراد علیؑ بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں اور یہ غلط ہے کہ یہ آیت عبداللہ بن سلام کی شان میں نازل ہوئی ہے۔"

جیسا کہ خود عبداللہ بن سلام ہی کے قول سے ظاہر ہے اور سعید بن منصور ابن جریرہ ابن منذر اور ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیر سے روایت کی ہے کہ جب ان سے پوچھا کہ کیا من عندہ علم الکتاب عبداللہ بن سلام کی شان میں آئی ہے۔ تو فرمایا:

"یہ کیونکر ہو سکتا ہے یہ سورہ مکیہ ہے اور عبداللہ ابن سلام مدینہ میں مسلمان ہوئے تھے۔"

ابن منذر نے ایک یہ بھی روایت کی ہے کہ عبداللہ بن سلام کی شان میں کوئی آیت نازل نہیں ہوئی (تفسیر سیوطیؒ)۔ اس سے مراد علیؑ ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ باب علم نبویؐ ہیں۔ علاوہ ازیں کتاب کے مس کرنے میں طہارت مطلقہ کی شرط ہے۔ غیر مطہرین اس کتاب لاریب فیہ کو مس باطنی نہیں کر سکتے جو نفس وجود محمدی ﷺ ہیں اور مطہرین کے باب میں خدا فرماتا ہے۔

انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھرکم تطھیرا"

اور علیؑ بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اس تطہیر باطنی میں مع اپنے فرزندوں حسنؑ و حسینؑ و زوجہ طاہرہ جناب فاطمہ الزہراؑ و جناب ختمی مرتبت ﷺ کے داخل ہیں۔ بلکہ نہیں ہیں مراد اہل بیتؑ سے مگر آنحضرت ﷺ و علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و

حسینؑ اور ان کی وہ اُولاد جو بعد ان کے ان صفات سے متصف اور وارثِ بیتِ شرف نبی یعنی وارثِ نبوت و رسالت ہیں۔ پس علیؑ ہی بعد پیغمبرؐ اس کتابِ مکنون سے مس کرنے والے اور لینے والے ہیں۔ یا ان کی اولاد جو اس تطہیر الٰہی میں داخل ہے نہ اور کوئی۔ جو مُدت تک نجاستِ کفر و شرک میں ملوث ہو۔

امام ابو عیسیٰ ترمذی نے اپنی صحیح میں اور ابن جریر' ابن منذر' حاکم' ابن مردویہ اور بیہقی نے طرق متعددہ سے نقل کیا ہے اور ترمذی و حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے کہ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا زوجہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

یہ آیتہ (انما یرید اللہ النح) میرے گھر میں نازل ہوئی ہے۔ درانحالیکہ گھر میں علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ تھے۔ پس آپؐ نے ان سب کو اپنی کملی میں لے لیا اور فرمایا۔ یہ ہی میرے اہل بیتؑ ہیں بارالٰہا ان سے رجس کو دور کر اور ان کی تطہیر فرما جو حق تطہیر ہے۔"

اور اِبن جریر' ابن منذر' ابن ابی حاتم و طبرانی و ابن مردویہ نے دوسرے طرق سے قریب قریب یہی مضمون اُم سلمہ رضی اللہ عنہا ہی سے روایت کیا ہے اور اس میں اتنی زیادتی ہے کہ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں نے بھی اپنا سر اِس پردے میں داخل کیا۔ اور کہا اے رسول اللہؐ میں بھی تمہارے ساتھ ہوں۔ آپ نے دو مرتبہ فرمایا تم خیر پر ہو۔ اور بعض روایات میں یہ لفظ زیادہ ہیں۔

"جو اِن سے لڑے میں اِس کا محارب ہوں اور جو ان سے صلح رکھے میں بھی اُس سے راضی ہوں اور صلح رکھتا ہوں جو اِن سے عداوت کرے میں اُس کا دشمن ہوں۔"

امام مسلم بن الحجاج' امام احمد بن حنبل و ابن ابی شیبہ و ابن جریر و ابن ابی حاتم اور حاکم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ ایک دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک بالوں کی سیاہ چادر اُوڑھے ہوئے نکلے کہ حسینؑ آگئے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اس چادر میں لے لیا۔ پھر فاطمہؑ آئیں ان کو بھی چادر میں لے لیا

Marfat.com

اور پھر علیؑ آئے ان کو بھی اسی میں داخل کر لیا اور پھر فرمایا۔

انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا

ابن ابی شیبہ' احمد ترمذی' ابن جریر' ابن المنذر' طبرانی' حاکم اور ابن مردویہ نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جس وقت حضرت نماز صبح کو نکلتے تھے تو علیؑ و فاطمہؑ کے دروازے پر فرماتے تھے۔

الصلوۃ یا اھل البیت الصلوۃ انما یرید اللہ۔ (شفتہ الصاوی)

اور بھی متعدد طرق و اسناد سے یہ مضمون مروی ہے۔ گویا متفق علیہ علماء اہل اسلام ہے کہ علیؑ آیۂ تطہیر میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شریک ہیں اور یہ کہ اہل بیتِ خمسہ انجباء پنجتن پاک اور ان کی وہ اولاد طاہرہ ہے جو ان کی صفاتِ خاصہ نبوتی سے متصف ہے۔ کیونکہ بیت سے مراد بیتِ شرفِ نبیؐ ہے اور شرفِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبوت سے ہے۔ پس اہل بیتؑ وارثان نبوت ہیں۔ اس سے بیتِ سکنی یا بیت نسب مراد نہیں ہے۔ پس علم کتاب انہی مطہرین کو حاصل ہے اور یہی وجود محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (جو کتابِ وجود کتابِ لاریب ہے) سے مس باطنی رکھتے ہیں۔ کیونکہ ایک ہی نور کے دو ٹکڑے ہیں۔ اور یہی وہ ہیں جن کی شان میں آیا ہے۔

"اسی طرح سے تجھ پر ہم نے کتاب نازل کی ہے پس وہ لوگ جن کو ہم نے پہلے سے کتاب دے دی ہے وہ سب اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور ان لوگوں میں سے بھی بعض اس پر ایمان لائے ہیں۔ اور انہیں انکار کرتے ہیں ہماری آیات کا مگر کافرین۔" (سورۂ عنکبوت)

یہاں پر کافرین کہا گیا ہے نہ کہ یہود نصاریٰ۔ اگر ایسا ہو تو حق یہود و نصاریٰ کے ساتھ ہو گا نہ اہل اسلام کے ساتھ۔ کیونکہ اس سے ثابت ہے کہ وہ سب کے سب اس پر ایمان رکھتے ہیں اور مسلمان بغض۔ حالانکہ یہ بدیہی البطلان ہے۔ تمام یہود و نصاریٰ آج تک بھی قرآن پر ایمان نہیں لائے۔ کروڑوں منکر قرآن

آج موجود ہیں۔ علاوہ ازیں جہاں کہیں "اتی" بصیغۂ ماضی معروف کتاب کے ساتھ مضاف ہے وہاں کتاب سے علم کتاب و حقیقتِ کتاب مراد ہے۔ اور جہاں بصیغۂ ماضی مجہول "اُوتُوا" بطرفِ کتاب منسوب ہے وہاں وہ لوگ مراد ہیں جن پر کوئی پیغمبر کتاب لے کر آیا ہے۔ جیسے یہود و نصاریٰ اُوتو الکتاب و اہل کتاب کہلاتے ہیں۔ بخلاف "اتی" بصیغۂ معروف کہ یہ انبیاءؑ کی شان میں آیا ہے۔ جن کو علم الکتاب ان کے وجود کے ساتھ دیا جاتا ہے۔ کما قال عز و جل۔

"واتیناھم الکتاب المستبین"

(ترجمہ) سب کو ہم نے کتابِ روشن عطا کی ہے۔

"واتینا موسی الکتاب"

(ترجمہ) پس انبیاءؑ کو یقیناً علم کتاب دیا جاتا ہے۔

نہ کہ اس طرح انبیاءؑ صاحبِ کتاب کہلاتے ہیں جس طرح ان کی اُمت جن میں سے اکثر بلکہ تمام حقیقتِ کتاب سے بے بہرہ ہوتے ہیں۔ اور اگر جانتے بھی ہیں تو کچھ جزوی۔ چنانچہ قول حضرت عیسیٰؑ اس کی پوری تصریح ہے۔

"میں بندۂ خدا ہوں مجھ کو خدا نے کتاب عطا کی ہے اور نبی بنایا ہے۔"

پس اِس عطاء کتاب سے علم کتاب و حقیقتِ کتاب مراد ہے نہ کہ انجیل بصورتِ تنزیلی کیونکہ انجیل حضرت پر بعد تیئیس یا تیس سال کے نازل ہوئی ہے۔ ضرور اس کتاب سے علم کتاب و حقیقت وجودیہ مراد ہے۔ اور نبی بعد عطاء علم نبی بنایا جاتا ہے نہ کہ جاہل نبی ہوتا ہے۔ اس لیے جعل نبوت بعد عطاء کتاب یعنی علم کتاب ہے۔ و قال سبحانہ تعالیٰ۔

"یاد کرو اس وقت کو جبکہ خدا نے کہا اے عیسیٰؑ بن مریم یاد کر میری اس نعمت کو جو تجھ کو اور تیری والدہ کو دی گئی۔ جبکہ میں نے روح القدس سے تیری تائید کی، تو گہوارے اور اُدھیڑ عمر میں لوگوں سے کلام کرتا تھا۔ یعنی دونوں حالتیں مساوی تھیں۔ اور جبکہ میں نے تجھ کو کتاب و حکمت

Marfat.com

وتوریت وانجیل کی تعلیم دی۔" (سورۂ المائدہ)

اس آیت سے بکمال وضاحت ثابت ہے کہ کتاب سے مراد یہاں انجیل نہیں ہے۔ انجیل علیحدہ ہے اور اس کی تعلیم علیحدہ۔ کیونکہ وہ صورت تنزیلی تدریجی ہے اور کتاب حقیقت وجودیہ۔ اور یہ تمام انبیاءؑ سے مخصوص ہے اور جملہ انبیاءؑ کتاب ِ وجودی رکھتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وجعلنا فی ذریتھما النبوۃ والکتاب

(ترجمہ) ہم نے ذریت ِ نوحؑ اور ابراہیمؑ میں کتاب اور نبوت قرار دے دی ہے۔ کوئی زمانہ اس کتاب سے خالی نہیں ہوتا۔"

غرض اتینا ہم الکتاب سے علم کتاب مراد ہے۔ اور یہ وہی بزرگوار ہیں جو قبل نزول ظاہری عالم کتاب تھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"اور وہ لوگ جن کو ہم نے پہلے سے کتاب دے دی ہے وہ سب اِسی قرآن پر ایمان رکھتے ہیں اور جب اِن پر اس کی تلاوت کی جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر رکھتے ہیں یہ بالکل ٹھیک ٹھاک ہمارے پروردگار ہی کی طرف سے ہے اور ہم تو پہلے ہی سے اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کو دو مرتبہ اَجر دیا جائے گا کہ انہوں نے صَبر کیا اور نیکی کا بدلہ نیکی سے دیتے ہیں۔ اور اپنے رزق خاص کو راہ ِ خدا میں دے دیتے ہیں اور لغو سے پرہیز کرتے ہیں اور اہل لغو سے کہتے ہیں ہمارے لیے ہمارے اَعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اَعمال۔ دور ہی سے تم پر سلام ہے۔ ہم جاہلین کی صحبت نہیں چاہتے۔" (سورۂ قصص)

اس آیت میں جو اوصاف ِ صاحبان "اتینا ہم الکتاب" مذکور ہوئے ہیں ان میں اگر انسان تھوڑا سا بھی تفکر کرے اور دل میں اِنصاف کرے تو یقین کرے گا کہ کفار و مشرکین و یہود و نصاریٰ اس کا مصداق نہیں ہیں۔ اگر یہود و نصاریٰ اس کا مصداق ہوتے جیسا کہ بعض نافہم مفسرین نے لکھ دیا ہے تو پھر ان سے

Marfat.com

بہتر و کامل الایمان کوئی شخص ہو ہی نہیں سکتا۔ جو سب کے سب قبل نزول قرآن عالم قرآن ہیں اور اس کے حرف بحرف پر ایمان رکھتے ہیں اور جب اس کی تلاوت کی جاتی ہے تو اس کی تصدیق کرتے ہیں اور وہ پہلے ہی سے اسلام لائے ہوئے ہیں۔ اور ان کو دو مرتبہ اجر دیا جائے گا۔ اور ان کی صفت اپنا رزق خاص خدا کی راہ میں خرچ کر دینا اور نیکی سے بدی کا جواب دینا اور لغو سے اجتناب کرنا ہے۔ یہ لوگ نہیں ہیں مگر وہ جو پیغمبر ﷺ سے اتحاد ذاتی و صفاتی رکھتے ہیں۔ اسی نور کے دو ٹکڑے اور نفس رسول ﷺ ہیں۔ یعنی علیؑ و اُولاد علیؑ ۔ جو قبل ظاہری نزول قرآن عالم قرآن ہیں اور پہلے ہی سے صاحب اسلام اور وہ اُمت مسلمہ ہیں جن کے لیے حضرت ابراہیمؑ نے دعا کی تھی۔ اور یہی وہ لوگ ہیں جن کے سینوں میں قرآن بطور آیات بینہ موجود ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

بل ھوایات بینات فی صدور الذین او تو العلم وما یجحد بایاتنا الاالظلمون

(ترجمہ) یہ قرآن ایسا نہیں ہے کہ پیغمبر ﷺ نے خود لکھ پڑھ کر جمع کر لیا ہو بلکہ یہ آیات بینات ہے۔ سینوں میں ان لوگوں کے جن کو علم عطا کیا گیا ہے۔ اور یہ صاحبان اوتوالعلم ہیں جو زمانہ پیغمبر میں مشہور و معروف تھے اور لوگ ان کو پہچانتے تھے۔"

پھر ارشاد ہوتا ہے۔

و منھم یستمعون الیک فاذا خر جوامن عندک قالو اللذین اوتو العلم ماذا قال انفا"

(ترجمہ) بعض ان اصحاب میں اے پیغمبر وہ لوگ ہیں جو غور سے تیرا کلام سنتے ہیں۔ (مگر کچھ نہیں سمجھتے) پس جب تیرے پاس سے اُٹھ کر جاتے ہیں تو ان لوگوں سے جن کو علم دیا ہوا ہے پوچھتے ہیں کہ پیغمبر ﷺ نے ابھی کیا فرمایا۔ ہم کچھ نہیں سمجھتے۔"

Marfat.com

یہاں پر اہل علم میں غیر علیؑ و اولاد علیؑ کوئی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ مسلم و متحقق یہ ہے کہ جس وقت حضرت علیؑ پیدا ہوئے تو جناب رسول خدا ﷺ تشریف لائے۔ علیؑ حضرت ﷺ کو دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا:

"السلام علیک یا رسول اللہ و رحمتہ اللہ و برکاتہ"

اور آپ ﷺ کی طرف متوجہ ہو کر قرآن شریف پڑھنا شروع کیا اور سورۂ مومنون کو بم فیہا خَلدون تک تلاوت کیا۔ اور حضرت ﷺ نے فرمایا:

"یا علیؑ! تمہارے سبب سے ان مومنوں نے رستگاری پائی۔"

اس روایت کو محمد بن محمود قزوینی شافعی وغیرہ نے نقل کیا ہے۔ اور بعض روایات میں تمام قرآن کا پڑھنا مرقوم ہے اور بعض نے تمام دیگر کتب آسمانی کا پڑھنا بھی بیان کیا ہے۔ پس یہی صاحب اُوتوالعلم ہیں جو قبل نزول قرآن عالم قرآن ہیں اور قرآن ان کے سینوں میں ہے اور انہی واقعات کی وجہ سے زمانہ رسول ﷺ میں یہ صاحبان علم مشہور و معروف تھے اور لوگ انہی سے سوال کرتے تھے۔ روایات اس باب میں بے شمار ہیں۔ ملاحظہ ہو تفسیر طبری و برہان القمی وغیرہ۔ مگر ہمارے اثبات مدعا کے لیے صرف آیات ہی کافی ہیں۔

یہ "من عندہ علم الکتاب و آتینا ہم الکتاب واوتوالعلم۔" وہی ذریت ابراہیمؑ ہے جس میں کتاب بہ جعل الٰہی ہمیشہ ہمیشہ موجود ہے۔

"وجعلنا فی ذریۃ النبوۃ والکتاب۔"

حضرت ابراہیمؑ سے حضرت خاتم النبین ﷺ تک پہنچی۔ نبوت آپ ﷺ پر ختم ہو گئی مگر کتاب آپ کی عترت و ذریت میں ہمیشہ باقی رہی اور رہے گی۔ اور ذریت آنحضرت ﷺ ذریت ابراہیمؑ ہے۔ اسی وجہ سے حضور ﷺ نے اپنی عترت و ذریت و اہل بیتؑ کو ثانی ثقلین و ثانی کتاب قرار دیا ہے۔ کیونکہ کتاب ان کے ساتھ ہے اور وہ کتاب کے ساتھ اور اس مسئلہ کو بالکل

Marfat.com

صاف کر دیا ہے۔ ملاحظہ ہو حدیث ِ ثقلین۔

"میں تم میں ایسی چیز چھوڑے جاتا ہوں کہ جب تک اس سے تمسک رکھو گے کبھی گمراہ نہ ہوگے وہ کتاب اللہ اور میری عزت میرے اہل بیتؑ ہیں اور وہ کبھی ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے تا آنکہ حوض کوثر پر میرے پاس پہنچ جائیں۔"

بعض کتب میں بعض اِلفاظ کا فرق ہے مثلاً۔

انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی اھلبیتی ما ان تمسکتم ھما لن تضلوا بعدی ولن یفترقا حتی یرا علی الحوض"

چنانچہ ستر بہتر طرق سے یہ حدیث اہل اسلام میں مروی ہے۔ اور تقریباً پندرہ طرق سے علامہ اِبن حجر مکی نے صواعق محرقہ میں اس کو درج کیا ہے۔ پس حامل کتاب و عالم کتاب و من عندہ علم الکتاب ہمیشہ ذریت رسولؐ و اہل بیتِ رسول ﷺ میں موجود ہیں۔ اور وہی وارثِ علم نبوتؐ و جانشین ولائیتِ محمدی ﷺ ہیں اور اسی واسطے پیغمبر ﷺ نے فرمایا ہے۔

"میری اُمت میں ہر زمانے اور ہر قرن میں میرے اہل بیتؑ سے نفوس عادلہ و عدل محض موجود رہیں گے۔"

پھر فرمایا۔

"میرے اہل بیتؑ زمین کیلئے اَمان ہیں۔ پس جب میرے اہل بیتؑ زمین سے اُٹھ جائیں گے تو اہل الارض بھی نیست و نابُود ہو جائیں گے۔"

ایک اور مقام پر آپؐ اس طرح سے ارشاد فرماتے ہیں۔

"اگر اَمام دنیا سے اُٹھ جائے اور زمانے میں کوئی اَمام نہ ہو تو زمین اپنے ساکنین سمیت مخنف ہو جائے۔"

نیز ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اِرشاد نبوی ﷺ ہے۔

"میرے اہل بیتؑ میری اُمت کیلئے اختلاف سے امان ہیں۔ اگر میری اُمت ان سے تمسک رہے گی تو کبھی اُس میں اختلاف نہ پڑے گا۔"

(رشفۃ الصاوی و مطالب السئول و صواعق محرقہ)

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"وماکان اللہ لیعذبھم وانت فیھم"

(ترجمہ) اے پیغمبر ﷺ جب تک تو ان میں ہے خدا اِن پر عذاب نہیں کرتا۔"

پس چاہیے کہ بعد پیغمبر ﷺ مثل پیغمبر ﷺ ذریت۔ پیغمبر ﷺ سے قائم مقام و جانشین پیغمبر ﷺ ہمیشہ ہمیشہ موجود رہے۔ اور ایسا ہی ہے اور اسی وجہ سے لوگ عذاب سے مامون ہیں۔ وجود اَمام و ذریت۔ خیرالانام ﷺ در ہر زمان ضروری ہے۔ منکر وجود امام غایب منکر آیات و احادیث ہیں۔

بہرحال ان آیات و احادیث مذکورہ سے مثل روز روشن ظاہر ہے کہ خدا نے مثل پیغمبر ﷺ ،علیؑ کو علم کتاب علم قرآن قبل نزول قرآن عطا فرمایا ہے۔ اور وہ باب۔ علوم نبوی ﷺ ہے اور وہ وارث۔ علم نبی ﷺ ہے۔ اور تمام محققین اہل اسلام متفق ہیں کہ تمام علوم اسلامیہ اصولاً و فروعاً حضرت علیؑ پر منتہی ہوتے ہیں۔ محی الدین العربی حضرتؒ کی شان میں لکھتے ہیں۔

(ترجمہ) "علیؑ حقیقت نقطہ بائے بسم اللہ اور ماوۂ علوم غیر متناہیہ ہیں۔"

اور یہ علم علم موہبتی ہے نہ کہ اکتسابی جیسا کہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ حضرت علیہ السلام نے وقت۔ ولادت تلاوت۔ قرآن فرمائی۔ اَمام غزالیؒ لکھتے ہیں۔

(ترجمہ) علم موہبتی لدنی صاحبان نبوت و ولایت کو حاصل ہوتا ہے۔ جیسا کہ خضرؑ اور علیؑ بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو حاصل ہوا۔ خضرؑ نبی تھے اور علیؑ ولی اللہ۔"

(رسالۃ الغزالی فی علم اللدنی)

Marfat.com

علیؑ نور خدا ہے:

پس خدا نے جن صفات سے اپنے پیغمبر ﷺ کو متصف کیا ہے۔ انہی سے اپنے ولی اور وصی پیغمبر ﷺ کو بھی موصوف کیا ہے۔ چونکہ نبی ﷺ نور کبریا ہے۔

"قد جائکم من اللہ نور۔"

اس لیے علیؑ بھی نور خدا ہے اور اسی نور محمدی ﷺ کا جزو ہے۔ اور اسی کے ساتھ کتم عدم سے ساحت وجود میں آیا ہے۔

"واتبعد النور الذی انزل معہ۔"

(ترجمہ) اور اتباع کیا ان لوگوں نے اُس نور کا جو اُس کے ساتھ ساتھ اُتارا گیا۔

نیز ملاحظہ ہو تفسیر ثعلبی در ذیل آیہ مجیدہ۔

"و فی الارض قطع متجورات و جنت من اعزاب و زرع و نخیل صنوان و غیر صنوان یسقی بماء واحد و نفضل بعضہا علی بعض فی الاکل ان فی ذلک لایات لقوم یوقنون۔"

صورت تنزیلی آیت کی ظاہر ہے صورت تاویل میں، تفسیر مذکور میں جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت رسول ﷺ کو کہتے ہوئے سنا۔

"میں اور علیؑ ایک درخت سے ہیں اور ایک جڑ کی دو شاخیں ہیں۔ اور لوگ مختلف درختوں اور اصلوں سے ہیں۔"

اور یہ ارشاد فرمانے کے بعد حضور ﷺ نے آیت مذکورہ کو تلاوت فرمایا۔ اور پھر یہیں سے بھی یہ حدیث مشہور و معروف مستنبط ہے۔

"میں اور علیؑ ایک نور سے اور ایک نور کے دو ٹکڑے ہیں۔"

علیؑ رحیم ہے:

خدا نے اپنے نبی ﷺ کو رؤف و رحیم فرمایا ہے تو اپنے ولیؑ و وصی نبیؐ کو بھی اسی صفت سے موصوف کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"محمد ﷺ پیغمبر خدا ہیں اور وہ جو اس کے ساتھ ہیں اور اسی سے معیت رکھتے ہیں ان کی صفت یہ ہے کہ وہ کفار کیلئے سخت ہیں اور آپس میں ایک دوسرے پر رحیم و مہربان یعنی اہل اسلام کیلئے باعث رحمت۔ جب تم انہیں دیکھو گے تو رکوع و سجود میں پاؤ گے۔ کہ وہ خدا کے تفضل اور اس کی خوشنودی کے خواستگار رہتے ہیں۔ اور کثرت سجود سے ان کی پیشانیوں میں نشان پڑے ہوتے ہیں۔" (سورۂ فتح)

ظاہر ہے اگر یہاں معیت سے معیت جزئیہ مراد لی جائے تو اس میں ہر ایک مسلمان داخل ہو گا کیونکہ ہر ایک شخص کسی نہ کسی اَمر میں رسول ﷺ کے ساتھ معیت رکھتا ہے۔ اور یہ خلاف آیہ ہے اور خلاف واقع کیونکہ تمام اہل اسلام میں صفات مذکورہ ہرگز نہیں پائی جاتیں۔ پس ضرور معیت سے مراد معیت کلیہ مطلقہ ہے۔ یعنی وہ شخص جو پیغمبر ﷺ سے معیت تامہ رکھتا ہے۔ اور اَزل سے ہر زمان و مکان اور ہر نشاء اور ہر یہاں ہر حال سفر و حضر روز و شب میں اس کے ساتھ ساتھ ہے۔ اور کہیں اس کے نور کے ساتھ بھی معیت ہے۔ روح کے ساتھ بھی معیت ہے طہارت میں معیت ہے، علم میں معیت ہے، اسلام و ایمان میں معیت ہے، ولایت میں معیت ہے، امامت میں معیت ہے، اطاعت میں معیت ہے، مودت میں معیت ہے وغیرہ۔ جملہ صفات میں نبی ﷺ کے ساتھ ساتھ بلکہ شریک صفات نبوتی ہے۔ اور ایسا شخص غیر اَز علیؑ ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور کوئی نہیں جو نور نبیؐ اور نفس نبیؐ ہے۔ اور یہ صفات مذکورہ اس پر صادق آتی ہیں۔

بشرطیکہ انسان چشم بصیرت سے غور کرے۔ وَرنہ فضول و مہمل ولغو تاویلات کے لیے میدان وسیع ہے۔

علیؑ داعی حق ہے:

خدا نے اپنے پیغمبر ﷺ کو داعی الیٰ الحق فرمایا ہے۔ اس کے اوصیاء کو بھی داعی الیٰ الحق قرار دیا ہے۔

"فقال ولتکن منکم اُمة یدعون الی الخیر یا مرون بالمعروف وینهون عن المنکر"

(ترجمہ) چاہیے کہ تم میں سے ہمیشہ ایک اُمت ایسی موجود ہے جو خیر مطلق کو طرف دعوت دے اور امر بالمعروف کرے اور نہی عن المنکر۔"

اور یہ اُمت غیر آز ذریت رسول ﷺ و اہل بیتؑ رسول ﷺ اور کوئی نہیں۔ وہ ہی ذریت رسول ﷺ ہے جس کا ایک فرد ہمیشہ موجود ہے۔ اگر وہ زمین سے اُٹھ جائے تو زمین مع اہل زمین منخسف ہو جائے اور دنیا نیست و نابود۔ دعوت الیٰ الحق موقوف ہے علم احاطی پر۔ اور علم ہم علیؑ اور اولاد علیؑ کا ثابت کر چکے ہیں۔ پس ہدایت دعوت الیٰ الحق وہ ہی کر سکتے ہیں جو علم میں سب سے مقدم ہیں اور علم اپنے وجود کے ساتھ لے کر آتے ہیں اور قبل نزول ظاہری قرآن کے عالم ہیں۔ اور باب علوم نبوتی ﷺ ہیں۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہو تو وہ خود محتاج ہدایت غیر ہوں گے۔ اور جب محتاج ہدایت غیر ہوئے تو ہادی اور داعی الیٰ الحق نہیں ہو سکتے۔

علیؑ ولی خدا ہے:

خدا نے اپنے پیغمبر ﷺ کو ولی قرار دیا ہے۔ وصی نبی ﷺ کو بھی ولی فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

"سوائے اس کے نہیں ہے کہ تمہارا ولی خدا ہے اور اس کا رسول ﷺ اور اہل ایمان جو نماز کو قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں۔" (سورۂ مائدہ ۶۸)

باتفاق مفسرین اس سے مراد علیؑ بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور باتفاق اہل اسلام علیؑ ولی اللہ ہیں۔ جیسا کہ امام ابو اسحٰق احمد بن محمد الثعلبی نے اپنی تفسیر میں اس کی شرح کی ہے۔ ملاحظہ ہو روایت ابن عباس رضی اللہ عنہ و ابو سعید غفاری رضی اللہ عنہ وغیرہ۔ اور بعد اس کے وہ لوگ جو اس صفت زکوٰۃ فی الرکوع سے متصف ہیں اور راکعیں مطلق ہیں۔ "وارکعوا مع الراکعین۔" یہ رکوع ایک معنی خاص رکھتا ہے اور یہاں محض افہام و تفہیم کے لیے مذکور ہوا ہے۔ ورنہ دراصل اور فی الحقیقت رکوع سے مراد رکوع ظاہری نماز نہیں ہے۔ قال عزوجل۔

"یامریم اقنتی لربک واسجدی وارکعی مع الراکعین۔"

(ترجمہ) مریم اپنے پروردگار سے دعا کر اور سجدہ بجالا اور رکوع کر رکوع کرنے والوں کے ساتھ۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ بلا سجدہ راکعیں کے ساتھ رکوع کرنا بے معنی ہے۔

"واذا قیل لهم ارکعوا لا یرکعون۔"

(ترجمہ) اور جب کافرین سے کہا جاتا ہے کہ رکوع کرو تو وہ رکوع نہیں کرتے۔

کیا اس رکوع سے نماز کا رکوع مراد ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

پس رکوع سے مراد ایک حالت خاص ہے اور یہاں بطور تشبیہ ذکر کیا گیا ہے۔ کیونکہ نماز کی تین حالتیں ہیں۔ ایک حالت قیام' ایک رکوع' ایک سجدہ۔

Marfat.com

قیام حالت استقامت ہے۔ سجود فناء و کمال عجز و انکساری و تواضع اور رکوع حالت وسطیٰ ہے۔ پس اسی طرح انسان تین حالتیں رکھتا ہے۔ ایک حالت استقامت ذاتیہ ہے اور ایک حالت سجدہ ہے۔ کہ مقام فناء مطلق ہے کہ اپنے وجود سے بالکل غافل ہوتا ہے۔ ایک حالت رکوع ہے کہ نہ استقامت ذاتیہ ہے اور نہ فناء مطلق۔ پس راکعین ایک جماعت خاص ہیں جو خالق و مخلوق کے درمیان واسطہ ہیں اور اُمت وسط ہیں۔ خدا سے لیتے ہیں اور مخلوق کو پہنچاتے ہیں۔ فقال عزوجل۔

"وکذالک جعلنا کم أمة وسطا" لتکو نوا شہدآء علے الناس و یکون الرسول علیکم شہیدا""

(ترجمہ) اسی طرح سے خدا نے تم کو اُمت وسط قرار دیا ہے کہ تم تمام لوگوں پر شہید رہو اور رسول ﷺ تم پر شہید ہو۔"

اور یہی وہ راکعین و ساجدین ہیں جن کے لیے حضرت ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ کو حکم تھا کہ خانہ کعبہ کی ان کے لیے تطہیر کرو۔

"فقال وطہرا بیتی للطائفین و العاکفین والرکع السجود"

(ترجمہ) اے ابراہیمؑ و اسماعیلؑ میرے گھر کو طواف کرنے والوں، اعتکاف کرنے والوں اور راکعین و ساجدین کے واسطے پاک و پاکیزہ رکھو۔"

یہ راکعین و ساجدین ذریت ابراہیمؑ و نسل اسماعیلؑ ہے جس کی نسبت خود حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا ہے۔

"رب انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی زرع بیتک المحرم ربنا لیقیموا الصلوۃ""

Marfat.com

(ترجمہ) اے میرے پروردگار میں نے اپنی بعض ذریت کو یہاں وادی بے زراعت میں تیرے خانہ محترم کے پاس مقیم کیا ہے تاکہ یہ دنیا میں نماز کو قائم کریں۔"

پس یہ را کعین اُمت ِ وسط اور واسطہ فیضان الٰہی ہیں۔ اور یہی ولی اَمور خداوندی اور بعد پیغمبر ﷺ اولیٰ بالتصرف و متصرف ِ متعلق ہیں۔ یہ ہمیشہ تابع فرمان الٰہی اور اس کے ہر ایک حکم کے آگے سر تسلیم خم کیے ہوئے ہیں۔ اور دوسرے تمام لوگوں کو حکم ہے کہ ان کے ساتھ ہو جائیں۔ ان کی اطاعت کریں ار ان کے قدم بقدم چلیں اور ان کی اقتداء کریں۔ لیکن "اذا قیل لھم ارکعو الایرکعون"۔ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ان کے ساتھ ہو جاؤ اور ان کی اقتداء کرو تو وہ ایسا نہیں کرتے۔ اور یہی وہ ولایت ِ مطلقہ و اولویت ہے جس کا اعلان جناب ِ رسول ﷺ نے خم غدیر میں بایں الفاظ کیا تھا۔

"جس کا میں مولا و ولی ہوں علیؑ بھی اس کا مولیٰ ہیں۔"

اور اسی واسطے آپ نے اول و حاضرین سے یہ اقرار لیا تھا۔

"کیا میں تمہارے نفسوں سے زیادہ تم پر متصرف نہیں ہوں؟"

جو کہ آیہ مجیدہ "النبی اولی بالمومنین من انفسھم" کا مفہوم ہے۔ اور جب سب نے اقرار کر لیا اور بلے کہہ دیا۔ اس وقت فرمایا کہ پس علیؑ بھی ایسا ہی ہے۔ اور یاد رہے کہ حکومت تحت ِ ولایت ِ مطلقہ ہے۔

علیؑ صراط مستقیم ہے

خدا نے اپنے رسولؐ کو صراط مستقیم پر قرار دیا ہے اور اَپنے ولی کو بھی صراط مستقیم پر قرار دیا ہے۔ فقال۔

"ھذا صراط علی مستقیم"

Marfat.com

(ترجمہ) یہ علی کا سیدھا راستہ ہے۔
اور پیغمبر ﷺ نے فرمایا۔
"انک لمن المرسلین علی صراط مستقیم"
"وقال ان ہذا صراطی مستقیما "فاتبعوہ ولا
تتبعوا السبل فتفرق لکم عن سبیلہ"
(ترجمہ) یہ میرا سیدھا راستہ ہے صرف اسی کا اتباع کرو۔ اور مختلف
راستوں پر نہ جاؤ۔ اگر ایسا کروگے تو راہِ خدا سے جدا ہو جاؤ گے۔
یہ صراط علیؑ اولاد علیؑ ہے کہ وصی رسول ﷺ ہے۔ صراط علیؑ صراط نبی ﷺ ہے اور صراط نبی ﷺ صراط اللہ۔ ملاحظہ ہوں روایاتِ رشید احمد ابن ذین الحبشی جس میں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے سردار شیخ و امام اور قطب حبیب عبداللہ الحداد سے سنا کہ وہ فرماتے تھے۔

"یعنی طریقہ سادات علویہ (علیؑ و اولاد علیؑ) ہی وہ صراط مستقیم الٰہی ہے جس کی طرف قرآن شریف کی اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے کہ یہ میرا سیدھا راستہ ہے۔ پس اس کی اتباع کرو اور دوسرے مختلف راستوں کو نہ چلو اگر ایسا کروگے تو راہِ خدا سے دور ہو جاؤ گے۔

اور اسی طرح مستقیمہ کی کتاب اللہ میں تشریح ہے جس پر کبھی اور کسی طرف سے باطل کا دخل نہیں ہو سکتا۔ "ہذا صراط علی مستقیم۔" اور یہی قول نبی ﷺ، فعل نبی ﷺ اور تقریر نبی ﷺ سے ثابت ہے۔ اور یہی صالحین سلف اور تابعین کا عقیدہ رہا ہے۔ اور اس کو امام ابو طالب مکی اور امام ابو القاسم قشیری نے نقل کیا ہے۔ اور جو ان کے قدم بقدم چلے ہیں اور انہوں نے اسی باب میں مفصل و مستقل کتابیں لکھی ہیں کہ صراط مستقیم طریق علیؑ و اولاد علیؑ ہے۔ اور اسی کو امام حجتہ الاسلام ابو حامد غزالیؒ نے ثابت کیا ہے۔ یہ طریقہ مستقیم اولاد علیؑ میں ابا عن جد بطور توارث چلا آیا ہے۔ چنانچہ اپنے باپ و نانا سے

Marfat.com

حسنینؑ نے پایا اور ان سے علی ابن الحسین زین العابدینؑ کو وراثتہ" پہنچا اور ان سے محمد الباقرؑ اور ان سے جعفر صادقؑ تا مہدیؑ آخرالزمان کہ یہ اُولاد علیؑ اور ذریت رسول ﷺ سے ہے۔ اور اس صورت سے ثابت ہے کہ ان کا طریق محض کتاب و سنت ہے۔ پس جو شخص طریق علوی کے مخالف ہو۔ اس کا طریق اُن سُبل متفرقہ میں سے ہے۔ جو سبیل اللہ و صراط الٰہی سے جدا ہیں۔ (شفتہ الصاوی)

"فصراط علی مستقیم۔ صراط علیؑ صراط نبی ﷺ ہے اور صراط نبی ﷺ صراط اللہ۔ وان ربی علی صراط مستقیم۔"

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"وانی لغفار لمن تاب وامن وعمل صالحا ثم اھتدے۔"

(ترجمہ) تحقیق میں بخشنے والا ہوں اس کو جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور عمل صالح بجالائے اور وہ ہدایت یافتہ بھی ہو۔

ثابت البنانی رضی اللہ عنہ اس آیہ مجید کی تفسیر میں بیان فرماتے ہیں کہ اھتدے سے مراد اہتداء الیٰ ولایت اہل بیت نبیؐ ہے۔ یعنی خدا اس کو بخشے گا جو اس راہ کو پائے ہوئے ہے۔ اور ان سے تمسک ہے کیونکہ وہ سبیل اللہ و صراط الٰہی ہیں۔

علیؑ شہید علی الخلق ہے:

پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ شہید اولاً و بالذات خدا کی صفت ہے۔ اور ثانیاً و بالغرض بعد خدا اس کا رسول ﷺ شہید علی الخلق ہے۔ اسی طرح سے اس کے اوصیاء علیؑ و اُولاد علیؑ شہید ہیں۔ فقال سبحانہ وتعالیٰ۔

"و کذالک جعلنا کم امۃ وسطا لتکونو اشھداء علی الناسَ ویکون الرسول علیکم

Marfat.com

شہیدا"۔"

(ترجمہ) اسی طرح سے ہم نے تم کو اُمت ِ وسط قرار دیا ہے کہ تم تمام لوگوں پر شہید ہو اور رسول ﷺ تم پر شہید ہو۔

مفسرین کا یہ قول بالکل غلط و باطل بلکہ بدیہی البطلان ہے کہ اس اُمت ِ وسط سے مراد تمام اُمت ِ محمدی ﷺ ہے کیونکہ قرآن شاہد ہے کہ خود اہل اسلام کے اپنے معاملات میں ان کی شہادت مقبول نہیں۔ بلکہ چاہیے کہ ثبوت مدعا میں دو اور شاہد عادل پیش کریں۔ بلکہ بعض معاملات میں چار شاہدوں بلکہ شہیدوں کی ضرورت ہے جیسا کہ باب زنا میں' اور بنص قرآن فاسق کی خبر مقبول نہیں جب تک کہ وہ شاہد و بینہ اپنے بیان پر پیش نہ کرے۔ پس کیونکر ہو سکتا ہے کہ تمام صالحین و فاسقین اُمت کی شہادت غیروں کے حق میں مقبول ہو جائے۔ یہ شاہد بھی نہیں ہو سکتے نہ کہ شہید جس کے معنی حاضر علی الشئی ہیں۔

"ان اللہ بکل شئی شہید۔"

کون ہے افراد اُمت میں سے جو مثل خدا احاطہ برخلائق رکھتا ہو۔ مگر وہ شخص جو مظہر اوصاف الٰہی اور خلیفہ خدا ہو۔ اور ایسا شخص اُمت ِ محمدی ﷺ میں نہیں۔ مگر علیؑ اور اُولاد علیؑ جو آئینہ اُوصاف نبوی ﷺ ہیں۔ تصریح کے لیے ملاحظہ ہو یہ آیۂ سورۃ الحج۔

(ترجمہ) "اے ایمان والو رکوع اختیار کرو اور فنا فی اللہ ہو جاؤ۔ اور اپنے پروردگار کی عبادت کرو۔ اور خیر مطلق کو بجالاؤ اور اس کی راہ میں حق جہاد ادا کرو۔ اُس نے تمہیں کو اِس کے واسطے اختیار و پسند کیا ہے۔ اور اس کے لیے چن لیا ہے اور باوجود اس کے تم پر دین میں تنگی نہیں رکھی۔ یہ تمہارے باپ ابراہیمؑ کی ملت ہے۔ اسی نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے۔ پہلی کتب میں بھی اور اس میں ذکر ہے۔ تاکہ تم پر پیغمبر شہید رہے۔ اور تم تمام لوگوں پر شہید ہو۔"

Marfat.com

اس آیہ مجیدہ کی بارہ صفتیں یا بارہ خصوصیتیں یا بارہ حکم بتلا رہے ہیں کہ اس سے خاص برگزیدگان خدا وہ ہی نفوس مراد ہیں جو تمام اُوصافِ نبی ﷺ میں شریک اور نفس رسول ﷺ ہیں۔ اور مثل رسول ﷺ شہید علی الناس ہیں۔ اور اولاد ابراہیمؑ سے ہیں۔ اور حضرت ابراہیمؑ نے ان کو پہلے سے مسلمان قرار دیا ہے پہلی کتب میں بھی اور اس کتاب میں بھی۔

ہم صرف اسی کتاب کے حوالہ کا یہاں ذکر کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ آخری کتاب اور مصدق جمیع کتبِ سابقہ ہے اور بتلاتی ہیں کہ کہاں ان کو حضرت ابراہیمؑ نے مسلمان فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو سورۂ بقرہ۔

"اے ہمارے پروردگار ہم دونوں (ابراہیمؑ و اسماعیلؑ) کو اپنا خاص مطیع و منقاد بنا اور ہماری ذریت میں سے ایک اُمت کو ایسا ہی مسلمان بنا۔"

اور پھر اس کی تشخیص کے لیے فرمایا:

"ربنا وابعث فیہم رسولا منہم الخ"

(ترجمہ) اور اے پروردگار ان میں ان ہی میں سے ایک کو رسول بنا۔

ان آیات سے ثابت ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنی ذریت یعنی اولاد اسماعیلؑ میں ایک اُمت کے لیے اپنے سے اسلام کی خواہش کی ہے اور اسے ویسا ہی مسلمان قرار دیا ہے اور یہ اُمتِ مسلمہ ہمیشہ ذریتِ ابراہیمؑ میں موجود ہے اور یہ اُمتِ مسلمہ وہ ہی ہے جس میں پیغمبر ﷺ مبعوث ہوا ہے۔ اور وہ ان کا ایک فرد ہے اور ظاہر ہے کہ پیغمبر ﷺ بنی ہاشم سے ہے۔ پس وہ اُمت بھی بنی ہاشم ہی سے ہے۔ اور ایسی اُمتِ مسلمہ جو وقتِ بعثتِ مرسل مسلمان ہو اور پیغمبران میں سے مبعوث ہوا۔ سوائے علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور کوئی نہیں ہو سکتا کہ وہ پہلے سے مسلمان تھے اور وقتِ بعثت، پیغمبر ﷺ کی تصدیق کی۔

"ولم یشرک باللہ طوفۃ عین ابدا"

(ترجمہ) ایک چشم زدن کے مشرک نہیں ہوئے۔

Marfat.com

پس وقت بعثت نبی ﷺ بھی وہ مشرک نہ تھے۔ مُوَحدو مسلم تھے اور رسول ﷺ پر ایمان لائے یعنی ان کی تصدیق کی تھی۔ "وامن لوط۔" اور ابراہیمؑ پر لوط ایمان لایا۔ اور اس وجہ سے تمام اہل اسلام حضرت علیؑ کو کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں۔ کیونکہ کبھی شرک نہیں کیا۔ اور کسی بت کے آگے نہیں جھکے۔ اور یہ ہی وہ مسلمین ہیں جن کا ذکر آیۂ سورۂ قصص میں آچکا ہے۔

"یعنی جو وقت تلاوت قرآن کہتے ہیں کہ ہم تو پہلے ہی سے مسلمان ہیں۔"

پس یہ قبل نزول قرآن اسلام لانے والے علیؑ اور اس کی صفت سے متصف اولاد علیؑ ہیں۔ لہٰذا شہید یہی اُمت مسلمہ ہے جس کو حضرت ابراہیمؑ نے مسلمان قرار دیا ہے۔ پس علیؑ بھی مثل رسول ﷺ شہید علی الناس ہیں۔ بعد ازاں دیگر آئمہؑ جو ان صفات سے متصف اور وارث نبوت و امامت ہیں۔

علیؑ رائی اعمال خلق ہے:

خدا نے اپنے حبیب ﷺ کو رویت اعمال میں شریک کیا ہے کہ خدا اور اس کا رسول ﷺ لوگوں کے تمام اعمال کو دیکھتے ہیں۔ پس اسی طرح سے کچھ مومنین خاص کو اسی صفت سے موصوف کیا ہے۔

"فقال قل اعملو افسیری اللہ عملکم و رسولہ والمومنون یستر دون الی عالم الغیب والشہاد ۃ فینبئکم بما کنتم تعملون۔"

(ترجمہ) کہہ دو اے پیغمبر ﷺ کہ عمل کرو جو کچھ تمہارا دل چاہے خدا تمہارے عمل کو دیکھتا ہے اور اس کا رسول ﷺ اور مومنین۔ اور عنقریب تم خداوند عالم الغیب و الشہادت کی طرف جاؤ گے۔ پس وہ تم کو

Marfat.com

تمہارے اعمال سے آگاہ کرے گا۔

یہ رویت اعمال تفسیر شہید علی الناس ہے۔ اور شہید تین ہیں۔ اللہ' رسول اللہ ﷺ اور وصی رسول اللہ ﷺ ۔ پس اَعمال کو دیکھنے والے اور ان پر اَحاطہ رکھنے والے اور ان پر حاضر و ناضر بھی تین ہیں۔ خدا اور رسول خدا ﷺ اور مومنین جو بعد رسول ﷺ شہید علی الناس ہیں۔ اس تفسیر سے یہ بھی واضح تر ہوگیا کہ شہید علی الناس تمام اُمت ِ محمدی ﷺ ہرگز نہیں ہو سکتی جو تمام اعمال الناس پر حاضر و ناضر ہو۔ عام مسلمان کسی ایک شخص کے اعمال ظاہریہ و باطنیہ پر جو شب و روز میں اس سے سرزد ہوتے ہیں اَحاطہ نہیں رکھتے۔ چہ جائیکہ تمام عالم کے لوگوں کے اعمال پر احاطہ رکھتے ہوں۔ پس اعمال عباد کو دیکھنے والے وہ ہی نفوس قدسیہ ہیں جو مظہر خدا اور آئینہ جمال رسول خدا ﷺ ہیں اور اَول ان کا علیؑ بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہے۔ اسی کی تفسیر میں پیغمبر ﷺ نے فرمایا ہے۔

"اے علیؑ! جو میں دیکھتا ہوں وہی تو دیکھتا ہے۔ اور جو کچھ میں سنتا ہوں وہی تو سنتا ہے۔"

علی اذن واعیہ ہے:

اِسی کان کی صفت میں قرآن مجید میں آیا ہے۔

"وتعیھا اذن واعیۃ"

(ترجمہ) اور تمام آوازوں کو حفظ و ضبط رکھتا ہے۔ ایک کان جس کی صفت اذن واعیہ ہے۔

یعنی اس میں اتنی ظرفیت ہے کہ تمام آوازوں کو باتفصیل ضبط و حفظ رکھے۔ یہ کان جس کی ظرفیت ایسی ہے علیؑ بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہی کا کان ہے۔ اس کی تائید اور تفسیر میں تفسیر کبیر ملاحظہ ہو۔

امام ابو اسحاق الثعلبی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ جس وقت یہ آیت نازل

Marfat.com

ہوئی تو رسول خدا ﷺ نے فرمایا۔ "یا علیؑ یہ تمہارا کان ہے۔" حضرت علیؑ فرماتے ہیں۔ "اس وقت سے میں کوئی چیز بھی نہیں بھولتا۔" نیز ثعلبی اور ابوالحسن علی ابن احمد الواحدی نے اسی مضمون کو بریرہ اسلمی سے روایت کیا ہے کہ "تعیھا اذن واعیہ" حضرت علیؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ پس وہ یہ کان ہے جو تمام آوازوں کو بالتفصیل ضبط رکھتا ہے۔ اور کیونکر ایسا نہ ہو وہ اسی خداوند سمیع و بصیر کا مظہر ہے جس پر آوازیں مشتبہ نہیں ہوتیں۔ لاتشتبہ علیہ الاصوات۔

ھا علیؑ بشر کیف بشر
ربہ فیہ تجلی وظھر

الحاصل علیؑ جملہ اوصاف و اِخلاق و آداب و علوم و فنون جمیع کمالات میں شریکِ رسولؐ ہیں۔ اور ان کے تمام صفات کا نمونہ اور ان کے جمال کا آئینہ اسی واسطے فرماتے ہیں۔

"تمام اوصاف و اِخلاق و فضائل و کمالات جن کا ملائکہ نے نبی ﷺ کے لیے اقرار کیا ہے۔ اُنہی کا میرے لیے اقرار کیا ہے اور اُنہی صفات سے مجھے متصف کیا ہے۔ مگر اِسم نبوت کہ وہ مخصوص ہے آنحضرت ﷺ سے اور اُن پر ختم۔"

غرض سوائے منصوصات یعنی اِسم نبوت اباختہ نساء باقی تمام فضائل میں علیؑ شریکِ نبیؐ و مثل نبیؐ ہیں۔ جس طرح کہ ہارونؑ جملہ صفاتِ موسویؑ میں شریک حضرت موسیٰؑ تھے اور اسی واسطے حضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔

"اے علیؑ تو مجھ سے وہ نسبت رکھتا ہے اور اسی درجے میں ہے جس میں ہارونؑ موسیٰؑ کے ساتھ تھے۔"

یعنی اسی طرح سے میری صفات سے متصف میرا وصی اور میرے اَمر میں شریک ہے۔ مگر یہ کہ نبوت مجھ پر ختم ہوگئی ہے۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ اگر

میرے بعد نبی ہوتا تو بھی مثل ہارونؑ نبی کہلاتا۔ چنانچہ جملہ ثقات۔ آئمہ حدیث مسلم و بخاری و ترمذی وغیرہ نے اپنی اَسانیوں سے اپنی اپنی صحاح میں سعد بن وقاص وغیرہ سے نقل کیا کہ جنگ۔ تبوک کے موقع پر آنحضرت ﷺ علیؑ کو اپنے اہل پر نگہبان بنا کر چھوڑ گئے۔ اِس وقت جناب علیؑ نے عرض کیا۔ "آپ مجھے عورتوں بچوں میں چھوڑے جاتے ہیں۔" تب آپ ﷺ نے فرمایا۔

"اما ترضی ان تکون منی بمنزلة ہارون من موسی غیر انه لانبی بعدی"

اسی وجہ سے علیؑ تمام فضائل و کمالات میں روحانیت و نورانیت میں مثل نبی ﷺ ہے۔ خدا نے نفس رسول ﷺ قرار دیا ہے۔

"فقال قل تعالو اندع ابنائنا بکم و نسائنا ونسائکم و انفسنا و انفسکم ثم فبتهل الخ"

(ترجمہ) کہ دوائے پیغمبر ﷺ کہ آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں اور تم اپنے بیٹوں کو اور ہم اپنی نساء کو بلائیں اور تم اپنی نساء کو اور ہم اپنے نفسوں کو بلائیں اور تم اپنے نفسوں کو۔

باتفاق مفسرین "انفسنا" سے مراد جناب امیرؑ ہیں لیکن انفس بصیغۂ جمع آتا اور پھر ضمیر جمع متکلم مع الغیر کی طرف مضاف ہونا ثابت کر رہا ہے کہ یہ سب نفوس قدسیہ ایک دوسرے کا نفس اور نفس واحدہ ہیں۔ اور حسنینؑ اور فاطمہؑ بھی اسی طرح نفس رسول ﷺ ہیں۔ جس طرح علیؑ اور اسی وجہ سے یہ تینوں بزرگوار بھی مثل پیغمبر ﷺ آیۂ تطہیر میں شامل اور حرمت۔ صدقہ میں شریک ہیں۔ اور اسی طرح وہ نفوس جو ان کی صفات سے متصف اور آئینہ جمال محمدی ﷺ ہیں اور جن کی شان میں خود پیغمبر ﷺ نے فرمایا ہے۔

"اے علی تو میرا بھائی میرا وصی میرا وارث (وارث۔ ولائت محمدی

Marfat.com

ﷺ) ہے۔ تیرا گوشت میرے گوشت سے ہے اور تیرا خون میرے خون سے ہے اور تجھ سے صلح مجھ سے صلح ہے اور تجھ سے جنگ مجھ سے جنگ ہے۔ اور ایمان تیرے گوشت پوست میں مخلوط ہے جس طرح میرے گوشت پوست میں مخلوط ہے۔ اور تو ہی کل حوض کوثر پر بھی میرا قائم مقام ہو گا۔ تو میرے قرض کو ادا کرے گا اور میرے وعدے پورے کرے گا۔"

علی مطاع خلق ہے:

اسی اتحاد ذاتی و صفاتی و توارث صفات و اِتصاف باوصاف و تخلق باخلاق نبوی ﷺ کی وجہ سے طاعت ِ علیؑ مثل طاعت ِ پیغمبر ﷺ فرض و واجب کی گئی ہے۔ وقال سبحانہ وتعالیٰ۔

"اطیعوالله و اطیعوالرسول و اولی الا مرمنکم۔"

(یعنی) اطاعت کرو اس کے رسول ﷺ کی اور اُن کی جو بعد رسول ﷺ ولی امور نبوی و متصرف مدبر امور الٰہی ہیں۔ جب تک کہ کوئی شخص وارث ِ صفات ِ نبوی و نمونہ کمالات ِ خاتمی و آئینہ اوصاف ِ محمدی ﷺ نہ ہو۔ اطاعت اِس کی مثل اطاعت ِ پیغمبر ﷺ ہرگز واجب نہیں ہو سکتی۔ پس یہ ولی امر بعد رسول ﷺ وہ ہے جو شریک ِ صفات ِ محمدی و نفس رسول ﷺ ہے۔ اور اُس کی اطاعت ِ بعینہ رسول ﷺ کی اطاعت ہے۔ اور شناخت اولی الامر یہ ہے۔

"تنزل الملئکتة والروح فیها باذن ربهم من کل امر۔"

(ترجمہ) ملائکہ اور روح شب ِ قدر میں ان کے پاس ہر ایک امر الٰہی لے

Marfat.com

کر نازل ہوتے ہیں۔

اور وہ لوگ جن پر تمام امور الٰہی کی وحی ہوتی ہے غیر نبی اور امام کے اور کوئی نہیں ہو سکتا ہے۔ کیونکہ وحی شرط نبوت و اَمامت ہے۔ قال اللہ تبارک و تعالیٰ۔

"وجعلنا ہم ائمة یہدون با مرنا وَ اوحینا الیہم فعل الخیرات و اقام الصلوۃ و ایتاء الذکوۃ وکانو النا عبدین۔"

(ترجمہ) اور ہم نے ان کو اَمام بنایا ہے کہ وہ ہمارے اَمر سے ہدایت کرتے ہیں اور ہمارا اَمر ان پر نازل ہوتا ہے اور ہم نے ان کو ہر فعل خیر اور اقامہ صلوٰۃ اداء زکوٰۃ کی وحی کی ہے۔ بلا ہماری وحی کچھ نہیں کرتے اور وہ ہمارے ہی عبادت گزار ہیں۔

پس صاحبان امر و والیان اَمور و مدبر اَمور سوائے آئمہ معصومین اہل بیتؑ جو وارث صفات نبویؐ ہیں اور کوئی نہیں ہے۔ تصرف اَمری کے سمجھنے کے لیے ملاحظہ ہو آیہ ذیل

"النبی اولی بالمومنین من انفسہم۔"

(ترجمہ) نبی مومنین کی جانوں کا خود ان سے زیادہ مالک اور ان پر متصرف ہے۔

حتیٰ کہ اَمر پیغمبر ہر حال میں واجب الاتباع ہے۔ خواہ عبادت خدا اور نماز ہی میں کیوں نہ ہو۔ جیسا کہ ثابت کیا جا چکا ہے۔ یہ حکم بعد پیغمبر ﷺ اولی الامر کے واسطے ہے۔ اور اولی الامر مثل پیغمبر ﷺ مومنین کی جانوں کا مالک ہے اور اَمر اس کا مثل اَمر پیغمبری ﷺ ہر حال میں واجب الاتباع ہے۔ نماز کو ترک کرے اور حکم نبی و اولی الامر بجالائے۔ یہی معنی اولی الامر کے سمجھنے کے لیے کافی ہے۔ بعد پیغمبر ﷺ اولی الامر نفس رسول ﷺ ہے۔ حکم اس کا مثل حکم پیغمبر ﷺ ۔ نہ کہ حاکم و بادشاہ کیونکہ یہ ہرگز اولی الامر نہیں ہو سکتے۔

Marfat.com

"وما من دابة فی الارض الا علی الله رزقها و یعلم مستقرها و مستودعها کل فی کتاب مبین۔"

(ترجمہ) کوئی متحرک زمین میں نہیں ہے مگر یہ کہ اللہ پر اس کا رزق ہے اور وہ ہر ایک کی قرار گاہ و اقامت گاہ کا علم رکھتا ہے اور سب کچھ کتاب مبین میں ہے۔

فقال رسول الله ﷺ - انا مدینة العلم۔" میں علم کا شہر ہوں۔ وجود نبی ﷺ منبع و معدن علوم و حقائق و معارف ہے۔ اور علیؑ امام مبین ہے کیونکہ جو کچھ شہر علم میں ہے۔ وہی باب علم میں بھی ہے۔ جو کچھ اس کو خدا سے پہنچا ہے وہ علیؑ کو بھی ملا ہے اور علیؑ کو ودیعت کر دیا گیا ہے۔ فقال الله سبحانه و تعالی۔

"منکتب ماقدمو اواثار هم و کل شئی احصینا فی امام مبین۔"

(ترجمہ) جو یہ لوگ کرتے ہیں اور نیز ان کے آثار کو ہم لکھتے جاتے ہیں اور ہر ایک شئے کو ہم نے امام مبین میں جمع کر دیا ہے۔

وجود امام مبین مثل نبی خزانہ علوم و حقائق ہے۔ عمار یاسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ امیرالمومنین، امام الصادقینؑ کے ہمراہ تھا کہ ہم ایک وادی میں گزرے جو چیونٹیوں سے پُر تھی۔ میں نے عرض کیا یا امیرالمومنینؑ کیا کوئی ایسا شخص نظر میں ہے جو ان سب کی تعداد جانتا ہو۔ فرمایا اے عمار! میں ایسے شخص کو جانتا ہوں جو ان کے عدد کو جانتا ہے اور جانتا ہے کہ کتنی نر ہیں اور کتنی مادہ۔ میں نے عرض کیا وہ کون شخص ہے؟ فرمایا کیا تو نے سورۂ یٰسین میں نہیں پڑھا۔

"کل شئی احصینا فی امام مبین۔"

Marfat.com

میں نے عرض کیا کیوں نہیں۔ پڑھا ہے۔ فرمایا وہ امام مبین میں ہوں۔ اور فرمایا مجھے آنحضرت ﷺ نے ہزار باب علم تعلیم دیئے اور ہر باب علم سے ہزار ہزار باب علم اور منکشف ہوئے۔ اور میں علم ما کان و ما یکون جان گیا۔ اور مجھے علم بلایا و منایا و فصل الخطاب عطا ہوا۔ (کما روی عن اصبغ بن نباتہ) پس وہ صاحب کتاب و مبین قرآن ہے۔

"وما انزلنا علیک الکتاب الا لتبین لھم الذی اختلفوا فیہ۔ ھدی ورحمۃ لقوم یومنون۔"

(ترجمہ) نہیں نازل کیا ہم نے تجھ پر کتاب کو مگر اس لیے کہ اے حبیب ﷺ تم ان سے بیان کردو وہ تمام اختلافات جن میں یہ مبتلا ہیں اور یہ اختلاف کا مٹانا اہل ایمان کیلئے ہدایت اور رحمت ہے۔

علی من عندہ علم الکتاب ہے اور علم اس کتاب کا علیؑ کے پاس ہے۔ وقال سبحانہ وتعالیٰ۔

"ویقول الذین کفروا لست مرسلا قل کفی باللہ شھیدا بینی وبینکم ومن عندہ علم الکتاب۔" (سورۂ رعد)

(ترجمہ) کافرین کہتے ہیں کہ تو پیغمبر نہیں ہے۔ اے ہمارے حبیب ﷺ کہہ دو کہ میری رسالت کی شہادت کیلئے میرے اور تمہارے درمیان خدا اور وہ شخص کافی ہے جس کے پاس علم کتاب ہے۔

عبدالحمید بن الدیلم، صادق آل محمد ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ موسیٰؑ نے یوشع کو وصی بنایا اور انہوں نے فرزندان ہارونؑ کو اور موسیٰؑ اور یوشعؑ نے مسیحؑ اور ہمارے نبی ﷺ کی بشارت دی۔ پس جب اللہ تعالیٰ نے مسیحؑ کو مبعوث برسالت کیا تو انہوں نے اپنی اُمت سے فرمایا۔ عنقریب میرے بعد ایک نبی آئے گا۔ جس کا نام احمد ﷺ ہے۔ اور وہ اولاد اسمٰعیل بن

حلیلؑ سے ہے۔ اور وہ میری اور تمہاری تصدیق کرے گا۔ اور وصیت اولاد ہارون ؑ تا مسیح ؑ میں برابر یکے بعد دیگرے جاری رہی اور بعد عیسیٰ ؑ ' حوارین اور مستحفظین میں رہے گی۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کو مستحفظین اس لیے کہا ہے کہ یہ اوصیاء اسم اکبر حفظ رکھتے ہیں اور اس کے محافظ و مستحفظ تھے۔ وہی وہ کتاب ہے جس سے ہر ایک شئے کا علم حاصل ہوتا ہے اور انبیاءؑ و اوصیاء کے پاس تھا۔ اور خدا خبر دیتا ہے۔

"لقد ارسلنا رسلنا من قبل و انزلنا معهم الكتاب والميزان۔"

(ترجمہ) البتہ ہم نے تجھ سے پہلے اپنے رسولوں کو بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب و میزان نازل کی۔

یہاں کتاب سے مراد اسم اکبر ہے اور اس میں ہے کتاب آدم و شیث و ادریس و نوح و ابراہیم و شعیب و موسیٰ علیہم السلام اور میزان سے مراد شرائع انبیاء اور احکام الٰہی ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"ان هذا الصحف الاولى صحف ابراهيم و موسى۔"

(ترجمہ) اور صحف ابراہیمؑ اور صحف موسیٰؑ دونوں اسم اکبر ہیں۔

پھر وصیت برابر جاری رہی یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ تک پہنچی۔ پس جب آپؐ کی نبوت کے ایام پورے ہو گئے تو حکم خدا پہنچا۔

"اجعل الاسم الاكبر و ميراث العلم و آثار علم النبوة عبد علي فاني لم اترك الارض الا وفيها عالم تعرف به طاعتي و تعرف به ولايتي الخ۔"

(ترجمہ) اے ہمارے حبیب ﷺ! اسم اعظم اور میراث علم اور آثار

Marfat.com

علم نبوت کو اَب علیؑ کی سپرد کرو کیونکہ میں زمین کو ایسے عالم سے کبھی خالی نہیں چھوڑتا جس کے ذریعے سے میری اَطاعت و ولایت پہنچائی جائے۔

اِبن مسعود سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "قرآن حرفوں پر نازل ہوا ہے اور اس کا ظاہر ہے اور باطن ہے اور بیشک علیؑ کے پاس علم قرآن ہے۔ ظاہر کا بھی اور باطن کا بھی۔" پس یہ وہ الکتاب ہے جو جامع ہے جمیع کتب سماوی اور علوم انبیاءؑ کا اور یہ اسم اعظم علیؑ کے پاس ہے اور یہ توریت زبور انجیل اور فرقان سب کا مجموعہ ہے۔ اور اس کا عالم سوائے علیؑ ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ باب ِ علم نبی ﷺ اور کوئی نہیں۔ علاوہ اَزیں لفظ شہید دلالت کرتا ہے کہ یہ صفت آئمہ اہل بیت علیہم السلام کی ہے اور علیؑ شہید علی الناس ہے۔ پس یہ شہید جو خدا کے ساتھ نبوت ِ خاتم النبین ﷺ کا شہید ہے وہی ہے جو ہمیشہ سے نبی ﷺ کے ساتھ اور اس کے نور کا ایک جزو ہے۔ وہی اس نبوت کی جس کی حقیقت، حقیقت ہادیہ جامعہ محیط ہے۔ شہادت دے سکتا اور تصدیق کر سکتا ہے۔ جو ایسا ہی احاطہ رکھتا ہو۔ اور یہ علیؑ ہی ہے جو کچھ وجود پیغمبر ﷺ میں ہے وجود علیؑ میں ہے۔ نبی ﷺ کتاب ِ مبین ہے علیؑ اس کا بیان اور امام مبین اور عالم جمیع کتب انبیاء سابقین ہے۔ قارئین کرام اَب علیؑ پر لکھوں تو کہاں تک لکھوں۔ یہ ناچیز اِس قابل نہیں کہ اس ذات ِ باصفاء کے فضائل کا مکمل احاطہ کر سکے۔ بس اس شعر پر اکتفا اور اپنے لیے خیر و برکت مانگتا ہوں۔ ؎

حسیب و حبیب ﷺ کی رضا حاصل علیؑ کے باب سے ہے
کہ دل و دماغ میں دھڑکن روح کی جناب سے ہے

شہادت

ہم نے اپنے پچھلے صفحات پر خیبر اور غدیر کا ذکر کیا۔ اب ہم ایک بار پھر جنگ جمل کی طرف چلیں (جنگ جمل کی تفصیل اگلے باب میں بیان کر دی گئی ہے) کہ جہاں پر معاویہ کی پیدا کی گئی غلط فہمیوں کی بناء پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چہیتی زوجہ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بھڑکایا گیا اور وہ حضرت علیؑ کے مقابلے پر آگئیں۔ لیکن جب حضرت علیؑ کو اللہ نے فتح یاب کیا تو آپ نے نہایت عزت و اِحترام سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو واپس بھیج دیا اور اس کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور جناب علیؑ کے مابین تمام غلط فہمیاں دور ہو گئیں۔ لیکن معاویہ نے حصول اِقتدار کی خاطر تب بھی بیعت نہ کی اور ایک مرتبہ پھر آپ سے جنگ کو نکلا۔ اس وقت میں یہ نہیں دیکھتا کہ علیؑ حق پر تھے یا معاویہ۔ میں تو صرف اِتنا جانتا ہوں کہ علیؑ کو باب العلم کہا گیا ہے تو پھر یہ کیسے تصور کر لیا جائے کہ ولایت کا بادشاہ اور حق کا ولی کوئی غلط تدبیر پیش کر سکتا ہے۔ یا اس کے فیصلے میں جو حکمت پائی جاتی ہے وہ خالص نہیں۔ رسول آخرالزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان کہ میں تمہارے پاس قرآن اور اہل بیتؑ چھوڑے جا رہا ہوں۔ اِن کی اَطاعت کرنا تو پھر خواہ کچھ بھی ہو جائے اَطاعت لازم اور فرض ہو جاتی ہے۔ علیؑ کی ذات تو وہ ذات

Marfat.com

ہے کہ خدا نے اپنے گھر کی دیوار اس کے لیے توڑ دی۔ ازل سے ابد تک کوئی ایسی ہستی علیؑ کے سواء تو لا کر دکھاؤ کہ جس کے لیے خانہ خدا' زچہ خانہ بن گیا ہو اور ساری زندگی اس نے نہ کبھی بت کو پوجا' نہ زبان سے حق کے علاوہ کچھ نکلا تو پھر آخر ہمارے ذہنوں پر یہ مجہل کا پردہ کیوں۔ تم سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو لیکن پھر بھی ایمان سے منحرف ہو۔

میں جانتا ہوں کہ یہ کچھ لکھنے کے بعد میرے سامنے کئی دلائل پیش کیے جائیں گے کہ یوں نہیں یوں ہے۔ لیکن میں تو صرف یہ کہوں گا کہ تم دلیلوں کی بات کرتے ہو تو دلیلیں ہم تم کو تم سے زیادہ دے سکتے ہیں۔ لیکن ہمارا تو اِیمان ہی اِن دلیلوں سے اس دن کا اُٹھ گیا ہے کہ جب حضرت علیؑ کو سازش کا نشانہ بنانے کے لیے عمرو بن عاص نے یہ تدبیر دی تھی کہ شامی فوجیں اپنے نیزوں پر قرآن بلند کر کے فیصلہ کرائیں گی اور قرآن کی آڑ لیتے ہوئے ان لوگوں نے حضرت علیؑ پر (معاذاللہ) منافقت کا فتویٰ لگا دیا تھا اور اس ضمن میں کئی من گھڑت دلائل پیش کیے گئے۔

(وضاحت کیلئے دیکھیں طبری 3330' یعقوبی جلد دوم صفحہ 217' اخبار الطوال صفحہ 168-169)

اگر اس وقت یہ لوگ قرآن کی آڑ میں جھوٹی دلیلیں گھڑ سکتے تھے تو آج کی دلیلوں کو بھی حصول شہرت' دولت و حکومت کے ترازو میں تولا جا سکتا ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ معاویہ نے یہ سب کچھ حدیث رسول ﷺ کی وجہ سے کیا کہ جس میں آپ ﷺ نے فرمایا تھا۔

"اے معاویہ! اگر والی کیا جائے تجھے کسی کام کا یعنی ملک کا پس ڈر اللہ سے اور عدل کر۔"

تو اس بارے میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ ازالۃ الخفاء میں فرماتے ہیں۔

"بہت سے حدیثیں اس مضمون کی کتب حدیث میں موجود ہیں۔ ان تمام سے معاویہ سمجھے کہ مجھے خلافت حقہ حضرت ﷺ کے فرمانے

سے ہونے والی ہے۔ حالانکہ یہ اَمر نہ تھا بلکہ یہ معجزہ حضرت ﷺ کا تھا کہ جو تقدیر الٰہی سے اَمر ہونے والا تھا اور اس کی خبر آپؐ نے ان کو دی نہ کہ آپؐ نے یہ فرمایا کہ تو خلیفہ ہو جیو میرے بعد۔"

چنانچہ دلالت کرتی ہے اس حدیث پر ابو یعلی اور حدیث حاکم کی کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"میں نے خواب میں دیکھا اُولاد حکم کو وہ میرے منبر پر اس طرح کودتے ہیں کہ جیسے بندر۔"

پھر انہی روایات کے مطابق حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس خواب کے بعد کسی نے حضور ﷺ کو ہنستے نہ دیکھا۔ یہاں تک کہ آپؐ کی وفات ہوئی۔ اور اس پر وہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے جو ترمذی' حاکم اور بیہقی نے حضرت اَمام حسنؑ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

"میں نے خواب میں دیکھا کہ بنی اُمیہ میں سے لوگ ایک کے بعد ایک میرے منبر پر خطبہ پڑھتے ہیں۔"

یہ حدیث بیان کرتے ہوئے یہ تینوں راوی مزید بیان کرتے ہیں کہ

"یہ خواب دیکھنے کے بعد حضور ﷺ کو رنج ہوا تو سورۂ کوثر اور سورۂ قدر نازل ہوئی کہ ہم نے تجھ کو کوثر عطا کیا اور تجھ کو لیلتہ القدر کی عبادت عطا کی کہ اس رات کی عبادت بہتر ہے ان ہزار مہینوں سے کہ جب حکومت ہوگی بنوامیہ کی اور ان ہزار مہینوں کے دوران شب قدر نازل نہ ہوگی۔ (ترمذی' حاکم' بیہقی)

قاسم بن فضل کہتے ہیں۔

"جب ہم نے بنی امیہ کی حکومت کا حساب لگایا تو وہ پورے ہزار مہینے تھی نہ کم نہ زیادہ۔" (فردوس آسیہ)

اس کے علاوہ پروفیسر غلام رسول کوکب نے بھی "محاضرات دور عباسیہ" میں

Marfat.com

بھی اس مدت کو تقریباً 90 سال ثابت کیا ہے۔ اور یہ کم و بیش ہزار مہینے بنتے ہیں۔

پس اس بات پر سب متفق ہیں کہ معاویہ سے خطاء اجتہادی ہوئی۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ ہم صرف خطاکار کہنے پر اِکتفا کریں اور ان کے بارے میں مزید کچھ کہنے سے گریز کریں جس طرح کہ بعض اَفراد کرتے ہیں اور کہتے ہیں۔ مسلمان کا کلمہ اللہ اور رسول ﷺ پر ہے اور کافر وہ ہے جو اِس کلمہ میں شک کرے۔ اس کے علاوہ دوسرے معاملات اللہ خود بہتر جاننے والا ہے۔ ہمیں خواہ مخواہ مفت کی مشقت کرنے کی کیا ضرورت ہے کہ جو نفع کی بجائے نقصان دے۔ اگر وہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے اَصحاب کہلاتے ہیں تو ان کے طرز عمل کی بازگشت روز محشر رسول ﷺ کے سپرد ہے نہ کہ ہمارے سپرد۔ جیسا کہ محمد ابن اسماعیل' ابن ابی ملیکہ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اسماء رضی اللہ عنہا بنت عمیس نے رسول خدا ﷺ کو یہ کہتے سنا۔

"میں روز قیامت حوض کوثر پر کھڑا ہوا آنے والوں کا انتظار کرتا ہوں گا۔ پس کچھ لوگوں کو میرے پاس سے علیحدہ کر دیا جائے گا۔ میں کہوں گا یہ میری اُمت ہیں۔ تو بارگاہِ ایزدی سے جواب ملے گا کہ تم نہیں جانتے یہ تو تمہارے دین سے پیچھے کو لوٹ گئے تھے اور مُرتد ہو گئے تھے۔"

اور نعمان ابنی ابی العیاش کہتے ہیں کہ میں نے ابو سعید خدری سے سنا کہ جواب باری تعالیٰ یہ ہو گا۔

"تو نہیں جانتا کہ انہوں نے تیرے بعد دین میں کیا کیا تبدیلیاں کر دیں۔ ہلاک ہوئے' ہلاک ہوئے وہ لوگ جنہوں نے میرے دین کو اور میرے قول کو بدل دیا۔" (صفحہ 1045)

بہرحال جنگِ جمل کے بعد اسلامی خلافت کی نزاع دو شخصیتوں میں محصور ہو گئی تھی۔ حضرت علیؑ ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور معاویہ بن ابی سفیان۔ ان کے درمیان تیسری شخصیت عمرو بن العاص تھی اور اپنے سیاسی تدبر کی وجہ سے غیر

Marfat.com

معمولی اہمیت رکھتی تھی۔ جنگ صفین نے مسلمانوں میں ایک نیا فرقہ خوارج پیدا کر دیا تھا یہ اگرچہ تمام سیاسی اغراض و مقاصد رکھتا تھا۔ لیکن مسلمانوں کے دوسرے سیاسی فرقوں کی طرح اس کے عقائد بھی دینی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ اس نے اپنا سیاسی مذہب قرار دیا تھا۔ اِنَ الحکم اِلَااللہ ٥ یعنی حکومت کسی آدمی کی نہیں ہونی چاہیے۔ دراصل تاریخ اسلام کے خوارج موجودہ تمدن کے آنارکسٹ تھے لہٰذا وہ کوفہ و دمشق دونوں حکومتوں کے خلاف تھے۔

مکہ میں بیٹھ کر خارجیوں نے ایک سازش تیار کی۔ تین آدمیوں نے بیڑہ اُٹھایا کہ پوری تاریخ اسلام بدل دیں گے اور انہوں نے بدل دی۔ عمر بن بکر تمیمی نے کہا میں حاکم مصر عمرو بن العاص کو قتل کروں گا کیونکہ فتنہ کی متحرک روح ہے۔ برک بن عبداللہ تمیمی نے کہا میں معاویہ بن ابی سفیان کو قتل کروں گا کیونکہ اس نے مصر میں قیصریت قائم کی ہے۔ ایک لمحہ کیلئے خاموشی چھا گئی۔ علیؑ ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے نام سے دل تھراتے تھے۔ بالاخر عبدالرحمٰن بن ملجم مرادی نے مہر سکوت توڑی اور کہا میں علیؑ کو قتل کروں گا۔

ان ہولناک مہموں کے لیے 17 رمضان کی تاریخ مقرر کی گئی۔ پہلے دو شخص اپنی مہم میں ناکام رہے لیکن عبدالرحمٰن بن ملجم کامیاب ہوگیا۔ اس اجمال کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

مکہ سے چل کر عبدالرحمٰن کوفہ پہنچا۔ یہاں بھی خوارج کی ایک بڑی تعداد موجود تھی۔ عبدالرحمٰن ان کے ہاں آتا جاتا تھا۔ ایک دن قبیلہ بنوالرباب کے بعض خوارجیوں سے اس کی ملاقات ہوگئی۔ انہی میں ایک خوبصورت عورت قطام بنت شجنہ بن عدی بن عامر بھی تھی۔ عبدالرحمٰن اس پر عاشق ہوگیا۔ سنگدل نازنین نے کہا میرے وَصل کی شرط یہ ہے کہ جو مہر طلب کروں وہ اَدا کرو۔ اِبن ملجم راضی ہوگیا۔ قطام نے اپنا مہر یہ بتلایا۔ تین ہزار درہم' ایک غلام' ایک کنیز اور علیؑ کا قتل!

Marfat.com

عبدالرحمٰن نے کہا منظور ہے۔ مگر علیؑ کو کیونکر قتل کروں۔ خوانخوار معشوقہ نے جواب دیا چھپ کر۔ اگر تو کامیاب ہو کر لوٹ آئے گا تو مخلوق کو شر سے نجات دے گا اور اہل و عیال کے ساتھ مسرت کی زندگی بسر کرے گا اور اگر مارا جائے گا تو جنت اور لازوال نعمت حاصل کرے گا۔ عبدالرحمٰن نے مطمئن ہو کر یہ شعر پڑھے۔

ثلاثة آلاف رعبد و تنية
و ضر علی بالجسام المصم
تلامصر اغلی من علی وان علی
ولانتکے الا دون تکے ابن ملجم

(طبقات ابن سعد' کامل' ابن اثیر وغیرہ)

روایتوں سے ثابت ہے کہ حضرت علیؑ کے قلب میں آنے والے حادثہ کا احساس پیدا ہو گیا تھا۔ عبدالرحمٰن ابن ملجم کی طرف جب دیکھتے تو محسوس کرتے کہ اس کے ہاتھ خون سے رنگین ہونے والے ہیں۔ ابن سعد کی ایک روایت میں ہے کہ آپ فرماتے ہیں۔ خدا کی قسم! مجھے آنحضرت ﷺ نے بتلایا ہے کہ میری موت قتل سے ہوگی۔ ابن سعد کی ایک روایت میں ہے۔ ابن ملجم دو مرتبہ بیعت کے لیے آیا مگر آپ نے لوٹا دیا۔ تیسری مرتبہ فرمایا! سب سے زیادہ بدبخت آدمی کو کون چیز روک رہی ہے۔ واللہ یہ چیز (اپنی داڑھی کی طرف اشارہ کر کے) ضرور رنگ جانے والی ہے۔ کبھی کبھی اپنے ساتھیوں سے خفا ہوتے تو فرماتے تمہارے سب سے زیادہ بدبخت آدمی کو آنے اور میرے قتل کرنے سے کون چیز روک رہی ہے؟ خدایا میں ان سے اُکتا گیا ہوں اور یہ مجھ سے اکتا گئے ہیں۔ مجھے ان سے راحت دے اور انہیں مجھ سے راحت دے۔ مسند امام احمد' مسند علی سے روایت ہے کہ ایک دن آپ نے خطبہ میں فرمایا۔ قسم ہے اس پروردگار کی جس نے بیج اُگایا اور جان پیدا کی۔ یہ ضرور اس سے رنگ جانے والی ہے۔ (اپنی داڑھی اور

Marfat.com

سر کی طرف اشارہ کیا۔)

یہ بدبخت کیوں انتظار کر رہا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا۔ اَمیرالمومنینؑ! ہمیں اس کا نام بتایئے۔ ہم ابھی اس کا فیصلہ کر ڈالیں گے۔ فرمایا۔ تم ایسے آدمی کا قتل کرو گے جس نے ابھی مجھے قتل نہیں کیا ہے۔ لوگوں نے عرض کی کہ پھر ہم پر کسی کو خلیفہ بنا دیجئے۔ فرمایا! نہیں۔ میں تمہیں اِس حال پر چھوڑ جاؤں گا۔ جس حال میں تمہیں رسول ﷺ چھوڑ گئے تھے۔ لوگوں نے کہا اِس صورت میں آپ خدا کو کیا جواب دیں گے۔ فرمایا! کہوں گا۔ خدایا! میں اِن میں تجھے چھوڑ آیا ہوں تو ان کی اصلاح کر دے اور چاہے اُنہیں بگاڑ دے۔

آپ کی کنیز اُم جعفر رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ واقعہ قتل سے چند دن پہلے میں آپ کے ہاتھ دھلا رہی تھی کہ آپ نے سر اُٹھایا پھر داڑھی ہاتھ میں لی اور فرمایا۔ حیف پھر تو خون سے رنگی جائے گی۔ (ابن سعد) آپ کے بعض اصحاب کو بھی اس سازش کا پتہ چل گیا تھا۔ چنانچہ خود بنی مراد میں سے ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کیا۔ امیرالمومنینؑ! ہوشیار رہیے۔ یہاں کچھ لوگ آپ کے قتل کا ارادہ کر رہے ہیں۔ (الامامۃ السیاسیہ) یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ کس قبیلہ میں سازش ہو رہی ہے۔ چنانچہ ایک دن آپ نماز پڑھ رہے تھے۔ ایک شخص نے آکر عرض کی ہوشیار رہیے۔ کیونکہ قبیلہ مراد کے کچھ لوگ آپ کے قتل کی فکر میں ہیں۔ (ابن سعد) یہ بھی واضح کیا گیا تھا کہ کون شخص اِرادہ کر رہا ہے؟ اشعث نے ایک دن اِبن ملجم کو تلوار لگاتے دیکھا اور اس سے کہا مجھے اپنی تلوار دکھاؤ۔ اس نے وہ تلوار دکھائی تو وہ بالکل نئی تھی۔ انہوں نے کہا تلوار لگانے کی کیا وجہ ہے؟ حالانکہ یہ زمانہ جنگ کا تو نہیں۔ عبدالرحمٰن نے کہا میں گاؤں کے اُونٹ ذبح کرنا چاہتا ہوں۔ اشعث سمجھ گئے اور اپنے خچر پر سوار ہو کر حضرت علیؑ کے سامنے حاضر ہوئے اور کہا آپ ابن ملجم کی جرات اِرادہ سے واقف ہیں۔ آپ نے جواب دیا۔ لیکن اس نے مجھے ابھی تک قتل نہیں کیا ہے۔ (الکامل) ابن ملجم کا ارادہ اس قدر مشہور

ہو گیا تھا کہ خود آپ بھی اسے دیکھ کر عمرو بن سعد کا یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

اریـد حبـاہ ویـرمـد قـتـلـی
غـدیـرک مـن خـلـیـک مـن مـراد

ابن ملجم برابر برآت کیا کرتا تھا لیکن ایک دن جھنجھلا کر کہنے لگا جو بات ہو۔ اس پر بعض لوگوں نے کہا آپ اسے پہچان گئے ہیں۔ پھر اسے قتل کیوں نہیں کر ڈالتے۔ فرمایا۔ اپنے قاتل کو کیسے قتل کروں؟

روایات میں لکھا ہے کہ شہادت کی رات کو حضرتؑ مشغول عبادت تھے اور بار بار صحن میں آکر آسمان پر نگاہ کرتے تھے اور بہت مضطرو گریاں تھے۔ اِسی حالت میں سورۂ یٰسین اَول سے آخر تک تلاوت کی اور سو گئے۔ تھوڑی دیر گزری تھی کہ پھر ترساں و خائف خواب سے بیدار ہوئے اور اپنے منہ پر کپڑا ڈال کر کھڑے ہوئے اور عرض کی کہ پروردگار برکت دے مجھ کو اپنی ملاقات میں اور کلمہ لَا حَولَ وَ لَاقُوۃَ وِرد زبان تھا۔ پھر کچھ دیر نماز پڑھتے رہے حتیٰ کہ رات کا بہت سا حصہ گزر گیا اور تعقیب میں بیٹھے تھے کہ پھر نیند آگئی اور پھر مضطربانہ بیدار ہوئے اور اپنی اَزواج و اُولاد کو جمع کیا اور کہا کہ میں اِس مہینے میں تمہارے درمیان سے جاؤں گا۔ میں نے ایک خواب ہولناک دیکھا ہے کہ رسول خداؐ فرماتے ہیں کہ اے ابوالحسنؑ! تو بہت جلد ہمارے پاس آئے گا اور شقی ترین اِس اُمت کا تیری داڑھی تیرے خون سے رنگین کرے گا۔ بالتحقیق کہ ہم کو تیری ملاقات کا بہت شوق ہے پس جلد آ۔

سب اہل و عیال یہ حال پُرملال سن کر بے قرار ہو کر رونے لگے۔ حضرتؑ نے اِن کو خاموش کیا اور کچھ نصیحت کی باتیں کر کے پھر مصروف ہو گئے۔ مگر بار بار باہر تشریف لاتے تھی اور آسمان اور ستاروں کو دیکھ کر فرماتے تھے کہ خدا کی قسم میں جناب رسول اللہ ﷺ سے غلط نہیں سنا۔ یہ وہی رات ہے جس میں مجھ کو وعدۂ شہادت دیا گیا ہے۔ پھر فرمایا! بار خدا مجھ کو موت میں برکت دے اور پھر

Marfat.com

فرمایا! اِنَا لِلہ وَ اِنَا اِلَیہ رَاجِعون وَلَاحَولَ وَلَاقُوۃَ اِلَا بِاللہ العلی العظیم ٥ اور پھر بہت سا درود محمد ﷺ و آل محمد ﷺ پر بھیجا۔

حضرت اُم کلثوم سلام اللہ علیہا فرماتی ہیں کہ میں نے جو یہ قلق و اضطراب اپنے باپ کا دیکھا تو مجھ کو تمام رات نیند نہیں آئی۔ میں نے عرض کیا۔ اے پدر عالی قدر! کیا وجہ ہے کہ آپ اِس قدر بے چین ہیں اور مطلق اِستراحت نہیں فرماتے۔ فرمایا! اے دختر تیرا باپ بڑے بڑے شجاعوں سے لڑا اور بڑے بڑے ہولوں میں مجھ کو ڈالا گیا مگر کبھی مجھ پر ایسا خوف و رعب طاری نہ ہوا جیسا آج کی رات ہے۔ پھر فرمایا! اِنَا لِلہ وَ اِنَا اِلَیہ رَاجِعون ٥ اُم کلثومؑ نے عرض کی اے پدر بزرگوار! آج تمام رات آخر مرگ دیتے رہے۔ فرمایا! اے دختر میری موت قریب پہنچ چکی ہے اور آرزوئیں قطع ہوئیں۔ یہ سن کر کلثومؑ رونے لگیں۔ حضرتؑ نے فرمایا! اب وقتِ اَذان مجھ کو اطلاع کرنا اور پھر مشغول عبادت ہوئے۔ جب وقت اَذان قریب پہنچا تو میں نے پانی حاضر کیا۔ آپ نے تجدید وضو فرمایا اور کپڑے پہن کر متوجہ مسجد ہوئے۔ جب صحن خانہ میں پہنچے تو مرغابیاں سد راہ ہوئیں اور فریاد کرنے لگیں۔ فرمایا! اللہ اکبر چند فریاد کرنے والیاں ہیں کہ بعد میرے نوحہ کرنے والیاں ہوں گی۔ حضرت کلثومؑ نے عرض کیا اے بابا! آپ اپنی زبان سے ایسی باتیں کیوں نکالتے ہیں۔ آپ نے فرمایا! اے دختر یہ خال بد نہیں ہے یہ ایک سخن حق ہے جو میرے زبان سے نکلا ہے۔ میں تم کو اپنے حق کی قسم دیتا ہوں جو کہ تم پر ہے ان جانوروں کو میرے بعد چھوڑ دینا ورنہ ان کے آب و دانہ کی اچھی خبر گیری کرنا یہ بے زبان ہیں۔

پھر کلثومؑ نے عرض کیا بابا جان! آپ مسجد میں تشریف نہ لے جائیں۔ کسی کو حکم دیں کہ وہ نماز پڑھا دے۔ حضرتؑ نے فرمایا! اے دختر قضائے الٰہی سے بھاگا نہیں جاتا۔ جب مکان کے دروازے کے نزدیک پہنچے تو کنڈی میں کمر کا پٹکا اُلجھا اور

Marfat.com

کھل کر زمین پر گر پڑا۔ آپ نے اُٹھا کر باندھا اور یہ شعر پڑھا۔

اشد و ظہر کے للموت فان الموت واقع
لاتخف من الموت اذا جل ایتک

(یعنی) "اپنی کمر کو مرگ کیلئے مضبوط باندھ بالتحقیق کہ موت تجھ سے ملاقات کرنے والی ہے اور موت سے جبکہ وہ تیرے پاس آئے گی مت گھبرانا۔"

پھر دروازہ کھولکر باہر تشریف لے گئے۔ جب مسجد میں داخل ہوئے تو مسجد کی قندیلیں خاموش ہوگئی تھیں' تاریکی ہوگئی تھی۔ حضرتؑ نے چند رکعت نماز ادا کی اور کچھ دیر منقبت پڑھتے رہے' پھر دو رکعت نماز پڑھ کر بام مسجد پر تشریف لے گئے اور اَذان کہی۔ کوئی گھر کوفہ میں ایسا نہ تھا کہ جہاں صدائے اَذان حضرتؑ کی نہ پہنچی ہو۔

اِقدام قتل جمعہ کے دن نماز فجر کے وقت ہوا۔ رات بھر ابن ملجم' اشعث بن قیس کندی کی مسجد میں اس کے ساتھ باتیں کرتا رہا۔ اس نے کوفہ میں شبیب بن بجرہ نامی ایک اور خارجی کو اپنا شریکِ کار بنالیا۔ (ابن سعد) ایک اور روایت کے مطابق ابن ملجم اس روز تمام رات جاگتا رہا کہ اتنے میں قطامہ نے اس سے کہا کہ جو شخص ایسا عظیم ارادہ رکھتا ہو۔ اس پر خواب حرام ہے۔ اُٹھ اور جاکر علیؑ کو قتل کر اور مجھ سے مُراد حاصل کر۔ اِس ملعون نے کہا میں خوب جانتا ہوں کہ علیؑ کو قتل کر کے مُراد کو نہ پہنچوں گا۔ اتنے میں آواز اَذان اس کے کان میں آئی۔ قطامہ نے کہا جلدی کر فرصت ہاتھ سے جاتی ہے۔ پس وہ اور اس کے رفیق مسجد میں جاکر چھپ رہے۔ کامل کی ایک روایت جو کہ حضرت حسنؑ سے مروی ہے کہ اس رات حضرت امیرالمومنینؑ کو نیند نہیں آئی۔ حضرت حسنؑ سحر کے وقت حاضر ہوئے تو فرمایا! فرزند رات بھر جاگتا رہا ہوں ذرا دیر ہوئی بیٹھے بیٹھے آنکھ لگ گئی تھی۔ خواب میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ کی اُمت سے میں نے بڑی تکلیف پائی۔ فرمایا! دعا کر خدا تجھے اِن سے

Marfat.com

چھٹکارا دے دے۔ اس پر میں نے دعا کی۔ خدایا! مجھے ان سے بہتر رفیق عطا فرما اور انہیں مجھ سے بدتر ساتھی دے۔ حضرت حسنؑ فرماتے ہیں اسی وقت ابن النباح موذن بھی حاضر ہوا اور پکارا لوگو! (نماز) میں نے آپ کا ہاتھ تھام لیا۔ آپ اُٹھے اور ابن النباح آگے تھے میں پیچھے تھا۔ دروازے سے باہر نکل کر آپ نے پکارا لوگو نماز۔ روز آپ کا یہی دستور تھا کہ لوگوں کو نماز کے لیے مسجد میں آنے کے لیے جگاتے پھرتے تھے۔ (ابن سعد)

حضرت امیرالمومنین علیہ السلام اَذان سے فارغ ہو کر تسبیح و تقدیس خدا اور درود آل محمد ﷺ کہتے ہوئے نیچے آئے اور جو لوگ صحن میں مسجد میں سوتے تھے ان کو بیدار کرنے لگے۔ ابن ملجم کے پاس آئے تو دیکھا کہ وہ اُوندھا پڑا ہے۔ فرمایا! اُٹھ کر نماز پڑھ اور اس طرح نہ سو کہ یہ خوابِ شیطانی ہے بلکہ داہنی کروٹ پر سو کہ یہ مومنوں کا خواب ہے اور پشت پر لیٹنا خوابِ پیغمبراںؑ ہے۔ اور جو تو نے قصد کیا ہے قریب ہے کہ آسماں اِس سے پھٹ جائے اور زمین شق ہو جائے اور اگر چاہوں تو بتا سکتا ہوں کہ کیا چیز تیرے جامے میں پوشیدہ ہے۔ پھر محراب میں جاکر مشغول نماز ہوئے اور رکوع و سجود کو حسبِ عادت طول دیا۔

ابن ملجم فوراً اس ستون کے نزدیک جہاں حضرتؑ نماز پڑھتے تھے جاکر کھڑا ہوا اور جب آپ نے سجدہ سے سر اُٹھایا تو دو تلواریں چمکتی نظر آئیں اور ایک آواز بلند ہوئی۔ حکومت خدا کی ہے نہ کہ علیؑ تیری! شبیب کی ضرب کاری نہ تھی لیکن ابن ملجم کی تلوار آپ کی پیشانی پر لگی اور دماغ تک اُتر گئی۔ (ابن سعد) یہ ضرب اِس شقی نے اس مقام پر لگائی جہاں عمرو بن عبدود نے جنگ خندق میں ضرب لگائی تھی۔ پس فرق مبارک تابہ پیشانی نورانی شگافتہ ہوگیا۔ زخم کھاتے ہی آپ چلائے۔ بِسم اللہ وَ باللہ وَ علی ملتہ رَسُولَ اللہ فزت بِرب الکعبہ ٥ رب کی قسم میں کامیاب ہوگیا۔ (ابن سعد) نیز پکارے قاتل جانے نہ پائے۔ اہل مسجد نے جو صدا جنابؑ کی سنی تو محرابِ کعبہ کی طرف

دوڑے۔ شبیب تو نکل بھاگا۔ عبدالرحمٰن نے تلوار گھمانا شروع کردی اور مجمع کو چیرتا ہوا آگے بڑھا۔ قریب تھا کہ ہاتھ سے نکل جائے لیکن مغیرہ بن نوفل بن حارث بن عبدالمطلب جو اپنے وقت کے پہلوان تھے دوڑے اور بھاری کپڑا اس پر ڈال دیا اور زمین پر دے مارا۔ چونکہ تلوار کو زہر میں بجھایا تھا اس لیے فوراً سر اور تمام بدن میں سرایت کر گیا۔ لوگوں نے دیکھا کہ حضرتؑ محراب میں پڑے ہیں اور خاک اُٹھا کر زخم پر ڈالتے ہیں اور یہ تلاوت فرماتے ہیں۔ منها خلقنا کم و منها نعید کم و منها نخرجکم تارةً اُخری ٥ (یعنی) ہم نے تم کو اس زمین سے پیدا کیا اور اسی کی طرف پھیریں گے اور پھر اس سے دوبارہ تم کو نکالیں گے۔

پس شور ملائکہ آسمان سے بلند ہوا اور سیاہ آندھی چلی۔ جبرائیلؑ نے زمین و آسمان کے درمیان سے ندا دی۔ بخدا ارکان دین کے سوگند مسمار و خراب ہوئے اور ہائے علم نبوت ﷺ کے ستارہ تاریک ہوئے۔ مٹ گئے نشان پرہیزگاری کے، مارا گیا پسر عم مصطفیٰ ﷺ اور برگزیدہ مجتبیٰ۔ اور نجس اور بدبخت ترین اشقیا کے ہاتھ سے سید اُولیاء علی مرتضیٰؑ شہید ہوا۔ اُم کلثومؑ نے یہ آواز سنی تو اپنے منہ پر طمانچے مارے۔ حسنینؑ روتے ہوئے مسجد کی طرف دوڑے۔ وہاں دیکھا کہ آدمی نوحہ و فریاد کرتے ہیں۔ شہزادوںؑ نے یہ صدا بلند کی کہ کاش ہم کو موت آتی اور یہ روز بد نہ دیکھتے۔ حضرت امام حسن علیہ السلام نے اپنے باپ کا سر مبارک اپنی آغوش میں رکھا اور کہا اے بابا! تم نے ہماری پشت توڑ دی۔ ہم آپ کو اس حال میں کیونکر دیکھیں۔ جناب امیرؑ نے آنکھیں کھولیں اور فرمایا! اے فرزند! تیرے جد بزرگوار محمد مصطفیٰ ﷺ اور جدہ خدیجۃ رضی اللہ عنہا الکبریٰ رضی اللہ عنہا اور تیری ماں فاطمہؑ زہرا اور حوران جنت تیرے باپ کے پاس کھڑی ہیں اور انتظار کر رہی ہیں۔ اے فرزند خاموش رہو کہ تیرے رونے سے ملائکہ آسمان روتے ہیں۔ ناگاہ ایک صدا در مسجد سے بلند ہوئی۔ دیکھا کہ لوگ ابن ملجم ملعون کو مشکیں

Marfat.com

باندھے لیے چلے آتے ہیں اور اس کے منہ پر تھوک کر کہتے ہیں کہ اے دشمن خدا تو نے یہ کیا ظلم کیا کہ سردار اُمت محمد ﷺ کو ہلاک اور بہترین مردم کو شہید کیا۔ وہ ملعون چپ کھڑا تھا۔ حضرت اَمام حسنؑ نے اس ملعون کو دیکھا تو فرمایا۔ اے ملعون! تو نے امیرالمومنینؑ کو شہید کیا۔ آیا یہی تھا پاداش اِحسانوں کا جو آنحضرت ﷺ نے تیرے ساتھ کیے۔

امیرالمومنینؑ گھر پہنچائے گے۔ آپ نے قاتل کو طلب کیا۔ جب وہ سامنے آیا تو فرمایا! اُو دشمن خدا! کیا میں نے تجھ پر احسان نہیں کیے تھے؟ اس نے کہا۔ ہاں۔ پھر تو نے یہ حرکت کیوں کی؟ کہنے لگا میں نے اسے (تلوار) چالیس دن تیز کیا تھا اور خدا سے دعا کی تھی کہ اس سے اپنی بدترین مخلوق قتل کرائے۔ تو آپ نے فرمایا میں سمجھتا ہوں تو اسی سے قتل کیا جائے گا اور خیال کرتا ہوں کہ تو ہی خدا کی بدترین مخلوق ہے (وہی ہوا کہ اس معلون کو بعد میں اسی کی تلوار سے قتل کیا گیا اور اس طرح بقول جناب۔ علیؑ اس دنیا کی بدترین مخلوق کا خاتمہ ہوا۔) (ابن سعد)

آپ کی صاحبزادی اُم کلثومؑ نے پکار کر کہا اُو دشمن خدا تو نے امیرالمومنینؑ کو قتل کر ڈالا۔ کہنے لگا میں نے اَمیرالمومنین کو قتل نہیں کیا۔ البتہ تیرے باپ کو قتل کیا ہے۔ انہوں نے خفا ہو کر کہا۔ واللہ میں امید کرتی ہوں کہ امیرالمومنینؑ کا بال بیکا نہ ہو گا۔ کہنے لگا۔ پھر کیوں ٹسوے بہاتی ہو۔ پھر بولا بخدا! میں نے مہینہ بھر اس (تلوار) کو زہر پلایا ہے۔ اگر اَب بھی یہ بیوفائی کرے تو خدا اسے غارت کرے۔ (ابن سعد) ابن سعد ہی کی روایت ہے کہ امیرالمومنینؑ نے حضرت حسنؑ سے کہا یہ قیدی ہے اس کی خاطر تواضع کرو' اچھا کھانا دو' نرم بچھونا دو' اگر زندہ رہوں گا تو اپنے خون کا سب سے زیادہ دعویدار میں ہوں گا۔ قصاص لوں گا یا معاف کروں گا۔ اگر مارا جاؤں تو اسے بھی میرے پیچھے روانہ کر دینا۔ رب العالمین کے حضور اس سے جواب طلب کروں گا۔

طبری کی روایت ہے کہ جناب۔ امیرؑ نے فرمایا! اے بنی عبدالمطلب ایسا نہ ہو

Marfat.com

کہ مسلمانوں کی خون ریزی شروع کر دو۔ اور کہو کہ امیرالمومنینؑ قتل ہو گئے۔ خبردار میرے قاتل کے سوا کوئی دوسرا قتل نہ کیا جائے۔ اے حسنؑ! اگر میں اس کی ضرب سے مر جاؤں تو ایسی ہی ضرب سے اسے بھی مارنا اس کے ناک کان کاٹ کر لاش خراب نہ کرنا۔ کیونکہ میں نے نبی ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ خبردار ناک کان نہ کاٹو۔ اگرچہ وہ کتا ہی کیوں نہ ہو۔ ایک اور روایت میں ہے کہ فرمایا! اگر تم قصاص لینے ہی پر اِصرار کرو تو چاہیے کہ اسے اسی طرح ایک ضرب سے مارو۔ جس طرح اس نے مجھے مارا ہے۔ لیکن اگر معاف کر دو تو یہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے۔ دیکھو زیادتی نہ کرنا۔ کیونکہ خدا زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا (ابن سعد)

پھر آپ بے ہوش ہو گئے۔ جب ہوش میں آئے تو جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے حاضر ہو کر کہا خدانخواستہ اگر ہم نے آپ کو کھو دیا تو کیا حسنؑ کے ہاتھ پر بیعت کریں؟ آپ نے جواب دیا میں تمہیں اس کا حکم نہ دوں گا نہ اس سے منع کرتا ہوں۔ اپنی مصلحت تم بہتر سمجھتے ہو۔ (طبری)

پھر اپنے صاحبزادوں حسنؑ اور حسینؑ کو بلا کر فرمایا۔ میں تم دونوں کو تقویٰ الٰہی کی وصیت کرتا ہوں اور اس کی کہ دنیا کا پیچھا نہ کرنا اگرچہ وہ تمہارا پیچھا کرے۔ جو چیز تم سے دور ہو جائے اس پر نہ کڑھنا' ہمیشہ حق کرنا' یتیم پر رحم کھانا' بے کس کی مدد کرنا' آخرت کے لیے عمل کرنا' ظلم کے دشمن بننا' مظلوم کے حامی بننا' کتاب اللہ پر چلنا' خدا کے باب میں ملامت کرنے والوں کی ملامت کی پرواہ نہ کرنا' پھر آپ نے تیسرے صاحبزادے محمد بن الحنیفہ رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھا اور کہا جو نصیحت میں نے تیرے بھائیوں کو کی تو نے حفظ کر لی؟ انہوں نے عرض کیا۔ جی ہاں۔ فرمایا میں تجھے بھی یہی وصیت کرتا ہوں نیز وصیت کرتا ہوں کہ اپنے دونوں بھائیوں کے عظیم حق کا خیال رکھنا اور ان کی اطاعت کرنا' بغیر ان کی رائے کے کام نہ کرنا۔ پھر اَمام حسن و حسین علیہما السلام سے فرمایا۔ میں تمہیں اس کے بارے میں وصیت کرتا ہوں کیونکہ یہ تمہارا بھائی ہے۔ تمہارے باپ کا بیٹا اور تم جانتے ہو کہ تمہارا باپ اس

Marfat.com

سے محبت کرتا ہے۔ پھر امام حسنؑ سے فرمایا! فرزند میں تمہیں وصیت کرتا ہوں خوف۔ خدا کی‘ اپنے اُوقات میں نماز قائم کرنے کی‘ معیار پر زکوٰۃ ادا کرنے کی‘ ٹھیک وضو کرنے کی‘ کیونکہ نماز بغیر طہارت ممکن نہیں اور مانع زکوٰۃ کی نماز قبول نہیں۔ نیز وصیت کرتا ہوں خطائیں معاف کرنے کی‘ دین میں عقل و دانش کی‘ ہر معاملہ میں تحقیق کی‘ قرآن سے مزاولت کی‘ پڑوسی سے حسن سلوک کی‘ امربالمعروف و نہی عن المنکر کی‘ فواحش سے اجتناب کی۔ (طبری جلد6)

پھر اپنی تمام اُولاد کو مخاطب کر کے کہا خدا سے ڈرتے رہو‘ اس کی اطاعت کرو‘ جو تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے اس کا غم نہ کرو‘ اس کی عبادت پر کمربستہ رہو‘ چست و چالاک بنو‘ سست نہ بنو‘ ذلت قبول نہ کرو‘ خدایا ہم سب کو ہدایت پر جمع کر دے‘ ہمیں اور انہیں دنیا سے بے رغبت کردے‘ ہمارے اور ان کے لیے آخرت‘ اَول سے بہتر کردے۔ (الامامۃ السیاسۃ)

پھر آپ نے حضرت امام حسنؑ کو بلا کر کچھ خاص وصیت کی۔ جس کا کچھ حصہ پچھلے صفحات پر بیان کر چکا ہوں۔ اس کے بعد لَااِلٰہ اِلَّا اللہ مُحَمَّد رَسُولَ اللہ کہا اور ہمیشہ کے لیے آنکھیں بند کرلیں آپ کو زخم بتاریخ 17 رمضان کو آیا اور وصال 21 رمضان سن 40 ہجری کو ہوا۔

ایک روایت کے مطابق اَمیرالمومنینؑ کے انتقال والے دن بیت المقدس کے اردگرد جو بھی پتھر تھا اس سے خون بہہ رہا تھا۔ قریش کے نسب نامہ میں جو کتاب ابوالحسن نے نقل کی ہے۔ اِس میں زہری کی زبانی تحریر ہے کہ میں بیت المقدس سے آ رہا تھا۔ اور عبدالمالک بن مروان نے مجھ سے دریافت کیا اَے زہری! جس روز علیؑ بن ابی طالب قتل ہوئے۔ اِس روز کون سی علامت پائی جاتی تھی۔ میں نے کہا کہ لوگوں نے اس روز صبح کے وقت بیت المقدس کے جس پتھر کو بھی اُٹھایا اِس کے نیچے سے تازہ خون بہہ رہا تھا۔ عبدالمالک نے کہا اے زہری! ہم بھی اس علم سے بے بہرہ نہیں ہیں۔

Marfat.com

(کتاب عیون المعجزات' ترجمہ مولانا شریف ملتانی' صفحہ 67-68)

روایت ہے کہ جناب علیؑ نے اپنے فرزندوں کو نصیحت فرمائی تھی کہ میرے فرزندو تم جنازہ کو پاؤں کی طرف اُٹھانا' سر کی طرف سے وہ خود بخود اُٹھے گا۔ یعنی جبرائیلؑ و میکائیلؑ آگے سے اُٹھائیں گے اور غسل کے بارے میں بھی اسی طرح فرمایا کہ جبرائیلؑ و میکائیلؑ غسل میں شامل ہوں گے۔ جس کنوئیں سے آپ کے غسل کے لیے پانی لیا گیا وہ آج کل بیتِ علیؑ کے نام سے مشہور ہے اور چشم کے بیماروں کے لیے شفا کا باعث بنتا ہے۔ روایت میں ہے کہ جب آپ کا جنازہ رات کے وقت مسجد حنانہ کے سامنے سے گزرا تو اس کے میناروں نے جھک کر علیؑ کے حضور سلام پیش کیا اور اس مسجد میں بعد میں آپ کے فرزند جنابِ حسینؑ کا کٹا ہوا سر مبارک بھی رکھا گیا تھا۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جس رات مجھے معراج ہوئی اور میرا گزر آسمان پر ہوا۔ تو میں نے آسمان پر ایک فرشتہ کو دیکھا جس کے سامنے لوح رکھی ہوئی تھی۔ اور وہ اس کو دیکھنے میں محو تھا۔ میں نے اسی وقت حضرت جبرائیلؑ سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ انہوں نے بتلایا کہ یہ فرشتہ عزرائیلؑ ہے جو لوگوں کی اَرواح قبض کرتا ہے۔ پس میں نے آگے بڑھ کر حضرت عزرائیلؑ کو سلام کیا۔ اس نے کہا وعلیکم السلام۔ اور میری طرف دیکھنے کے بعد پوچھا اے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! آپ کے برادر علیؑ کا کیا حال ہے؟ میں نے عزرائیلؑ سے پوچھا کہ کیا تم علیؑ کو جانتے ہو؟ عزرائیل نے جواب دیا بیشک اللہ تعالیٰ کی طرف سے میں ہر نفس کی روح قبض کرنے پر مامور ہوں۔ آپؐ اور حضرت علیؑ کی روح قبض کرنے کے سلسلے میں مجھے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ آپ دونوں میں سے کسی ایک کی روح اس وقت تک قبض نہ کروں جب تک کہ آپ خود رضامند نہ ہوں۔ (کتاب حضرت علیؑ کے فیصلے' صفحہ 142' 143)

ایک اور روایت میں ملتا ہے کہ معراج کی رات جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد کوفہ

Marfat.com

سے گزرے تو جبرائیلؑ سے دریافت کیا یہ کون سا مقام ہے؟ اُنہوں نے اِس مسجد کی تفصیل سے آگاہ کیا اور کہا کہ یہیں پر آپؐ کے دنیا و آخرت کے بھائی، فاطمہؑ کے خاوند اور حسنینؑ کے پدر بزرگوار کو قتل کیا جائے گا۔ تو حضور ﷺ غم سے نڈھال ہوئے اور وہاں نماز پڑھنے کے لیے اللہ سے اِجازت چاہی۔ آج کل اِس مقام کو "وقفِ مسجد" کہا جاتا ہے۔

بہرحال دعا ہے کہ خدائے عزوجل ہمیں ایمان علیؑ پر ثابت قدم فرمائے اور حدیث کے مطابق اپنی محافل کو اسم علیؑ سے مزین و معطر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین یا رب العالمین)

Marfat.com

خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہ کے گھرانہ علیؑ سے تعلقات

قارئین کرام! میں اب آپ کی توجہ ایک ایسے امر کی جانب مبذول کروانا چاہوں گا کہ جو ہمارے معاشرے کے اُوپر کچھ اس طرح سے اثر انداز ہے کہ گویا زندگی کا ہر پہلو اس کی لپیٹ میں آچکا ہے۔ میری مراد ان مذہبی تفرقات سے ہے کہ جو اس قدر اِنتہاء پر ہمارے درمیان موجود ہیں کہ ان کی کشیدہ حالت کا مقابلہ ہم محاذ جنگ پر پاک بھارت بارڈر سے بھی نہیں کر سکتے ہیں۔ اِن مذہبی تفرقات کی بنیاد صرف غلط فہمی پر مبنی ہے۔ انسان اپنے معاشرتی حیوان کی صفات کو کچھ اس طرح سے اُبھار کر اپنی زندگی پر لاگو کر لیتا ہے کہ اسے مذہبی' سیاسی' اقتصادی' معاشرتی تمام پہلوؤں میں صرف اپنے ذاتی مفادات ہی نظر آتے ہیں۔ خاص طور پر میں اُن لوگوں کو مجرم کے کٹہرے میں کھڑا کروں گا کہ جو یہ جانتے ہوئے کہ ہمارے معاشرے کی دکھتی رگ لوگوں کے اعتقاد ہیں۔ وہ ان کا اِس بری طرح سے استحصال کرتے ہیں کہ ان کی ذاتی نمائش ہو' وہ دنیا کی نظر میں آجائیں اور اپنی حیثیت کو خواہ وہ منفی اثر رکھتی ہو یا مثبت منوالیں۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کا تعلق یا تو ان طاغوتی قوتوں سے ہوتا ہے کہ جو ہمارے بھولے بھالے افراد کی کمزوریوں کو جانچ کر اُن کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں یا پھر اس سوسائٹی سے ہے کہ

Marfat.com

جہاں پر وہ دو چار آنے کی کتابیں پڑھ کر پہلے تو اپنے آپ کو عالم ظاہر کرتے ہیں اور پھر سڑک کے کنارے بیٹھ کر مکتب کے لیے چندہ اکٹھا کرتے ہیں اور پھر وہ مکتب کہ جس کو انہوں نے دین کی روشنی کو آگے پھیلانے کے لیے بنایا ہوتا ہے وہاں پر معصوم بچوں کے ذہنوں میں تفرقات کی تاریکی کو بھر دیا جاتا ہے اور اس طرح ملک کی بنیادوں کو کھوکھلا کیا جاتا ہے۔

اللہ اور رسول ﷺ کے نام کے پس پردہ اُن مذہبی تفرقات کو اُبھارنے کیلئے کی جانے والی اِس خون ریزی کو یہ جہاد کا نام دیتے ہیں۔ پھر آہستہ آہستہ یہ تفرقات اس قدر مضبوط ہو جاتے ہیں کہ ہم ایک اسلامی مملکت میں بسنے والے ایک اللہ اور رسول ﷺ کو ماننے والے ایک دوسرے سے کاروباری' اقتصادی' معاشرتی' سیاسی تعلقات منقطع کر لیتے ہیں جو کہ مملکتِ اسلامیہ کی اَفرادی قوت کو تباہ کر دیتی ہے۔ ان تفرقات کا سب سے برا اثر ان غیر مسلموں پر پڑ رہا ہے کہ جب ان کو مختلف ذرائع سے اِسلام کی عظمت کا احساس ہوتا ہے تو وہ اس کی طرف رغبت کرتے ہیں۔ لیکن جب وہ ملتِ اسلامیہ کے ان تاریک پہلوؤں پر نظرثانی کرتے ہیں تو ان کا وہ پاک جذبۂ اِیمان کہ جس کو لے کر وہ اپنے آپ کو ایک پاک راستے پر ڈالنے کیلئے آتے ہیں وہ ڈگمگا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ یہ فیصلہ ہی نہیں کر پاتے کہ ان کیلئے کون سا فرقہ سچا ہے اور کون سا جھوٹا اور یہ ان کے دلوں کو اسلام سے متنفر کر دیتی ہے۔ کہ جس کو وہ ایک آسان دین سمجھ کر آئے تھے وہ تو بڑا کٹھن نکلا۔

قارئین کرام! خود ہماری آنے والی نسل بھی ان تاریک پہلوؤں سے برا اثر لے رہی ہے اور وہ اپنے دین سے متنفر ہو کر غیروں کے دین کو اپنا مقصد حیات بنانے لگی ہے۔ ہماری قوم کا سب سے بڑا اَلمیہ یہی ہے کہ ان فتوؤں کی وجہ سے ہم خود بھی اس فکر اور کشمکش میں مبتلا ہو گئے ہیں کہ کیا واقعی ہم سچے مسلمان بھی ہیں یا نہیں۔ کیونکہ ہمارا تو کام ہی یہی ہے کہ جہاں ہلکی سی نوک جھونک ہوئی وہاں ایک دوسرے پر کافر ہونے کا فتویٰ لگا دیا اور ایک سیکنڈ بھی نہیں لگتا کہ ایک مسلمان کو

Marfat.com

کافر بنا دیتے ہیں۔ یہ فتویٰ لگانے والے وہ ہوتے ہیں کہ جن کو ابھی خود بھی پورا نہیں پتہ کہ آیا خود بھی مسلمان ہیں یا نہیں اور جہاں تک ایسے نام نہاد علماء کی فصاحت۔ علم کا تعلق ہے تو اس کے متعلق میں آپ کو اپنے ساتھ پیش آنے والا ایک واقعہ سناتا ہوں۔ آپ اس کو سن کر ہنسیں گے بھی اور ان مولوی صاحبان کے علم پر افسوس بھی ظاہر کریں گے۔ واقعہ کچھ اس طرح ہے کہ دو سال قبل میں اپنے ایک دوست سے ملاقات کی غرض سے سیالکوٹ گیا۔ جمعہ کا دن تھا اور نماز کا وقت ہوا چاہتا تھا۔ چنانچہ میرا میزبان اور میں ایک قریبی مسجد میں ادائیگی نماز جمعہ کی خاطر گئے۔ مولوی صاحب معراج شریف کا واقعہ بیان فرما رہے تھے اور کیا ہی خوبصورت انداز میں بیان فرما رہے تھے کہ مجھے ان کی سوچ پر رشک آرہا تھا۔ مُلاں صاحب واقعہ معراج بیان کرتے ہوئے فرمارہے تھے کہ جب حضور ﷺ سدرہ پر پہنچے تو کچھ خاموش تھے اور جب اللہ نے اپنے محبوب کو یوں خاموش دیکھا تو حضور ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"چپ چپ بیٹھے ہو ضرور کوئی بات ہے
پہلی ملاقات ہے بھئی پہلی ملاقات ہے"

یعنی کہ ملاں صاحب نے ایک گانے کے مصرعے کو ارشاد باری تعالیٰ کے ساتھ منسلک کر دیا اور حاضرین محفل کی حالت یہ تھی کہ وہ یہ سن کر سبحان اللہ سبحان اللہ پڑھے جا رہے تھے۔ اَب میں اکیلا وہاں پر کیا کر سکتا تھا کیونکہ میں ہی اِن سب کے درمیان اپنے آپ کو بے وقوف سمجھنے لگا تھا۔ بہر حال میں نے اپنے دوست کا ہاتھ پکڑا اور اُسے لے کر ایک دوسری مسجد میں چلا گیا کہ جہاں کا ماحول قدرے بہتر تھا اور اس طرح سے میں نے نماز جمعہ ادا کی۔

اِس طرح کا ایک اور واقعہ مجھے فیصل آباد میں بھی دیکھنے اور سننے کو ملا میں اپنے عزیزوں سے ملنے کی غرض سے وہاں گیا ہوا تھا اور اتفاقاً جمعہ کا دن تھا۔ میں نماز کی غرض سے جب مسجد میں جا کر بیٹھ گیا۔ تو مُلاں صاحب کچھ بیان فرما رہے

Marfat.com

تھے۔ لیکن حاضرین ان کی تقریر کو کچھ دلچسپی سے سن نہیں رہے تھے۔ جب مُلاں صاحب نے صورتحال دیکھی تو فوراً ہی وہاں بیٹھے بیٹھے ایک واقعہ گھڑ لیا کہ "ایک دفعہ اللہ کا بندہ جنگل سے گزر رہا تھا جب وہ کچھ فاصلے تک جنگل میں جا چکا تو اس کو وہاں پر ایک ڈبیہ زمین پر پڑی ملی۔ وہ اس ڈبیہ کو اُٹھا کر چل دیا۔ جب کچھ آگے گیا تو اُس نے وہ ڈبیہ کھول کر دیکھی تو اس میں سے ایک اور ڈبیہ نکلی وہ اس ڈبیہ کو لے کر پھر آگے چل پڑا۔ جب وہ کچھ فاصلہ طے کر گیا تو اُس نے پھر سے وہ دوسری ڈبیہ کھولی تو اس میں سے ایک اور ڈبیہ نکلی۔ غرض کہ جب تقریباً بیس ڈبیاں ایک دوسرے کے اَندر سے مولوی صاحب زبردستی نکلوا چکے تو بولے جب اُس آدمی نے آخری ڈبیہ کھولی تو اس میں سے آواز آئی۔ "اللہ اکبر" پھر مُلاں صاحب حاضرین محفل سے مخاطب ہو کر بولے کہ اگر ایک ڈبیہ سے نعرۂ تکبیر بلند ہو سکتا ہے تو آپ لوگ کیوں نہیں یہ نعرہ لگاتے۔ چنانچہ تمام حاضرین نے یہ من گھڑت واقع سن کر نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ جس سے مُلاں صاحب کو کچھ تسلی ہوئی۔" کہنا فقط اتنا ہے کہ اگر ہمارے مکتبوں میں علماء کا حال یہی رہا تو پھر تفرقے بازی تو بڑھے ہی بڑھے۔

حضور نبی کریم ﷺ کی ایک حدیث ہے کہ جس میں انہوں نے ایک فرقے کے جنتی ہونے کی خبر دی ہے اِس کو ہر فرقہ اپنے ساتھ منسوب کرتا پھرتا ہے۔ حالانکہ حضرت مجدد الف ثانیؒ مکتوب نمبر 450 میں اس حدیث کی تشریح کو واضح کرتے ہوئے مُلاں ابراہیم کو لکھتے ہیں۔

"حضور نبی کریم ﷺ نے جو اِرشاد فرمایا ہے کہ میری اُمت کے بہتر (72) فرقے جہنم میں جائیں گے اور ایک فرقہ جنت میں جائے گا۔ اس سے یہ مراد ہے کہ بوجہ خبث عقائد اور برے کاموں کے جہنم میں جائیں گے۔ لیکن وہ لوگ ہمیشہ جہنم میں نہیں رہیں گے۔ اپنے عقائد اور برے اعمال کی سزا پا کر پھر جنت میں آ جائیں گے اور ایک فرقہ جنت میں جائے گا جن کے عقائد اور عمل درست ہوں گے۔ یہ فرقے سب اہل قبلہ

ہیں۔ اس لیے ان کی تکفیر میں جرات نہ کرنا چاہیے۔ جب تک کہ دینی ضروریات کا انکار اور احکام شرعیہ کے متواترات کو رد نہ کریں۔ علماء نے فرمایا ہے کہ اگر ننانویں (99) وجہ کفر کی ہوں اور ایک وجہ اسلام کی پائی جائے تو ایک وجہ اِسلام سے کفر کا حکم نہ کرنا چاہیے۔ غریب لوگ جنت میں پانچ سو سال بیشتر داخل ہوں گے اور مالدار پانچ سو سال بعد۔ یہ سال اِس دنیا کے ہیں نہ آخرت کے۔ یہ پانچ سو سال دنیا و آخرت کا نصف روز ہے۔ جو فقیر فنا و بقا وغیرہ سے مشرف ہیں۔ اُن میں افضل وہ ہیں جو غریب ہیں بمقابلہ مالدار کے۔ فقیر وہ ہے جو ہمیشہ اِحکام شریعت کو بجالاتا ہے۔"

ایک وہ زمانہ تھا کہ جب خلفائے راشدین کے آپس کے ایثار و قربانی کے جذبے نے اُمت مسلمہ کا معیار اس قدر بلند کر دیا کہ قیصر و کسریٰ کے محلات ان کی دہشت سے لرزتے تھے اور ایک آج کا حال ہے کہ ہر کوئی اپنے آپ کو اِسلام کا ٹھیکیدار سمجھتا ہے اور ہماری اس روش پر وہی قومیں کہ جو کبھی اسلام کے رُعب اور دبدبے سے سر اونچا کر کے نہ دیکھ سکتی تھیں۔ آج ہم پر انگلیاں اٹھا کر ہماری اس روش کا مذاق اُڑا رہی ہیں۔

میں اپنے تمام مکاتب فکر کے پڑھے لکھے اور صاحب فکر علماء کرام سے درخواست کروں گا کہ وہ ایک دوسرے پر برتری حاصل کرنے کی دوڑ سے ہٹ کر ایک ایسی دوڑ کا حصہ بنیں جو تمام اُمت مسلمہ کو ہم قدم ہو کر دین اور دنیا کی سربلندی سے روشناس کرا سکے۔ میں یہ نہیں جانتا کہ جو کچھ میں نے بیان کیا ہے آپ اس سے اثر بھی لیں گے یا نہیں۔ لیکن یہاں تک تمہید باندھنے کے بعد اَب میں اپنے پڑھنے والوں کو اپنے اصل موضوع کی طرف لے کر آؤں گا اور وہ ہے خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے گھرانہ علیؓ سے تعلقات۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی محبت جزو ایمان نہیں بلکہ عین ایمان ہے جس کی

Marfat.com

پیدائش خانہ کعبہ میں ہوئی ہو۔ جس کی تربیت آغوش رسالت ﷺ میں کی گئی ہو' پھر جس نے سن بلوغ سے پہلے ہی رسول اللہ ﷺ کی دعوت پر لبیک کہی ہو' جس نے ہجرت کی یادگار رات میں بستر نبوی پر نیند کے مزے لوٹے ہوں' جس نے داماد رسول ﷺ اور زوج بتولؑ بننے کا شرف حاصل کیا ہو۔ جس نے ایک کے علاوہ سارے جہادوں میں رسول اللہ ﷺ کی ہم رکابی میں کفار سے جنگ کی ہو' جس کی تلوار ذوالفقار ہو' جس کی حیثیت رسول اللہ ﷺ کے نزدیک وہی ہو جو موسیٰ علیہ السلام کے نزدیک ہارون علیہ السلام کی ہو' اور پھر جس اُولوالعزم ہستی کی ساری زندگی اس شان میں گزری ہو کہ آنکھ کھلی بھی اللہ کے گھر میں اور شہادت کا رتبہ بھی اللہ کے گھر میں حاصل کیا ہو۔ کون مسلمان ایسا ہے جو ان کی محبت اور عظمت سے اپنا دل نہ معمور رکھتا ہو گا۔ جو ان کی محبت کے باب میں بخیل ہے وہ رسول اللہ ﷺ کو صدمہ پہنچاتا ہے اور جس سے رسول اللہ ﷺ کو صدمہ پہنچ جائے۔ اس سے خدا بھی خوش نہیں ہو سکتا۔

جہاں تک یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خلفائے اِسلام اہل بیتؑ کو کس نگاہِ احترام سے دیکھتے تھے اور اِن حضرات کو کس قدر اہل بیتؑ سے قدر و تعظیم و تکریم اور محبت و شفقت تھی اس پر بحث کرنے کے لیے خدا نے مجھے آج موقع دیا ہے۔ مجھے اس موضوع کی مناسبت سے کسی خاص فرقے یا عقیدے سے کوئی اِختلاف نہیں ہے اور نہ ہی کوئی شکایت ہے کیونکہ میں جانتا ہوں کہ اگر میں شکایت کروں گا تو میرا شمار بھی اُنہی میں ہو گا کہ جن کا میں اُوپر تذکرہ کر کے آیا ہوں۔

مسلمانوں میں اختلافات کی آگ کسی بھی فرقے سے تعلق رکھنے والا کوئی مومن اہل علم نہیں لگا سکتا۔ کیونکہ وہ اس عمل کے عذاب سے بخوبی واقف ہو گا۔ بلکہ میں اسے کسی نفسیاتی مریض کی کارستانی سمجھوں گا کہ جسے لوگوں کو بے چین کر کے سکون ملتا ہے۔ میں جو کچھ آج آپ کے سامنے بیان کروں گا وہ صرف اِس بناء پر کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے وصال کے وقت بڑے بیٹے حسنؑ سے

Marfat.com

فرمایا۔

"بیٹا جب تم کوئی بات سنو تو یہ مت دیکھو کہ وہ بات کس نے کی ہے بلکہ یہ دیکھو کہ وہ بات کس معیار کی ہے۔"

تو قارئین کرام اگر انسان اپنی سمجھ بُوجھ سے بھی کچھ کام لے تو وہ ان باطل حقائق کو بڑی آسانی سے تلف کر سکتا ہے کہ جس کو اُس کا دل و دماغ نہیں مانتا۔ خلفائے راشدین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ان خلفائے عظام سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے تعلقات کی نوعیت کیا تھی؟ خلافتِ راشدہ کے دور میں حضرت علیؑ نے کیا خدمات سرانجام دیں؟ افسوس اگر یہ گوشہ پوری طرح سامنے آجاتا تو وہ غلط فہمیاں باآسانی رفع کی جا سکتی تھیں جن کی وجہ سے تاریخ بہت سی پیچیدگیوں کا شکار ہو چکی ہے۔ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خلافت کی ذمے داریاں سنبھالیں تو اس کے بارے میں دو روایات ملتی ہیں۔ لوگوں کو چونکہ زیادہ مزہ آتا ہے اور عام معمول کی باتوں میں اُنہیں کوئی لطف نہیں ملتا۔ اِس لیے اُن روایتوں کو پھیلایا گیا ہے جن میں اختلافات کی باتیں نمایاں ہیں اور ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے چھ ماہ کے بعد بیعت کی۔ حالانکہ اُنہیں روایات کے ساتھ اور روایات بھی ہیں جن میں اِس کے بالکل برعکس واقعہ بیان کیا گیا ہے اور اگر ان دوسری روایات کو کو تسلیم کر لیا جائے۔ جو اِن برگزیدہ ہستیوں کے کردار سے مطابقت بھی رکھتی ہیں تو صورتحال کا یہ اخلاقی نقشہ ہی باقی نہیں رہتا۔ تاریخ طبری اور الاستیعاب میں جو روایتیں موجود ہیں یہ سب روائتیں مستند ہیں۔ ان میں کسی کو بھی پایۂ اعتبار سے ساقط قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اِن روایات کے مطابق جب خلیفہ اول حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بیعت لینی شروع کی تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ انہیں وہیں اِس کی اطلاع ملی تو وہ اسی وقت اُٹھ کھڑے ہوئے اور اِس حال میں مسجد نبوی کی طرف چل پڑے اور اُنہوں نے صرف ایک

Marfat.com

لمبا کرتہ پہنا ہوا تھا۔ انہوں نے جاتے ہی قدرے تاخیر سے آنے کی معذرت کی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اگر ہم پہلی روایت کو بھی مدنظر رکھ کر بات کریں کہ جس میں انہوں نے چھ ماہ کے بعد بیعت کی تو نہج البلاغہ کے مطابق اُس کی وجہ فقط یہ تھی کہ آپ نے قسم کھائی تھی کہ جب تک پورا قرآن حفظ نہیں کر لیتے تو اس وقت تک کسی سے ہم کلام نہیں ہوں گے۔ میں یہ تو نہیں جانتا کہ اِن دونوں روایات میں کون کس پر کس قدر اِیمان و یقین رکھتا ہے لیکن اگر میرے اِیمان کے متعلق سوال کیا جائے تو میں یہ کہوں گا کہ اس ضمن میں جو اِیمان حضرت مجدد الف ثانیؒ کا ہے وہی میرا ہے۔ آپ مکتوب 80 میں رقم کرتے ہوئے مرزا فتح اللہ حکیم کو کہتے ہیں۔

"کوئی عقلمند اِنسان اس بات کو ہرگز جائز قرار نہیں دے سکتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے روز تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک اکبر باطل پر جمع تھے اور یہ ثابت شدہ اَمر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے وقت 35 ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مدینہ شریف میں حاضر اور موجود تھے اور سب نے خوشی و رغبت سے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی۔ ان تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا گمراہی و ضلالت پر جمع ہونا محالات میں سے ہے۔ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اِرشاد ہے:

"یعنی میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہو سکتی۔" (ترمذی)

اور اِبتداء میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنے میں جو دیر ہوئی وہ اس بناء پر تھی کہ آپ کو مشورۂ خلافت میں طلب نہیں کیا گیا تھا۔ اس سلسلے میں خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا اِرشاد ہے۔

"ہمیں کسی بات سے رنج نہیں پہنچا مگر اس بات سے کہ ہمیں مشورہ میں نہیں بلایا گیا اور بے شک ہمارا یقین ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سب سے بہتر ہیں۔" (تاریخ الخلفاء)

Marfat.com

اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا آپ کو مشورۂ خلافت میں نہ بلانا ایک مصلحت پر مبنی تھا اور وہ یہ تھی کہ آپ اہل بیتؑ میں موجود رہ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال مبارک کے حادثہ اور مصیبت میں صدمہ اُولیٰ کے وقت ان کو تسلی اور صبر جمیل کی تلقین میں مصروف تھے۔"

اَفسوس کہ ہمارے ہاں یہ اور اس طرح کی دوسری روایات دانستہ یا نادانستہ پس پشت ڈال دی گئی ہیں۔ حالانکہ یہ اِن اَکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کے شایان شان بھی ہیں اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اُن نظریات سے بھی آہنگ ہیں جو اُن کے مختلف خطبات میں بڑی اہمیت کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔ نہج البلاغہ جلد دوم میں جناب علی کرم اللہ وجہہ کا جو 144 واں خطبہ موجود ہے۔ اس میں آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیتے ہوئے نظام حکومت پر کیا بلیغ تبصرہ فرماتے ہیں۔ ارشاد فرماتے ہیں:

"کسی حکومت میں اَمر کو قائم کرنے والے حاکم کی حیثیت وہی ہوتی ہے جو دانوں میں ڈورے کی۔ یہ ڈورا اِن دانوں کو جمع رکھتا ہے اور یہ ڈورا ٹوٹ جائے تو دانے بکھر جائیں گے اور پھر کبھی جمع نہ ہو سکیں گے۔"

جب حالت یہ ہو کہ ایک طرف ارتداد کا فتنہ اپنے عروج پر ہو۔ مانعین زکوٰۃ کی سرکوبی کے لیے مسلمانوں کا لشکر جہاد کرنے کے لیے باہر جا رہا ہو اور وصال رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مسلمانوں کے دل مغموم ہوں تو اس حال میں یہ بات کیسے قیاس کی جا سکتی ہے کہ یہ نظریہ رکھنے والے علی المرتضیٰ علیہ السلام نظام حکومت کے ڈورے میں نہ پروئے گئے ہوں گے اور انہوں نے کامل چھ ماہ تک "القیم بالامر" کی حیثیت قبول نہیں کی ہوگی۔ میں تو یہ تسلیم نہیں کرتا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے رسول خدا کے بعد اس نظام حکومت کو مضبوط کرنے کی کوشش نہ کی ہو۔ یہ بات ان کے کردار کے شایان شان ہی نہیں کہ جس کو وہ خود بطور نظریہ پیش کر رہے ہیں۔ وقت آنے پر اس کے مطابق عمل نہ کریں۔ اور

Marfat.com

جہاں تک مولا علی علیہ السلام کے تقیہ کرنے کا سوال ہے تو اس کے بارے میں ایک بار پھر حضرت مجدد الف ثانیؒ مکتوب نمبر80 میں فرماتے ہیں۔

"شیر خدا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ذات میں تقیہ کا احتمال ماننا بھی کم عقلی کا باعث ہے۔ عقل صحیح اس بات کو ہرگز جائز نہیں رکھتی کہ حضرت شیر خداؑ کمال معرفت و شجاعت کے باوجود تیس سال تک خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کا بغض اپنے سینے میں چھپائے رکھا اور اپنے ضمیر کے خلاف ظاہر کرتے رہے اور اتنا عرصہ نفاق کے ساتھ ان کی صحبت و مجلس قائم رکھی۔ اہل اسلام میں سے ادنیٰ مسلمان سے بھی ایسا نفاق متصور نہیں ہو سکتا۔ اس فعل کی بدی اور شناعت کا تصور کرنا چاہیے کہ حضرت امیر علیہ السلام ایسی بے بسی' ایسے فریب' اور ایسے نفاق سے موصوف تھے۔

اور اگر بفرض محال یہ تسلیم کر لیا جائے کہ حضرت امیر علیہ السلام خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی تعظیم و توقیر تقیہ کے تحت از روئے نفاق کرتے تھے تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی اول سے آخر تک تعظیم و توقیر کرتے تھے اور انہیں بزرگ جانتے تھے تو اس کا کیا جواب ہو گا؟ آپ کی ذات کی طرف تو تقیہ کی نسبت نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ حق کی تبلیغ و اشاعت پیغمبر پر واجب و ضروری ہوتی ہے۔ آپؐ کے لیے تقیہ جائز جاننا زندقہ اور بے دین ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

"اے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! جو کچھ آپ کے رب کی طرف سی آپ پر نازل کیا گیا ہے۔ اسے لوگوں تک پہنچا دیں اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے خدا کی رسالت کی تبلیغ نہیں کی اور اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے بچائے گا۔"

خلیفہ اول کے دور میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو جو اہمیت حاصل تھی اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ انہیں اہم محکمے سپرد کیے گئے تھے۔ وہ خارجہ اور

Marfat.com

داخلی امور میں تمام سرکاری خط و کتابت کے نگران تھے۔ اَسیران جنگ کے ساتھ معاملات اور زر فدیہ کا حساب کتاب بھی ان کی ذمے داری تھی۔ جب خلافت کے اولین اَیام میں یہ خطرہ درپیش ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کر مُرتدین مدینہ پر حملہ کردیں تو اس وقت خلیفہ اول نے مدینہ کی حفاظت کے لیے تین حصے بنائے اور ان میں سے ایک حصے کی قیادت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سپرد کی گئی اور تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے فرائض کی انجام دہی میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا تو پھر یہ کیسے تصور کر لیا جائے کہ علی پاک علیہ السلام اِن صحابہ رضی اللہ عنہم کے پس پشت ایسے خطبات دیں کہ جن میں ان کی کردار کشی کی گئی ہو۔ ایسا سوچنا معاذ اللہ علی علیہ السلام کے کردار و اِیمان پر شک کرنا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب اپنے پیارے حسنؑ و حسینؑ سے اس قدر محبت تھی تو پھر اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کس طرح آپ کی محبت و احترام کو اپنے لیے فرض عین نہ سمجھتے۔ جس قدر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ذات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تعلق سے دونوں شہزادوں کے ساتھ محبت اور شفقت فرماتے تھے۔ اس کے بارے میں حضرت عتبہ رضی اللہ عنہ ' بخاری میں روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ عصر کی نماز پڑھ کر مسجد نبوی سے نکلے۔ راستے میں حضرت حسنؑ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے انہیں اٹھا کر اپنے کندھے پر بٹھالیا اور فرمانے لگے۔

"قسم ہے! یہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشابہ ہے علیؑ کے مشابہ نہیں ہے۔"

حضرت علی کرم اللہ وجہہ یہ سن کر ہنسنے لگے۔ پھر ایک اور مقام پر بخاری شریف میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہمیں یہ کہتے ہوئے نظر آئیں گے۔

"اس خدا کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے مجھ کو اپنے اَقربا سے حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اَقربا زیادہ محبوب ہیں۔"

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ چونکہ اکثر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ساتھ ہی رہتے

Marfat.com

تھے اس لیے وہ اس اَمر سے بخوبی واقف تھے کہ حضور ﷺ کو اپنے نواسوں سے کس قدر پیار تھا اور وہ کبھی بھی ان کی باتوں کا برا نہ مناتے تھے بلکہ ان باتوں سے محظوظ ہوتے تھے۔ اس لیے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جس طرح باقی اُمور میں سنتِ نبوی ﷺ کی جیتی جاگتی تصویر تھے۔ تو وہ احترام آل رسول ﷺ کے معاملے میں بھی بہت محتاط رہے اور ان کی کسی بات کا کبھی برا نہ منایا۔ بلکہ ہمیشہ شفقت فرماتے تھے۔ اس کا ثبوت ہمیں حضرت عبدالرحمٰن بن اصفہانی کی اس روایت سے ملتا ہے۔ وہ کہتے ہیں۔

"حضرت حسنؑ بن علیؑ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور یہ حضور ﷺ کے منبر پر تشریف فرما تھے۔ حضرت حسنؑ نے فرمایا! میرے باپ کی جگہ سے اتریئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا! تم نے سچ کہا کہ بے شک یہ تمہارے باپ کی مجلس ہے اور انہیں اپنی گود میں بٹھا کر پیار کرنے لگے اور ساتھ ساتھ رونے لگے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا! خدا کی قسم! یہ اس نے میرے کہنے پر نہیں کہا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا! خدا کی قسم! تم نے سچ کہا میں تمہارے اُوپر الزام کس طرح رکھ سکتا ہوں۔"

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی لختِ جگر بی بی فاطمۃ الزہرہ علیہ السلام کا بھی بے پناہ عزت و احترام کرتے تھے۔ لیکن ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ بعض فرقہ پسندوں نے یہاں پر بھی معاملات کو اُلجھا دیا ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ ان کو اَدھورا چھوڑ دیا ہے اور صرف اپنے مطلب کی بات لکھی اور روایات کو غلط شکل دے دی اور جب بات کرتے ہیں تو ایسے ایسے غیر مستند حوالے پیش کرتے ہیں کہ جن کی بازار میں دو آنے کی قیمت بھی نہیں ہوتی۔ بہرحال ہماری یہاں پر کوشش اُلجھے ذہنوں اور معاملات کو سلجھانا ہے کہ جس کی بنیاد مسئلہ میراث رسول ﷺ یعنی مسئلہ باغ فدک سے جڑ پکڑتی ہے۔

Marfat.com

مورخین ابن کثیر نے رسول اللہ ﷺ کی میراث پر گفتگو کرتے ہوئے سب سے پہلے امام بخاری کے حوالہ سے یہ حدیث اخراج کی ہے۔

"رسول اللہ ﷺ نے اپنے ترکہ میں نہ کوئی دینار' نہ کوئی درہم' نہ کوئی غلام اور نہ کوئی باندی چھوڑی۔ البتہ ایک سفید خچر چھوڑا جس پر وہ سوار ہوا کرتے تھے کچھ ہتھیار چھوڑے' کچھ زمین بھی چھوڑی جو انہوں نے مسافروں کے لیے خیرات کر رکھی تھی۔"

محدث امام بخاری کی اس روایت کے متن کو امام ترمذی' نسائی' احمد داؤد اور ابن ماجہ نے بھی اپنے اپنے طریقہ سے روایت کیا ہے۔ امام احمد اور ترمذی کے اس متن میں یہ الفاظ زیادہ ہیں۔ "ولاشاۃ" ولابصیرا" ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اس بیماری میں جو رسول اللہ ﷺ کی آخری بیماری تھی۔ ان کی مالی حالت اس قدر کمزور تھی کہ انہوں نے اپنے اہل و عیال کے پیٹ بھرنے کیلئے اپنی ذرع ایک یہودی کے پاس رکھ کر کچھ طعام خرید فرمایا تھا۔

ابن کثیر نے اپنے اس بیان کی بنیاد اس حدیث پر رکھی ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہی روایت بخاری نے بھی نقل کی ہے۔ جس کے الفاظ ہیں۔ قالت' توفی النبی و درعہ مرھونتہ عنہ یھودی بثلاثین۔" البیہقی نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث میں بثلاثین صاعا من شعیر کے الفاظ دہرائے ہیں۔

اس مضمون و مفہوم کی کئی روایتیں ابن سعد نے بھی دہرائیں ہیں۔ ابن سعد کی پہلی روایت کی راویہ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا ہیں اور جس کے الفاظ ہیں۔

"واللہ ماترک رسول اللہ عند موۃ درھما" ولا دینارا" ولاعبدا" ولاامۃ ولاشیا" الابغلۃ البیغاء و سلاحۃ وارضا" ترکھا صدقۃ"

ابن سعد کی تیسری روایت کی راویہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں جس کے الفاظ ہیں۔

توفی رسول الله' ولم يدع دينارا" ولادرهما" ولاعبدا" ولاامة"

پانچویں روایت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ہے۔ جس کے الفاظ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے زیادہ واضح ہیں۔

"مات رسول الله وما ترك' دينارا" ولادرهما" ولاعبدا" ولاامة" ولادليدة" وترك ورعه رهنا عنديهودي بثلاثين' صاعا" من شعير"

دوسرے لفظوں میں قریب قریب سارے مقتدین کے نزدیک یہ بات ایک ثابت شدہ حقیقت کی حیثیت رکھتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو وصال کے وقت پورے عرب کے حاکم اعلیٰ تھے۔ اپنے پیچھے کوئی درہم' دینار' کوئی بھیڑبکری' کوئی اُونٹ' کوئی زمین یا کوئی دوسرا دنیاوی اثاثہ اپنے ورثا کے لیے نہیں چھوڑے گئے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی اس روایت کی رو سے جو ہم نے آخر میں نقل کی ہے۔ وہ اگر کچھ چھوڑ گئے تھے تو یہ اُن کی "ذرع" تھی جسے انہوں نے ایک یہودی کے پاس صاع جو کے عوض رہن رکھا تھا۔

اس کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میراث پر اُمت میں اختلاف موجود ہے۔ اور اس اختلاف کا آغاز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے فوراً بعد اس وقت سے ہوا۔ جب ایک روایت کی رو سے سیدہ فاطمہ علیہ السلام اور دوسری کی رو سے سیدہ فاطمہ'، عباس رضی اللہ عنہ و علیؑ مل کر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تھے اور ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میراث کا مطالبہ کیا تھا۔ ابن سعد نے اس باب میں بھی حسبِ معمول مختلف روایات اخراج کی ہیں۔ جن میں سے ایک روایت جنابِ عمر رضی اللہ عنہ کی بھی ہے۔ ہم اس روایت کو سب سے پہلے دہرا رہے ہیں۔

روایت کے الفاظ ہیں۔

"جس دن رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہوا۔ اسی دن ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت ہوئی۔ جب دوسرا دن ہوا تو فاطمہ علیہ السلام' ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں۔ ان کے ساتھ علی کرم اللہ وجہہ بھی تھے۔ انہوں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مطالبہ کیا۔ میرے باپ کی میراث (یعنی باغ فدک) مجھے دو۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا۔ آپ کا مطالبہ وراثت کے اصول کی بناء پر ہے یا پھر رسول اللہ ﷺ نے اس کی تاکید کی تھی۔ سیدہؑ نے فرمایا! فدک' خیبر اور مدینہ کے صدقات میں' میں نے اپنے باپ سے ویسے ہی ورثہ میں پائے ہیں جیسے تمہاری بیٹیاں تمہاری وفات کے بعد تمہاری میراث ورثہ میں پائیں گی۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ بولے! تمہارے باپ ﷺ بخدا مجھ سے بہتر تھے اور تم میری بیٹیوں سے بہتر ہو۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کہہ چکے ہیں کہ ہماری وراثت کسی کو نہیں پہنچتی۔ جو ہم نے چھوڑا وہ صدقہ ہوگا۔ یعنی یہ اموال جوں کے توں قائم رہیں گے۔ البتہ تم مجھ سے اگر کہو کہ تمہارے باپؐ نے یہ تمہیں دے دیئے تھے تو بخدا میں تمہاری بات صحیح سمجھ کر مان لوں گا۔"

سیدہ فاطمہؑ نے فرمایا! میرے پاس اُم یمن رضی اللہ عنہا آئی تھیں۔ انہوں نے مجھ کو خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے فدک دے دیا ہے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا آپ نے بھی رسول اللہ ﷺ کو ایسے کہتے سنا ہے۔ اگر آپ فرمائیں کہ آپ نے بھی ایسا سنا تھا۔ تو پھر فدک آپ کا ہے اور میں آپ کی تصدیق کروں گا۔ سیدہ فاطمہؑ بولیں! جو کچھ ہم کہہ سکتی تھیں ہم نے کہہ دیا۔ اس کے سوا اور کوئی بات ہمارے پاس کہنے کو نہیں۔"

اس باب میں ابن سعد کی دوسری روایت کی راوی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ وہ فرماتی ہیں۔

Marfat.com

"سیدہ فاطمہؑ بنتِ رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کی میراث میں سے طلب کی۔ یہ مال مدینہ کے صدقہ فدک اور خیبر کے خمس میں سے تھا۔"

باقی روایات ہم نے نقل نہیں کی کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان روایات کی رو سے بھی سیدہ فاطمہؑ سے رسول اللہ ﷺ کا یہی قول دہرایا۔ کہ ہم لوگوں کی وراثت کسی کو نہیں پہنچتی۔ ہم جو چھوڑیں صدقہ ہوتا ہے۔

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

"ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قسم کھا کر سیدہ فاطمہؑ کو یقین دلایا تھا کہ اس مال سے آل محمد ﷺ پہلے کی طرح کھاتی رہے گی۔ میں رسول اللہ ﷺ کے صدقات کی کیفیت میں کسی قسم کا ردوبدل نہیں کروں گا۔ رسول اللہ ﷺ انہیں جیسے خرچ کرتے تھے۔ میں بھی انہیں ویسے ہی خرچ کروں گا۔ لیکن اِس کے باوجود سیدہ فاطمہؑ ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ناراض ہوگئیں۔ اور ان سے وفات کے وقت تک بات نہیں کی۔"

ابن سعد کی تیسری روایت اِس اَمر کی شہادت دیتی ہے کہ سیدہ فاطمہؑ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا تھا۔

"تم جب مرجاؤ گے تو تمہارا کون وارث ہوگا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ میری اُولاد اور میرے گھر کے لوگ میرے وارث ہوں گے۔ سیدہ فاطمہؑ نے اَعتراض کیا۔ پھر کیا وجہ ہے تم ہماری بجائے رسول اللہ ﷺ کے وارث بن گئے ہو۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اِن کی یہ بات سن کر کہا! اے رسول اللہ ﷺ کی بیٹی! میں نے تمہارے باپ سے نہ کوئی زمین ورثہ میں پائی ہے' نہ سونا پایا اور نہ چاندی' نہ غلام اور نہ کوئی اور مال۔ سیدہؑ بولیں اس حصہ کے متعلق کیا کہتے ہو۔ جو خدا نے ہمارے لیے مخصوص کیا ہے اور جو تمہارے ہاتھ میں ہے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ بولے

Marfat.com

میں نے رسول اللہ سے سنا ہے کہ یہ ہماری زندگی میں ہمارے اللہ نے ہماری خوراک بنایا ہے۔ جب ہم مرجائیں گے تو یہ مسلمانوں کی طرف منتقل ہو جائے گا۔"

اِبن سعد کی ایک روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سیدہ فاطمہؑ کے ساتھ عباس رضی اللہ عنہ اور علیؑ بھی ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تھے۔ سیدہؑ نے اپنا حصہ طلب کیا اور عباس رضی اللہ عنہ نے اپنا حصہ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کے اس مطالبہ کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد دہرایا تھا۔

"ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا جو ہم چھوڑیں وہ صدقہ ہے۔"

اور جنابِ علی کرم اللہ وجہہ نے ان دونوں کے مطالبہ کی تائید میں قرآن حکیم کی ان دو آیات کا حوالہ دیا تھا۔

"سلمانؑ، داؤدؑ کے وارث ہوئے اور زکریاؑ نے کہا تھا وہ بھی میرا وارث ہوگا اور آل یعقوبؑ کا بھی۔"

اِبن سعد کی اس روایت کی رُو سے جنابِ علیؑ نے جب قرآن مجید کی یہ آیات تلاوت کیں تو جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا۔

قرآن کی یہ آیات یقیناً یہی ہیں جو تم نے پڑھی ہیں۔ لیکن مجھے جو بات معلوم ہے یعنی جو بات میں نے کہی ہے اِس سے تم بھی میری ہی طرح آگاہ ہو۔"

اس پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا۔

"یہ خدا کی کتاب ہے۔ جو بولتی ہے۔"

یہ سن کر جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے اور یہ تینوں واپس لوٹ گئے۔

محدث اِبن کثیر نے اس مسئلہ پر گفتگو فرماتے ہوئے اِبن سعد کی نسبت کسی قدر زیادہ تفصیل پیش کی ہے۔ اُنھوں نے البخاری، مسلم، ابوداؤد اور ترمذی کے

واسطوں سے ابن سعد جیسی روایات بھی اخراج کی ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت بھی دہرائی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا جب وصال ہوا تو سیدہ فاطمہؑ کی طرح اَزواج مطہرات نے بھی جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کی میراث طلب کرنی چاہی تھی۔ لیکن جب سیدہ عائشہؓ نے ان سے کہا کہ حضور ﷺ جو چھوڑیں وہ صدقہ ہے یعنی حضور ﷺ کی حدیث یاد دلائی تو اَزواج مطہرات اس ارادہ سے باز آگئیں۔ پھر ابن کثیر مزید بحث کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حدیث و تاریخ کی کسی کتاب میں یہ دعویٰ نہیں کیا گیا کہ اَزواج مطہرات نے رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے رسول اللہ ﷺ کی میراث طلب کی۔ خواہ اُنہوں نے یہ مطالبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یاددہانی پر ترک کیا یا اپنے طور پر۔ بہرنوع یہ ایک بڑی حقیقت ہے کہ اَزواج مطہرات میں سے کوئی بھی میراث کی طالب نہیں ہوئیں۔ اگر رسول اللہ ﷺ کی میراث واقعتاً کوئی میراث تھی تو پھر اَزواج مطہرات کا اس مطالبہ سے رکنا سمجھ میں نہیں آسکتا۔

ابن کثیر کی اس بحث کے باوجود کہ جو انہوں نے اَزواج مطہرات کی میراث پر کی ہے کہ وہ تمام کی تمام کیوں طلب کرنے سے رک گئیں تھیں۔ ہمیں اس کا جواب بعض دوسری روایات سے مل جاتا ہے کہ جن کے مطابق اُمہات کا میراث طلب کرنا بے مقصد تھا کیونکہ یہ باغ صرف سیدہ فاطمہؑ کے حصہ میں آیا تھا۔ روایت کچھ اس طرح ہے۔

"جب آیت وات ذی القربی حقہ (یعنی قرابت داروں کو حق دے دو) نازل ہوئی تو جناب رسول اللہ ﷺ نے فاطمہؑ کو بلایا اور ان کو وثیقہ لکھ کر فدک حوالہ کر دیا اور یہ وہی وثیقہ تھا جو رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد حضرت فاطمہؑ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس پیش کیا تھا اور فرمایا تھا کہ یہ جناب رسول اللہ ﷺ کا نوشتہ ہے کہ

Marfat.com

میرے اور بچوں کے واسطے تحریر فرمایا ہے۔"

(تاریخ اسلام جلد 2 صفحہ 125' معارج النبوۃ رکن چہارم صفحہ 211 جلد ثانی' رفۃ الصفا جلد دوم صفحہ 135' تاریخ حبیب السیر جلد اول صفحہ 85' سیوطی باسناد ابی سعد خدائی' ذخائر العقبی ینابیع المودۃ معصد اقصیٰ' مسند ابن ابی حاتم' ابن مردویہ)

اس کے علاوہ ایک ایسی ہی روایت ابو سعید خدری" بھی نقل کرتے ہیں۔

"جب یہ آیت (حق قرابت والوں کو دے دو) نازل ہوئی تو جناب رسول اللہ ﷺ نے سیدہ معصومہ" کو بلایا اور ان کو فدک عنایت فرمایا۔"

(معارج النبوۃ رکن چہارم جلد ثانی صفحہ 211 ینابیع المودہ صفحہ 120)

ان روایات سے یہ بھی ممکن نظر آتا ہے کہ شائد اُمہات المومنین رضی اللہ عنہن اس نظریہ کے پیش نظر رک گئیں کہ حضور ﷺ نے معصومہ" کو پہلے سے فدک لکھ کر دے دیا تھا۔ اس لیے باقی اَزواج کا اس میراث سے کوئی تعلق نہ رہا۔ یہ بات اِس لیے قیاس کی جاسکتی ہے کہ اگر ابن کثیر کے مطابق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے کہنے پر اَزواج میراث طلب کرنے سے رک گئیں تو پھر ان اَزواج کے بارے میں کیا خیال ہے کہ جن کے حضرت عائشہ" کے گروہ سے تعلقات کچھ کشیدہ تھے۔ چونکہ حضور ﷺ کی اَزواج دو گروہوں میں بٹی ہوئی تھیں جیسا کہ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت فرماتی ہیں۔

"ایک گروہ وہ تھا جس میں عائشہ رضی اللہ عنہا، حفصہ رضی اللہ عنہا، صفیہ رضی اللہ عنہا اور سودہ رضی اللہ عنہا تھیں اور دوسرا گروہ اُم کلثوم رضی اللہ عنہا اور باقی تمام اَزواج پر مشتمل تھا۔ (بخاری و مسلم)

اس لیے یہ قیاس کرنا مشکل نظر آتا ہے کہ حضور ﷺ کی اَزواج کا یہ دوسرا گروہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بات آسانی سے مان لیتا اور میراث طلب کرنے سے رُک جاتا۔ جیسا کہ ابن کثیر نے ظاہر کیا ہے۔ اس لیے ان حالات میں ہم دوسری روایات پر اِکتفا کریں گے جس کی رو سے سیدہ فاطمہ" کو حضور ﷺ کی طرف سے تحریری نوشتہ ملا تھا۔

لیکن جناب۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ چونکہ اَحادیث۔نبوی ؐ اور سنت۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اپنے آپ کو بڑی سختی سے کاربند رکھتے تھے اور جس واقعہ کو اپنی آنکھوں سے ظہور پذیر ہوتا نہ دیکھ لیتے تھے اُس وقت تک اِس پر پختہ یقین نہ رکھتے تھے اور بات کی تحقیق کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ وہ تمام جمع شدہ روایات کے ذخیرہ کو آگ لگا دی کیونکہ وہ ان کی نقل میں ذرا شک رکھتے تھے۔ (تذکرہ الخلفاء) اور یہی وجہ ہے کہ آپ کی روایت شدہ اَحادیث بھی بہت کم ہیں لیکن جو ہیں وہ بہت مستند ہیں کیونکہ ان کے راوی آپ خود ہیں۔

بہرحال سیدہ فاطمہ ؑ اور جناب۔ عباس رضی اللہ عنہ نے تو اس میراث کے حاصل کرنے میں خاصی جدوجہد فرمائی۔ خصوصیت سے سیدہ فاطمہ ؑ کے بارے میں تو کہا گیا ہے کہ وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے سخت ناراض ہوگئیں تھیں (ابن کثیر) اور بعض روایات کے مطابق یہاں تک کہہ دیا تھا کہ "جب میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملوں گی تو ضرور تمہاری شکایت کروں گی--- (ابی محمد عبدابن مسلم) لیکن پھر البیہقی کے مطابق سیدہ فاطمہ ؑ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے صرف چھ مہینے بعد مرض الموت میں مبتلا ہوئیں تو جناب۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ' جناب۔ علی ؑ کی اِجازت سے سیدہ ؑ کی خوشنودی کی خاطر ان کے پاس آئے اور ان سے قسم کھا کر کہا۔

"بہ خدا میں نے اپنا گھر اپنے اہل اور اپنے کنبہ کو محض اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اور تم اہل بیت ؑ کی خوشنودی کی خاطر چھوڑا تھا۔"

پھر انہوں نے سیدہ ؑ کی خوشنودی کی کئی باتیں کیں۔ یہاں تک کہ وہ ان سے راضی ہوگئیں۔ بیہقی کے الفاظ ہیں۔

"ثم ترضاها۔ حتی رضیت۔"

قارئین کرام! اس میں کوئی شک نہیں کہ جناب۔ سیدہ ؑ کا مقام تمام مومنین و مومنات سے اعلیٰ و ارفع ہے۔ کیونکہ آپ نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جگر کا ٹکڑا تھیں اور یہی وجہ ہے کہ جناب۔ صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی یہ گوارا نہ کیا کہ کہیں مجھ

Marfat.com

سے اُن کی شان میں گستاخی ہو جائے اور خود چلکر آپکو منانے کے لیے آپ کے گھر تشریف لے گئے۔ اور اشک بار آنکھوں سے آپ کو راضی کرلیا۔ اَب جبکہ بی بیؑ راضی ہو چکی ہیں تو پھر کشیدگی کی کون سی وجہ باقی رہ جاتی ہے اور اگر کوئی اَب بھی جنابِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صداقت پر شک کرتا ہے تو وہ اصل میں سیدہ معصومہؑ کی سنت پر شک رکھتا ہے۔ ہم اگر پیروی کرتے ہیں تو انہی اہل بیتؑ کی پیروی کرتے ہیں اور چونکہ یہ جنابِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صداقت سے راضی ہو کر اس دنیا سے گئے اس لیے ہمارا ایمان بھی یہ ہے کہ ہمارا خاتمہ بھی اسی ایمان صداقتِ صدیق رضی اللہ عنہ پر ہو گا۔

اگر یہ کہا جائے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کسی لالچ کی بناء پر اس باغ پر قبضہ کرنے کی کوشش کی تھی تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان واقعات کو جھٹلائے کہ جن میں جنابِ صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے مال سے اس قدر جہاد کیا کہ آپ کی شان میں آیاتِ قرآنی نازل ہوئیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی آپ کے مال کو نفع بخش قرار دیا۔ لیکن ان واقعات کو جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ کیونکہ اِن کا تعلق قرآن و سنت کی روشنی سے ہے کہ جو رہتی دنیا تک قائم اور بڑھتی رہے گی اور رہی بات باغ کی تو اس کی تمام آمدنی کو جنابِ صدیق رضی اللہ عنہ نے تامرگ ایسے ہی خراج کیا کہ جس طرز پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا کرتے تے۔ جیسا کہ شرح نہج البلاغہ جلد 5 صفحہ 107 پر علامہ کمال الدین رقم کرتے ہیں۔

"یعنی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت جب قریب آیا تو آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ میرا دل نہیں چاہتا کہ بیت المال سے کچھ لوں مگر عمر رضی اللہ عنہ نے نہ مانا کہ وقت ہوگی اور تمہاری تجارت کی مشغولی سے مسلمانوں کا حَرج ہو گا۔ اس مجبوری سے مجھے لینا پڑا۔ اس لیے اَب میرا فلاں باغ اس کے عوض دے دیا جائے۔ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا وصال ہو گیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر

Marfat.com

رضی اللہ عنہ کے پاس آدمی بھیجا اور والد محترم کی وصیت کے مطابق وہ باغ دیدیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا! اللہ تعالیٰ تمہارے باپ پر رحم فرمائیں۔ انہوں نے یہ چاہا کہ کسی کو لب کشائی کا موقع ہی نہ دیں۔ (کتاب الاموال)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اس وضاحت کے بعد ہم اس واقعہ پر مزید بحث سے اِجتناب ہی کریں تو بہتر ہے کیونکہ واللہ عالم الغیب۔

قارئین کرام! بعض فرقہ پسندوں نے اس واقعہ کے نازک پہلوؤں کو ترش خراش کر اِس طرح پیش کیا ہے کہ جس سے وہ ناموس شیخین رضی اللہ عنہ پر تہمت لگا سکیں اور اِسلام کی پاکیزہ اور صاف روایات میں ملاوٹ کر کے اُمتِ مسلمہ کی اجتماعی قوت کو نقصان پہنچا سکیں۔

بعض اُوقات ایسی روایات بھی گھڑ دی جاتی ہیں کہ یہ کہا جا سکے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی سے جھوٹی عقیدت تھی۔ میں ان ناعقلوں سے صرف اتنا کہوں گا کہ بھئی عقل کے ناخن لو کیا بات کر رہے ہو۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جب یہ کہہ دیا کہ انہیں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی اپنی بیٹی سے زیادہ عزیز ہے تو سو فیصد سچ کہا ہے۔ کیا تم اُس وقت کو بھول گئے کہ جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ رات کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں ہجرت فرما کر تشریف لے چلے تو اس خیال سے کہ نامعلوم راستے میں کیا ضرورت درپیش ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ساتھ ہیں۔ اس لیے جو کچھ بھی مال آپ کے پاس موجود تھا جس میں پانچ' چھ ہزار درہم بھی تھے۔ وہ سب ساتھ لے لیے اور اپنی بیٹیوں پر حب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ترجیح دی اور ان کے لیے گھر میں کچھ نہ چھوڑا۔ ابو قحافہ' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے والد تھے اور نابینا تھے اور اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ جب اِن کو پتہ چلا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ رات کو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مکے سے چلا گیا ہے اور مال بھی سارا ساتھ لے گیا ہے۔ تو پوتیوں کے پاس تسلی کے لیے آیا اور کہنے لگا میری بیٹیو! ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تم پر بڑا ظلم و ستم کیا ہے کہ خود بھی چلا گیا ہے اور سارا مال بھی لے گیا ہے۔ یہ

Marfat.com

سنکر آپ کی صاحبزادی حضرت اَسماءؓ اٹھیں اور چھوٹی چھوٹی کنکریاں ایک تھیلی میں بھر کر بولیں دادا! آپ فکر نہ کریں یہ دیکھئے سارا مال تو وہ چھوڑ گئے ہیں۔ یہ کہہ کر کنکریوں سے پُر تھیلی آگے کر دی۔ اَبو قحافہ نے اسے ٹٹولا تو سمجھا کہ اِس تھیلی میں درہم بھرے ہیں اور مطمئن ہو گیا۔ بولے! چلو اچھا ہوا وہ مال نہیں لے گیا۔

اَب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ حضرت ابوبکرؓ اپنی بیٹیوں کو سکھا کر گئے تھے تو میں اس شخص کو صرف اتنا کہوں گا کہ بھائی تم کو ساری دنیا ہی جھوٹ معلوم ہوتی ہے۔ اس لیے تم اپنی کوئی الگ دنیا بسا لو تو بہتر ہو گا۔ کیونکہ حقیقت اور سچ کی مثال اُس روشنی کی سی ہے کہ جس کو تم سات پردوں میں بھی چھپا لو تو تب بھی تم کہیں نہ کہیں سے اُس روشنی کو محسوس کر لو گے۔ اور اگر محسوس نہ کر پاؤ تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ روشنی بجھ گئی بلکہ تم اَندھے ہو گئے۔

قارئین کرام! بعض اُوقات تو کچھ بے علم لوگ یہ تک کہہ دیتے ہیں کہ بھائی کون سی ہجرت کی بات کرتے ہو اس ہجرت کی رات تو ابوبکرؓ جان کر ساتھ جانے کی ضد کر رہے تھے اور حضور ﷺ کا راستہ روک کر کھڑے ہو گئے تھے کیونکہ وہ یہ چاہتے کہ حضور ﷺ گرفتار ہو جائیں۔ (معاذ اللہ)

مجھے ایسے لوگوں کی باتوں پر غصہ نہیں آتا بلکہ میں تو ان کی نادانی پر ہنستا ہوں۔ تو لیجئے جناب اِن کی نادانی اور کم علمی کو بھی دور کیے دیتے ہیں۔ میرے بھائی! دلیلیں تم بھی بہت دے سکتے ہو اور ہم بھی بہت دے سکتے ہیں۔ اس لیے اپنے آپ کو عالم ثابت کرنے کی بجائے کیوں نہ یہ سوال ہم اپنے گیارہویں اَمام پاک جناب حضرت اَمام حسن عسکریؑ سے کریں اور جو وہ ارشاد فرما دیں تو وہ حق ہے۔ تو قارئین کرام اَب منصف آپ ہیں کیونکہ حضرت اَمام عسکریؑ اپنی دہونده تفسیر میں سورۂ بقر کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"جبرائیلؑ نے پیغمبر خدا ﷺ سے آ کر کہا کہ اللہ جل شانہ آپؐ کو سلام کہتا ہے اور یہ فرماتا ہے کہ قریش خصوصاً ابوجہل نے آپ کے قتل

Marfat.com

کی تدبیر مصمم کی ہے۔ اس لیے آپ کو چاہیے کہ علیؑ کو اپنی جگہ پر چھوڑیئے کہ وہ مثل اسماعیلؑ کے جاں نثاری کرے گا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنا رفیق کیجئے کہ اگر وہ موانست کرے اور اپنے عہد پر قائم رہے تو جنت میں بلکہ اعلیٰ علیین میں آپؐ کا رفیق ہو گا۔ تب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؑ سے یہ حال کہا حضرت علیؑ اپنے شہید کیے جانے پر راضی ہوئے۔ بعد میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ اے ابوابکر رضی اللہ عنہ !تو راضی ہے کہ اس سفر میں میرے ہمراہ ہو اور کفار قریش جس طرح مجھے قتل کے لیے تلاش کریں اِسی طرح تیرے قتل کے درپے ہوں اور یہ بھی مشہور ہو کہ تو نے مجھے اِس کام پر آمادہ کیا اور میری رفاقت کے سبب تجھ پر طرح طرح کے عذاب پہنچیں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں تو وہ شخص ہوں کہ اگر تیری محبتؐ میں سخت ترین بلاؤں میں گرفتار ہوں اور قیامت تک اِن میں پڑا رہوں تو تب بھی میرے نزدیک یہ اَبتر ہے کہ تجھ کو چھوڑ کر دنیا کی سلطنت قبول کروں۔ میری جان' میرا مال' میرے اہل و عیال لڑکے بالے سب آپؐ پر قربان ہیں' آپؐ کو چھوڑ کر میں کہاں رہوں گا۔ یہ سن کر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! کہ اگر تیری زبان موافق تیرے دل کے ہے تو بالیقین خدائے تعالیٰ' تجھ کو بمنزلہ میرے سمع و بصر کے کرے گا اور تجھ کو میرے ساتھ وہ نسبت ہوگی جو کہ سر کو جسم سے اور روح کو بدن سے ہے۔"

تو قارئین کرام! اَب انصاف آپ فرمائیں کہ کیا میں نے کچھ غلط کہا۔ اگر آپ کو اس ترجمے میں کچھ شک ہے تو خود جا کر تفسیر حضرت اَمام حسن عسکریؑ' دیکھ لیں۔ لیکن میں یقین دلاتا ہوں کہ یہ سب کچھ لفظ بلفظ ایسے ہی لکھا ہے۔

میرے اہل علم اور اہل بصیرت دوستو! ان اَمامین کی خلفائے راشدین رضی اللہ عنہ

Marfat.com

سے محبت کسی زمانے اور دور میں کم نہیں ہوتی ہے۔ تو پھر میں نہیں جانتا کہ وہ کیا وجوہ ہیں کہ جن کی بناء پر لوگوں کے مابین مذہبی تعصبات کو اُبھارنے کی ضرورت محسوس کی گئی۔ مجھے یقین ہے کہ یہ کسی کلمہ گو مسلمان خواہ وہ کسی فرقے سے بھی تعلق رکھتا ہو۔ اُس کو زیب نہیں دیتا اور یہ کہ میرے تمام مسلمان بھائیوں کے دل صاف ہیں یہ ضرور اُن مفافقین کا کام ہے کہ جو اُمتِ مسلمہ کو متحد نہیں دیکھ سکتے اور ان کے مابین پھوٹ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ دعا کرتا ہوں کہ خدا ہمیں ایسی طاغوتی سازشوں سے محفوظ فرمائے۔ (آمین)

ہم اپنے اِس بیان کو واضح کرنے کے لیے ایک بار پھر سے ہمارے پانچویں اَمام پاک جنابِ باقرؑ کی خدمت میں لیے چلتا ہوں۔ علی بن عیسیٰ اُرد تبیلی اثناء عشری نے اپنی کتاب کشفِ انعمہ معرفتہ الائمہ میں لکھا ہے۔ (یعنی)

"ایک شخص نے حضرت اَمام باقرؑ سے پوچھا کہ تلوار کے قبضے کو حُلیہ کرنا درست ہے یا نہیں۔ تب اَمامؑ نے جواب دیا کہ ہاں اس لیے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تلوار کے قبضے پر بھی حُلیہ چاندی کا تھا۔ اِس پر اُس نے اَمامؑ سے عرض کی کہ یا حضرتؑ آپ بھی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ یہ سنتے ہی اَمام اپنی جگہ سے اُچھل پڑے اور کہنے لگے ہاں وہ صدیق ہے' ہاں وہ صدیق ہے۔ جو کوئی اُس کو صدیق نہ کہے خدا اس کی دنیا اور آخرت میں تصدیق نہ کرے۔"

اسی طرح حضرت اَمام جعفر صادق علیہ السلام سے بھی رِوایت ہے کہ آپ نے فرمایا۔

"کہ مجھے ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دو بار جنا ہے۔"

آپ کے اِس قول کی وجہ یہ تھی کہ پہلی جہت میں اَمام جعفر صادق علیہ السلام کی والدہ ماجدہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اُولاد سے تھیں اور دوسری جہت کے اعتبار سے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک خاص نسبت رکھتے تھے

اور آپ ﷺ میں فانی اور یہی نسبت جذبہ و سلوک' حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام تک اسی خصوصیت کے ساتھ پہنچی۔

میں اپنے پڑھے لکھے اہل علم افراد سے فقط یہ کہوں گا کہ ہمیں کسی کے عقیدے اور ایمان سے کوئی اختلاف نہیں ہے۔ کیونکہ میں تو خود اپنے ایمان کی سلامتی کے لیے دعا کرتا ہوں کہ خدا مجھے ہدایت دے اور ہر دم حق پر رکھے۔ تو جب حق کہا تو پھر حق سے منسلک جو چیز نظر آتی ہے وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ذات پاک ہے تو کیوں نہ ان کے ایمان کی وضاحت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ایمان کے مقابلے میں حاصل کریں۔ علامہ حلی' شرح تجرید میں رقم کرتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایک دن منبر پر فرمایا

"میں ہوں صدیق اکبر' میں ہوں فاروق اعظم' میں اسلام لایا قبل اسلام ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اور ایمان لایا قبل ایمان لانے کے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے۔"

قارئین کرام! حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جو کچھ فرمایا ہے عین حق سچ ہے۔ اگر اس فرمان کی تشریح اس طرح سے کی جائے جس طرح کہ بعض لوگ کرتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جب اپنے آپ کو بالترتیب صدیق اکبر اور فاروق اعظم کہا تو اس سے مراد یہ ہے کہ آپ ہی سب سے پہلے ہیں کہ جنہوں نے رسالت مآب کی تصدیق فرمائی اور یہ کہ آپ ہی ہیں کہ جو سب سے بڑھ کر عدل و انصاف کرنے والے ہیں۔ تو ہم یہ کہیں گے کہ بھائی ہمیں آپ کی اس تشریح میں بھی کوئی شک نہیں ہے۔ لیکن اگر یہ کہا جائے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ فقط اسلام لائے تھے لیکن ایمان نہ لائے تھے تو حضرت علی کا یہ فرمان اس کی خود ہی تردید کر دیتا ہے۔ اگر میں آپ سے یہ کہوں کہ میں نے جو لباس پہنا اور خوشبو لگائی ہے وہ آپ کے لباس اور خوشبو سے زیادہ اچھے ہیں۔ تو اس صورت میں' میں نے اپنے اور آپ کے درمیان موازنہ کیا ہے اور موازنہ صرف اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ جب ہم دونوں نے لباس پہنا اور خوشبو لگائی ہو۔ وہ الگ بات ہے کہ

Marfat.com

میری خوشبو اور لباس آپ سے بہتر ہے یا آپ کی خوشبو اور سوٹ مجھ سے بہتر ہے۔ تو حضرت علیؑ کا یہ فرمان کہ میرا اِسلام اور اِیمان زیادہ بہتر ہے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں۔ یہ ظاہر کرتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے موازنہ کیا ہے۔ اور ایک ایسے شخص سے کیا ہے جو یہ دونوں چیزیں رکھتا ہے۔ اگر وہ یہ دونوں چیزیں نہ رکھتے تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کیونکر اُن سے موازنہ کرتے۔ تو پھر یہ کہنا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اِسلام لائے تھے لیکن ایمان نہیں۔ ایک نہایت ہی جاہلانہ گفتگو ہے۔ دوسری طرف اگر اس فرمان کا مطلب اس طرح لیا جائے کہ میں ہوں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ۔ تو یہ ظاہر کرتا ہے کہ دونوں کی ناموس کی حفاظت کی ذمے داری خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے ذمے لی تھی۔ کہنا صرف اتنا ہے کہ تم میں سے اگر کوئی اِن چاروں ہستیوں کے علاوہ کسی کو مانتا ہے تو اُس کا مجھے علم نہیں۔ لیکن اگر تم ان چاروں میں سے صرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ہی مانتے ہو تو کم از کم اُن کی سنت پر تو عمل کرو۔

یہاں تک پہنچ کر آپ نے مجھ سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اہل بیتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق زمانہ صداقت کی کہانی تو سُن لی۔ اب ذرا زمانہ فاروقی میں چل کر مراد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت اَطہارؑ سے تعلقات کا جائزہ لے لیں تاکہ کسی فیصلے پر پہنچ سکیں۔ کیونکہ عام گمان یہی ہے کہ کشیدگی کی زیادہ تر وجوہات آپ کی ذات سے منسلک ہیں۔

میں نے آپ کو ابھی مراد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہا ہے۔ یہ لفظ خوبصورت تو لگتا ہے لیکن اس کے پیچھے جو جذبہ کار فرما ہے۔ وہ کسی عام ہستی کا جذبہ نہیں ہے کہ جس کو اللہ وحی الٰہی کے ذریعے اَپنے محبوبؐ میں پیدا فرماتا ہے۔ تو جس نے اس لفظ "مراد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" کی توہین کی تو اس نے جذبۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین کی اور جس نے جذبۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین کی تو اس نے اللہ کی توہین کی۔ میرے

Marfat.com

دوستو! جس وقت حضور ﷺ کو عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اِسلام لانے کی خبر ملی تھی۔ تو اس وقت جس جذبے کے ساتھ رسول اللہ ﷺ نے کلمہ حق بلند کیا تو اس میں پروردگار کی رضا شامل تھی۔ کیونکہ حضور ﷺ کا ہر عمل وحی الٰہی کا منتظر ہوتا ہے اور اس جذبے کی کیفیت یہ تھی کہ اس نے مکے کی پہاڑیوں کو تھرا کر رکھ دیا۔ اور اپنے محبوب پر یہ ظاہر کر دیا کہ جس طرح سے مکے کی پہاڑیاں کانپ اٹھی ہیں اسی طرح ایک دن عمر رضی اللہ عنہ کے جذبۂ ایمانی سے روم و ایران اور قیصر و کسریٰ کے ایوان بھی تھرا اُٹھیں گے۔ اور اگر ابھی بھی کچھ لوگوں کو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے مراد رسول ﷺ ہونے پر شک ہے تو آیئے ہم ایک بار پھر سے اپنے پانچویں اَمام حضرت امام باقرؑ سے کچھ سنتے ہیں۔ ملا باقر مجلسی بحارالانوار کی چودھویں جلد میں جس کا نام کتاب السماو العالم ہے۔ مسعود عیاشی سے روایت کرتے ہیں۔

"یعنی امام باقرؑ سے روایت ہے کہ پیغمبر خدا ﷺ نے دعا کی کہ الٰہی عزت دے اِسلام کو عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب کے اسلام لانے سے یا ابو جہل بن ہشام کے مسلمان ہونے سے۔"

تو قارئین کرام! آپ نے دیکھا کہ اَمامین بھی متفق ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلام کی عزت ہیں۔ تو یہ ہمارا فرض ہے کہ اِسلام کی عزت کو بلند رکھیں۔

خلیفہ ثانی رضی اللہ عنہ کے دور میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو یہ حیثیت حاصل تھی کہ جب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ دربار مدینہ سے باہر گئے تو انہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اپنا قائم مقام بنایا۔ اس میں ایک بار تو وہ لشکر کی کمان بنفس نفیس سنبھالنے کی نیت سے باہر گئے اور دوسری بار اُنہوں نے بیت المقدس کا سفر اختیار کیا۔ مجلس مشاورت میں بھی اِن کو اہم حیثیت حاصل تھی اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان کے مشوروں پر ہمیشہ عمل کرتے تھے۔ چنانچہ جب بیت المقدس کے محاصرہ میں کفار کا قافیہ تنگ ہو گیا تو انہوں نے ہتھیار ڈالنے کے لیے یہ شرط عائد کی کہ

Marfat.com

امیرالمومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ خود یہاں تشریف لا کر ہمارے لیے امان نامہ لکھیں۔ جب یہ بات بارگاہِ خلافت میں پہنچی تو انہوں نے اس مسئلے پر مجلس مشاورت طلب کی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ آپ کو بیت المقدس نہیں جانا چاہیے کیونکہ دشمن تنگ آ چکے ہیں۔ آپ جائیں یا نہ جائیں وہ ہر حال میں ہتھیار ڈال دیں گے اور آپ کے نہ جانے سے اِسلام کا رعب قائم رہے گا۔ لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے مشورہ دیا کہ آپ ضرور تشریف لے جائیں۔ اس سلسلے میں کفار پر مسلمانوں کے اِخلاق عالیہ کا اثر پڑے گا اور ان پر تبلیغ اسلام کے دروازے کھل جائیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس مشورے کو قبول کیا اور بنفس نفیس بیت المقدس تشریف لے گئے۔

ایک اور موقعہ پر جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا اِرادہ ہوا کہ وہ روم پر لشکر کشی کرنے والوں کی قیادت خود کریں تو انہوں نے مجلس مشاورت بلوائی اور ان کے سامنے یہ مسئلہ پیش کیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جو رائے دی وہ نہج البلاغہ میں آپ کے خطبہ 132 میں موجود ہے۔ "فرمایا! آپ کو خود نہیں جانا چاہیے بلکہ اپنی جگہ کسی اور تجربے کار آدمی کو بھیجنا چاہیے۔ کیونکہ "اگر اللہ نے آپ کو ظفرمند کیا تو عین مطلب ہے اور اگر دوسری صورت ہوگئی تو آپ مسلمانوں کے لیے مددگار اور جائے رجوع ثابت ہوں گے۔"

اِس رائے سے جہاں جنابِ علیؑ کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شخصیت کے متعلق یہ خوش آئند تبصرہ سامنے آتا ہے کہ بحیثیت خلیفہ میں "تمام مسلمانوں کے لیے جائے رجوع" سمجھتے تھے وہاں اس پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ امیرالمومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ آپ کے مشوروں کو کتنی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ اُنہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اِس رائے پر عمل کیا۔ مختلف مہمات پر خود خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے آپ کو مدینے سے باہر اس لیے بھیجا کہ وہ آپ کے مشوروں سے مستفیض ہونا چاہتے تھے۔ جس نے دامان رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں تربیت

Marfat.com

حاصل کی ہو خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اس کے مشوروں سے محروم ہونا پسند نہ کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اُنہوں نے ہر نازک مرحلے میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اپنے ساتھ رکھا اور وہ ملکی اور دینی معاملات میں ان کے مشوروں پر عمل کرتے رہے۔ ایک دفعہ امیرالمومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک شخص نے عرض کیا۔ میری شادی کو آج چھٹا مہینہ ہے لیکن میری عورت کے ہاں بچہ پیدا ہو گیا ہے اِس بارے میں کیا حکم ہے؟ فرمایا! عورت کو سنگسار کر دو۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی اِس مجلس میں موجود تھے۔ کہا "یہ فیصلہ ٹھیک نہیں ہے۔" پھر اِس وقت ایک اور عورت حاضر ہوئی جس کے پیٹ میں حرام کا بچہ تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عورت کی سنگساری کا حکم ایک بار پھر دیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ پھر نہ رہ سکے فرمایا! "اگر گناہ کیا ہے تو اس عورت نے کیا ہے اس میں بچے کا کیا قصور ہے جو ابھی پیٹ میں ہے۔" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا! جی بہت بہتر ہے سزا وضع حمل تک ملتوی رکھی جائے۔ اس موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تاریخی جملہ فرمایا!۔

"اگر علیؑ نہ ہوتے تو عمر رضی اللہ عنہ ہلاک ہو چکا تھا۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کس قدر متاثر تھے اس کا اندازہ ہمیں امام ابو یُعلی" کی اس روایت سے ہوتا ہے جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

"حضرت علی کرم اللہ وجہہ تین ایسی خوبیوں کے حامل ہیں کہ مجھے اگر ان میں سے ایک حاصل ہو جائے تو وہ مجھے سرخ اُونٹوں کے ملنے سے بھی زیادہ پسندیدہ ہے۔ ایک اُن کا حضرت فاطمہؑ سے عقد ہونا' دوسرا اُن کا سید عالم کے ہمراہ مسجد میں سکونت پذیر ہونا جو کہ اُنہی کے لیے روا ہے میرے لیے جائز نہیں اور تیسرے خیبر کے دن اُنہیں پرچم کا ملنا۔"

میری اِس ناقص عقل سے یہ سوچ باہر ہے کہ اگر خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم خود اپنے منہ سے اہل بیت اَطہارؑ کی شان و عظمت بیان کرتے تھے اور بار بار ان کو

Marfat.com

اپنے لیے سرچشمہ ہدایت قرار دیتے تھے تو پھر آخر یہ اِختلافات کیوں اتنے بڑھتے جا رہے ہیں۔ بلکہ مسلمانوں کے ان اختلافات کو دور کرنے کے لیے خود مسلمانوں کے چھٹے اَمام حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے ان خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے اِخلاق کی تعریف کی ہے۔ بہارالانوار میں مُلا باقر مجلسی لکھتے ہیں کہ حضرت اَمام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

"دونوں (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ و حضرت عمر رضی اللہ عنہ اَمام ہیں عادل اور انصاف کرنے والے دونوں حق پر تھے اور مرے حق پر۔ ہو رحمت خدا کی قیامت کے دن۔"

اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ اُنہوں نے یہ سب کچھ تقیہ کے سبب کہا تھا تو میں کہوں گا کہ بھائی کون سا تقیہ کیسا تقیہ۔ میں نے تو ساری تاریخ کھول کر دیکھی مجھے تو کوئی ایسا لفظ بھی نظر نہیں آیا۔ اگر آپ کو یقین نہیں آتا تو ٹھیک ہے میں یقین دلائے دیتا ہوں کیونکہ مجھے یہ گوارہ نہیں کہ ہمارے مسلمان بھائی صرف ایک غلط فہمی کی بناء پر ہم سے دور ہو جائیں۔ ملا یعقوب کالینی اور مُلا باقر مجلسی دونوں ہی بہار الانوار میں رقم کرتے ہیں کہ جو صحیفہ اَمام جعفر صادقؑ پر نازل ہوا تھا اس میں اُن کے لیے یہ حکم تھا۔

"تمام مخلوق کو فتویٰ دو اور ان سے بات کرو اور کسی سے خدا کے سوا نہ ڈرو اور اپنے اہل بیتؑ میں علوم کو منتشر کرو اور اپنے آباء صالحین کی تصدیق کرو اس لیے کہ تم حذر اور امانی میں ہو۔"

تو میں اپنے اہل علم بھائیوں سے یہ سوال کروں گا کہ کیا جو کچھ میں نے کہا غلط کہا؟ کیا حضرت اَمام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کو ہر قسم کے خوف سے اللہ تعالیٰ نے منع نہیں فرمایا؟ اور پھر یہ کیسے مان لیا جائے کہ آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں سے یہ جو اَمام گزرا ہے وہ اس حکم الٰہی کو نہ مانے اور تقلید کرے؟ اگر یہ نظریہ میرے قارئین مان سکتے ہیں تو وہ بلا جھجک کم از کم مجھے ضرور سمجھائیں تاکہ میں اپنے اِیمان کو بہتر کر سکوں۔

Marfat.com

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو جگر گوشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بی بی فاطمتہ الزہراؑ کے دونوں صاحبزادوں حسنؑ اور حسینؑ کا بھی بے حد احترام تھا کہ اُن کی تعظیم کو روز محشر اپنے لیے وسیلہ نجات سمجھتے تھے۔ آپ سے متعلق ایک روایت ہے جو مختلف مصنفین نے مختلف انداز میں بیان کی ہے کہ لیکن مفہوم سب کا ایک ہی ہے۔ واقعہ کچھ اس طرح ہے کہ۔

"حضرت امام حسن علیہ السلام اور حضرت امام حسین علیہ السلام جب چھوٹے تھے تو ایک دن ایک درخت سے کھجوریں توڑ توڑ کر نیچے پھینک رہے تھے۔ اتنے میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی وہاں سے گزرے وہ بھی اس وقت تقریباً حسینؑ کریمین کی عمر کے تھے۔ جب حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے دونوں شہزادوں کو کھجوریں توڑتے دیکھا تو جی چاہا کہ جو کھجوریں وہ زمین پر پھینک رہے ہیں اِن کو اٹھالیں۔ لیکن جب اُنہوں نے کھجوریں اٹھانے کا قصد کیا تو دونوں شہزادوں میں سے ایک بولے (یہ معلوم نہیں کہ وہ حسنؑ تھے یا حسینؑ) کہ اے غلام زادے! یہ کھجوریں رکھ دے اور چلا جا۔ جب حضرت عبداللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنا تو روتے ہوئے اپنے والد بزرگوار حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور شکایتاً کہا کہ حسنین کریمینؑ نے انہیں غلام زادہ کہا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سنا تو فوراً اپنے بیٹے سے پوچھا کہ واقعی تو سچ کہہ رہا ہے اور اپنے فرزند سے کہا کہ بیٹا جا کر اُن کو کہہ کہ جو انہوں نے فرمایا ہے وہ ایک کاغذ پر لکھ دیں۔ پھر اپنے اہل سے فرمایا جس وقت میرا وصال ہو تو یہ کاغذ میرے کفن کے ساتھ رکھ کر مجھے دفنانا کیونکہ شاید یہی کاغذ میری نجات کا وسیلہ بنے۔"

لنگر یہی، یہی ہے سفینہ نجات کا
مالک ہے کون اس کے کائنات کا

Marfat.com

ایک بار پھر جب آپ کے دور خلافت میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے وظائف مقرر ہوئے تو گو حسنینؑ اکابر صحابہ کی صف میں نہ آتے تھے۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نسبت کی وجہ سے ان کا بھی پانچ پانچ ہزار ماہانہ وظیفہ مقرر کیا گیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا جلال اور اُن کی ہیبت بہت مشہور ہے۔ بڑے بڑے گردن کشوں کے سر جلال فاروقی کی چوکھٹ پر جھک جاتے تھے۔ وہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ جن کی ہیبت سے شاہان روم و ایران کے محلوں میں زلزلہ پڑ جاتا تھا اپنے عہد خلافت میں ایک دن مسجد نبوی میں خطبہ پڑھ رہے تھے۔ اِتفاق سے حضرت اَمام حسینؑ اس طرف کہیں سے کھیلتے ہوئے نکل آئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو منبر پر دیکھ کر فرمایا۔

"تم میرے باپ کے منبر پر بیٹھنے والے کون ہوتے ہو؟ نیچے اُترو۔ اگر تمہیں بیٹھنا ہے تو اپنے باپ کے منبر پر بیٹھو۔"

مسجد کے در و دیوار سناٹے میں آ گئے۔ فرزند رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت ہیبت فاروقی رضی اللہ عنہ پر چھا گئی اور تمام لوگ تجسّس سے دیکھنے لگے کہ اَب کیا ہوتا ہے لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسکرا کر جواب دیا۔

"صاحبزادے! یہ منبر بے شک تمہارے باپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے لیکن میں کہاں جا کر بیٹھوں۔ میرے باپ کا کوئی منبر نہیں۔"

یہ کہہ کر آپ رسول محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت پر عمل کرتے ہوئے خطبہ چھوڑ کر منبر سے نیچے اُترے اور حضرت اَمام حسینؑ کو گود میں اٹھا کر اپنے پاس بٹھا لیا اور پوچھا تمہیں اس چیز کا کس نے حکم دیا ہے؟ حضرت علیؑ کھڑے ہوئے اور کہا اس کو کسی نے یہ کہنے کا حکم نہیں دیا؟ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خطبہ مکمل کیا۔ اور حسینؑ پاس بیٹھ کر کنکریوں سے کھیلتے رہے۔ اللہ اللہ کیا عظمت ہے فرزند رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ذات "اشداء علی الکفار" کی سچی تفسیر تھی۔ جس کی تلوار نیام سے باہر نکلنے کے لیے ہر وقت تڑپتی رہتی تھی' جس کے گھوڑے کی ٹاپ سے عرب و عجم کے در و دیوار ہل جاتے تھے' جس کی

صورت دیکھ کر قلعوں کے دروازے کھل جاتے تھے' جس کی رایت اقبال نے درمنش قادیانی کو خاک میں ملا دیا تھا' جس کا لحاظ خود رسول اکرم ﷺ فرماتے تھے۔ وہ لحاظ کرتا ہے' اَدب و احترام کرتا ہے ننھے کم سن حسینؑ کا! اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت حسینؑ کو اپنی گود میں اُٹھا کر اپنے مکان میں لے گئے اور پوچھا اے میرے بیٹے! یہ تمہیں کس نے سکھایا ہے؟ حضرت حسینؑ نے فرمایا! مجھے کسی نے نہیں سکھایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا! اے میرے بیٹے! کاش! کہ تم ہمارے پاس آمد و رفت رکھتے تو بڑا اچھا ہوتا۔

حضرت اَمام حسینؑ خود روایت فرماتے ہیں کہ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ایک دن ان سے ملنے کے لیے گیا۔ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ تخلیہ میں معاویہ سے کچھ باتیں کر رہے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بھی اپنے باپ کی خدمت میں شرف۔ بازیابی حاصل کرنے کے لیے آئے تھے۔ لیکن تخلیہ دیکھ کر واپس جانے لگے۔ حضرت اَمام حسینؑ ارشاد فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو واپس جاتے دیکھ کر میں بھی چلا گیا۔ چند روز کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے فرمایا! اے فرزند رسول ﷺ ! تمہاری کئی دن سے زیارت نصیب نہیں ہوئی۔ حضرت حسینؑ نے جواب دیا کہ یا اَمیرالمومنین رضی اللہ عنہ ! فلاں دن آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا لیکن آپ معاویہ سے تخلیہ میں کچھ باتیں کر رہے تھے۔ آپ کے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی بازیابی کے اُمیدوار تھے لیکن جب وہ اپنے مکان میں واپس چلے گئے تو میں چلا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

"تمہاری اور عبداللہ رضی اللہ عنہ کی برابری! تم اس سے درجے میں بہت بلند ہو۔ تمہارے لیے اِجازت طلب کرنے کی ہرگز ضرورت نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے بعد درجہ عالی تم ہی کو حاصل ہے۔"

میں ایک بار پھر اپنے تمام مسلمان بھائیوں کو یہ کہوں گا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ان الفاظ کو گوش حقیقت۔ ہوش سے سنیں اور چشم بصیرت سے پڑھیں۔ عمر

Marfat.com

فاروق رضی اللہ عنہ ایسا دلیر و صاف گو انسان جس نے حق کے مقابلے پر اپنے بیٹے ابو شحمہ کی بھی ذرہ برابر پرواہ نہ کی۔ جس نے ذرا سی بات پر اُس خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو منصبِ سپہ سالاری سے معزول کر کے ایک ادنیٰ قیدی بنا دیا کہ جسے "سیف اللہ" کا خطاب حاصل تھا۔ اپنے اس بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ جو کہ ایک مایہ ناز محدث ہے، کے مقابلے میں حضرت امام حسین ؑ سے کہتا ہے۔

"اے فرزند رسول صلی اللہ علیہ وسلم! عبداللہ رضی اللہ عنہ! اگر عمر رضی اللہ عنہ کا دل بند ہے تو تم شہنشاہِ دوجہاں محبوب رب المشرقین و المغربین صلی اللہ علیہ وسلم کے نور نظر ہو۔"

ایک دفعہ مسجد نبوی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے۔ حضرت حسین ؑ تشریف لائے اور فرمایا! اے امیرالمومنین رضی اللہ عنہ! ہمارا حق جو اللہ نے مقرر کیا ہے ہمیں عطا کرو آپ نے فرمایا۔ بالبر دلة و لکر امة۔ اور ایک ہزار درہم نذر کیے۔ ان کے جانے کے بعد حضرت حسین ؑ تشریف لائے۔ آپ نے ان کو بھی ایک ہزار درہم دیئے۔ ان کے بعد آپ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔ آپ نے ان کو پانچ سو درہم دیئے۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبداللہ رضی اللہ عنہ نے جب یہ خصوصی اِمتیاز دیکھا تو کہا! اباجان! یہ کیا انصاف ہے میں بہت پہلے اسلام لایا، ہجرت کی شرافت بھی حاصل کر چکا ہوں اور کئی اسلامی معرکوں میں شامل ہو چکا ہوں۔ مگر آپ اِن دونوں کو مجھ پر ترجیح دیتے ہیں؟ انہیں ایک ایک ہزار کی گرانقدر رقم اور مجھے صرف پانچ سو درہم۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر ایک تاریخی جواب دیا۔

"اے جان پدر! مجھے تمہارے اِس سوال سے بہت روحانی اَذیت ہوئی۔ بیٹا! پہلے وہ مقام اور فضیلت تو حاصل کرو جو ان شہزادوں ؑ کو حاصل ہے پھر ہزار درہم کا مطالبہ کرنا۔ جاؤ پہلے ان کے نانا جیسا نانا لاؤ، ان کی نانی جیسے نانی لاؤ، انکے باپ جیسا باپ لاؤ، ان کی ماں جیسی ماں لاؤ، ان کے چچا

جیسا چچا لاؤ' ان کی پھوپھی جیسی پھوپھی لاؤ' ان کے ماموں جیسا ماموں لاؤ۔ اے عبداللہ رضی اللہ عنہ ! خدا کی قسم میں جانتا ہوں کہ تم ہرگز نہ لا سکو گے۔ اُن کے نانا جان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں' اُن کی والدہ حضرت فاطمہؑ سید النساء العالمین ہیں۔ اُن کے باپ علی مرتضیٰؑ شیر خدا ہیں' اُن کی نانی اُم المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ہیں' اُن کے ماموں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صاحبزادے ہیں' اُن کے چچا حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ ہیں' اُن کی پھوپھی حضرت اُم ہانی رضی اللہ عنہا ہیں۔ پھر تم کس منہ سے اُن کی برابری کا دعویٰ کر سکتے ہو۔"

جب اس حسن سلوک کی خبر حضرت علیؑ کو پہنچی تو آپ نے فرمایا!

"میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ اہل جنت کے لیے چراغ ہیں۔"

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ یہ خبر سن کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دولت کدہ پر تشریف لے گئے اور فرمایا اے ابوالحسنؑ ! کیا آپ نے خود سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ "عمر اہل جنت کا چراغ ہے" آپ نے فرمایا! ہاں میں نے اپنے کانوں سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ ارشاد گرامی فرماتے ہوئے سنا ہے۔ آپ نے فرمایا!

"اے علیؑ ! آپ اپنے ہاتھ سے یہ حدیث لکھ کر مجھے عنایت کر سکتے ہیں؟"

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کیوں نہیں۔ چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے دست مبارک سے یہ تحریر لکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے کی۔ تحریر کچھ اس طرح سے تھی۔

"یہ وہ بات ہے جس کے ضامن علیؑ ابن ابی طالبؑ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب اہل جنت کے چراغ ہیں۔"

(الریاض النظرۃ)

Marfat.com

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نجات کی یہ دستاویز لے کر خوش خوش واپس لوٹے اور گھر والوں کو تاکید فرمائی کہ جب میری وفات ہو تو اس تحریر کو میرے کفن میں رکھ دیں۔ چنانچہ جب آپ شہید ہوئے تو وہ کاغذ حسبِ وصیت آپ کے کفن میں رکھ دیا گیا۔ (روایت ابن عساکر)

ایک اور روایت میں جب یمن کے بنے ہوئے حُلے مدینہ میں پہنچے اور سب لوگوں میں تقسیم ہو گئے۔ لوگ حلے پہن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو سلام کرنے مسجد کی طرف آ رہے تھے کہ حضرت حسنؑ و حسینؑ بھی تشریف لائے۔ مگر ان کے جسم پر کوئی حلہ (قیمتی چوغہ) نہ تھا۔ آپ نے بے قرار ہو کر فرمایا۔ لوگو! تمہارے حلے پہننے سے مجھ کو خوشی نہیں ہوئی کیونکہ ان شہزادوںؑ کی طفیل تمہیں حلے ملے ہیں۔ لیکن ان کے جسم حلوں سے خالی ہیں۔ اسی وقت حاکم یمن کو لکھا کہ دو قیمتی حلے بھیج دو اور جب حسنینؑ وہ حلے پہن کر نکلے تو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرط مسرت سے فرمایا! "اب مجھے سچی خوشی حاصل ہوئی ہے۔" (ابن عساکر)

قارئین کرام! یہ تمام واقعات اس اَمر کے علاوہ اور کچھ بھی ظاہر نہیں کرتے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی محبت و احترام اہل بیتؑ کے لیے مسلم تھی۔ قارئین کرام یہی تو وہ باتیں ہوتی ہیں کہ جن کو بنیاد بنا کر کسی انسان کے اِخلاق و کردار کا اَندازہ لگایا جاتا ہے۔ اگر میرا کسی ایسے بندے سے واسطہ پڑے کہ جس کو میں نہیں جانتا تو اس کو پرکھنے کے لیے مجھے کچھ وقت لگے گا۔ جس کے دوران میں یہ اَندازہ لگانے کی کوشش کروں گا کہ وہ میرے بارے میں کیا خیالات رکھتا ہے؟ میری ذات کے اعتبار سے اس کے منفی اور مثبت پہلو کیا ہیں؟ میرے کاروبار میں میری کس حد تک مدد کر سکتا ہے؟ میری اُولاد کے ساتھ اس کا سلوک کیسا ہے؟ میرے والدین سے اس کا احترام کیسا ہے؟ اگر میں نہ رہوں تو وہ کس حد تک میری آل سے مخلص ہو گا؟ میرے دوست ہم تو پھر بشر ہیں لیکن اگر ہم اُس نور سے دریافت کریں کہ جن کو ہم سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہتے ہیں۔ تو پھر وہ بغیر جانچے

Marfat.com

پہچانے ایسے انسان یعنی عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اپنے برگزیدہ صحابی کا درجہ کیونکر دیتے اگر ان کو یہ یقین ہوتا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا رویہ میری آل کے ساتھ ٹھیک نہ ہوگا۔ اور وہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہ جو غیبی حالات سے بھی واقف تھا۔ لیکن ہمیں کوئی ایسا وقت نظر نہیں آتا کہ جس وقت آپؐ نے ان سے متعلق کوئی منفی بات کہی ہو۔ میرے بھائی انسان کی کچھ اپنی عقل بھی ہوتی ہے۔ انسان کو یہ خدا کی طرف سے اس لیے عطا ہوئی ہے کہ وہ کسی حد تک خود بھی چیزوں کے اَندازے لگا سکے۔ ہمارا دین تو دین فطرت ہے تو پھر کیوں نہیں اس فطرت کے اصولوں پر رہ کر سوچتے ہو۔ جبکہ اتنے واقعات خود زبان اہل بیتؑ سے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہ کے ساتھ خوشگوار تعلقات کو بھرپور طریقے سے عیاں کرتے ہیں۔

قارئین کرام! ہم نے تو ہر لحاظ سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی کو محض آپ کے لیے پرکھا ہے۔ اَمامین کے اِرشادات بھی واضح کیے ہیں۔ اپنے دل سے بھی پوچھ کر دیکھا ہے اور اپنی عقل سے بھی۔ لیکن جب دونوں ہی ایک جیسا جواب دیں تو ہم ان کو مجبور تو نہیں کر سکتے۔

اَب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانے کا ذکر بھی سن لیجئے۔ اس سلسلے میں اختلافی روایات بھی موجود ہیں مگر میں تو قرآن کو ہی مانتا ہوں اور جو تاریخی روایات قرآن کی خلاف ہوں ان کو آگ میں جھونک دینے کا قائل ہوں۔ قرآن نے ان صحابہ رضی اللہ عنہ کی صفت یہ بیان کی ہے۔ کہ وہ "اشداء علی الکفار" اور رُحماء بَینھم ہیں۔ گویا وہ اِقبال کے اس شعر کی زندہ تفسیر تھے۔

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

اِختلافات تو تقاضائے بشریت ہیں اور اس حقیقت سے کوئی منحرف نہیں ہو سکتا۔ اختلاف رائے تو اصحابہ کرام رضی اللہ عنہ میں بھی تھا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ

Marfat.com

میں بھی ہوا اور عثمان رضی اللہ عنہ و علیؑ میں بھی تھا۔ لیکن میں یہ جاننے کے لیے تیار نہیں کہ ان کے دل ایک دوسرے سے کٹے ہوئے اور پھٹے ہوئے تھے یا وہ باہم مخالف تھے۔ آپ اس سلسلے میں بڑے بڑے مورخ کو بطور شہادت پیش کر دیں مگر میں قرآن کی تصریح کے بعد کسی مورخ سے مرغوب ہونے کے لیے تیار نہیں۔ میرے نزدیک تاریخ کا وہ سارا کا سارا دفتر بے معنی اور جلا دینے کے قابل ہے جس میں اس طرح کی مخالفت کے من گھڑت قصے موجود ہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ و حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے تعلقات کا اندازہ لگانے کے لیے مندرجہ ذیل تاریخی حقائق کو نگاہ میں رکھیں۔

"حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور میں طبرستان کی جنگ سن 30 ہجری میں ہوئی۔ اس کے لیے جو لشکر بھیجا گیا اس میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے صاحبزادے حضرت حسینؑ بھی شامل تھے۔ اور انہوں نے کفار سے لڑائی کی اگر ان کے درمیان اختلافات ہوتے تو ان کے صاحبزادے کس طرح ایک مجاہد کی حیثیت سے لشکر میں شامل ہوتے۔"

جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر باغی ہجوم کر کے آئے تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ہی انہیں دوبارہ مدینے سے دور کر دیا۔ جب وہ تیسری بار آئے تو ان کے ہاتھ میں ایک خط تھا اور شتر سوار ان کے ساتھ تھا انہوں نے خط پیش کیا۔ اس پر مہر خلافت ثبت تھی اور اس میں حاکم مصر کو یہ ہدایت کی گئی تھی کہ انہیں پہنچتے ہی گرفتار کر لیا جائے اور سنگین سزائیں دی جائیں۔ باغیوں نے کہا یہ تو سخت ناانصافی ہے کہ یہاں تو انہیں امان دی جائے اور وہاں یہ ہدایت دی جائے کہ ان سب کو سنگین سزائیں دی جائیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ان باغیوں پر جرح کی کہ تم تین گروہ تھے اور مدینہ سے جاتے وقت تم میں سے ایک مصر کی طرف روانہ ہو گیا تو دوسرا گروہ کوفہ و شام اور بصرہ کی طرف علیحدہ علیحدہ روانہ ہوئے۔ اب جبکہ تمہارے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ شتر سوار اور خط مصر والے

Marfat.com

گروہ کو ملے ہیں تو اُس گروہ کے اَفراد کا یہاں آنا تو سمجھ میں آتا ہے لیکن شام اور بصرہ کے گروہ کس طرح یہاں پر آگئے اور اُنہیں کس طرح خبر ملی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تمہاری نیت میں فتور ہے۔ اس زوردار جرح اور فراستِ مرتضویؑ کے اِس شاندار مظاہرے کے بعد یہ بات کہنے کی ضرورت نہیں کہ باغیوں کے استدلال کا تارو پود بکھر کر رہ گیا اور اِپنا سامنہ لے کر رہ گئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جب باغیوں کے خلاف جنگ کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اِجازت چاہی تو آپ نے اِنکار کر دیا اور کہا میں نہیں چاہتا کہ مسلمان میری وجہ سے فتنہ و فساد میں مبتلا ہوں۔ سبب یہ تھا کہ وہ مسلمان (بلکہ صرف کلمہ گو) پر بے حد شفیق تھے اور ان کا بہانا اُنہیں پسند نہ تھا۔ وسیع النظری کا یہ عالم تھا کہ جب مسلمانوں نے ان سے دریافت کیا کہ مسجد نبویؐ میں باغی اَمامت کراتے ہیں کیا ہم ان کے پیچھے نماز پڑھ لیں تو آپ نے فرمایا!

"یعنی جب وہ اچھا کام کریں تو ساتھ دو اور جب برائی کریں تو ان کے برے کام سے بچو۔"

جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کو منع کر دیا گیا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حفاظت کے لیے اَپنے دونوں لختِ جگر حسنؑ و حسینؑ بھیج دیا اور وہ آخر وقت تک ان کے مکان کے گرد پہرہ دیتے رہے۔ خود اَندازہ فرمالیجئے کہ جس کے مکان کی حفاظت اور پہرے کے لیے حسنؑ و حسینؑ تیار ہو جائیں تو اس مکان کے مکینوں کی رفعت کا کیا اندازہ؟

قارئین کرام! جب اِن فرقہ پسندوں جن کا ذکر میں کرتا آ رہا ہوں ان کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حلیم اور مستقل مزاج طبیعت کی وجہ سے کوئی ایسا موڑ نظر نہ آیا کہ جہاں پر وہ ان کی اہل بیتؑ کے ساتھ اَن بَن کر سکتے۔ تو اُنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جیسی آئینے کی طرح صاف اور پاکیزہ شخصیت پر اس طرح سے کیچڑ اچھالا کہ ان پر یہ تہمت لگا دی کہ انہوں نے قرآن پاک کے دس سپارے

Marfat.com

غائب کر دیئے۔ اور یہ کہ اَصل قرآن پاک چالیس سپاروں کا تھا۔ جب یہ بات میں نے پہلی بار سنی تو میں اِس قدر حیران اور رنجیدہ ہوا کہ کوئی شخص جہالت اور اِنتہا پسندی کی اس حد کو بھی پہنچ سکتا ہے۔ محض اپنے مذموم اِرادوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے خدا کی الہامی کتاب کی تکمیل میں بھی شک کرنا شروع کر دیا۔ میں حیران ہوں کہ اِس قدر صاف اور سیدھی بات کہ جس کو بچہ بھی سمجھ سکتا ہے اس کو سمجھانے کے لیے مجھے یہاں بھی وضاحت کرنی پڑے گی۔ میرے برادر گرامی اگر تم ایک سچے مسلمان ہو اور تم نے قرآن پاک کو ترجمے کے ساتھ پڑھا ہوا ہے۔ تو تمہیں یہ پتہ ہونا چاہیے کہ اللہ نے اپنی کتاب کی حفاظت کی ذمہ داری خود اپنے ذمے لے رکھی ہے اور بار بار وہ مخالفین کو چیلنج کرتا ہے کہ اس جیسی ایک سطر بھی بنا کر لے آؤ۔ چودہ سو سال گزر گئے لیکن آج تک کوئی ایسا نہ کر سکا صرف اس وجہ سے کہ یہ خدا کا اپنا چیلنج ہے کہ تم کبھی بھی ایسے نہ کر سکو گے۔ کیونکہ میں نے اس کتاب کو قیامت تک کے لیے ضابطہ حیات بنا کر اس کے ایک ایک لفظ کو محفوظ کر دیا ہے۔ پھر اس کتاب کی تکمیل میں شک کرنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے کردار پر شک کرنا نہیں۔ بلکہ یہ تو خدا کی خدائی میں شک ہے کہ تم یہ کہتے ہو کہ ہم نے اللہ کے اس چیلنج کے باوجود ایسا کر دکھایا ہے۔ (استغفراللہ)

حضرت مجدد الف ثانیؒ اس ضمن میں مکتوب نمبر 54 میں فرماتے ہیں۔

"قرآن مجید اور شریعت مطہرہ کی تبلیغ و اشاعت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کی ہے۔ اِس مبارک گروہ پر احترام لازم آتا ہے۔ قرآن مجید کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جمع کیا ہے۔ اگر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ مطعون و قابل اعتراض ٹھہریں تو قرآن کو بھی غلط کہنا پڑے گا۔"

میرے بھائی میں تو صرف تمہیں اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ کیوں اپنی عاقبت کو خراب کرتے ہو اور جن باتوں کو دل اور عقل دونوں ماننے کو تیار نہیں اس کے پیچھے کیوں جاتے ہو۔ سچ کہتے ہیں کہ جھوٹ کا نہ کوئی سر ہوتا ہے اور نہ پاؤں۔

Marfat.com

یہ تھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ، عمر رضی اللہ عنہ ، عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے تعلقات کی نوعیت۔ آپ نے خود بھی اِس پر بڑے دلچسپ اَنداز میں روشنی ڈالی۔ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دور خلافت میں کسی نے اُن سے سوال کیا کہ پہلے خلفاء کا زمانہ تو امن و اَمان سے کٹ گیا۔ لیکن آپ کے دور میں یہ فتنہ و فساد کیوں ہے۔ تو جناب علیؑ نے جواب دیا۔

"اُن کے مشیر ہم تھے اور ہمارے مشیر تم ہو۔"

قارئین کرام اَب جبکہ کسی حد تک خلفائے راشدین رضی اللہ عنہ کے اہل بیتؑ کے ساتھ تعلقات کو واضح ہو چکے۔ تو ضروری ہے کہ ایک اور نہایت اہم مسئلہ کی طرف آپ کی توجہ مبذول کروں کہ جو اَصل میں اِس مذہبی گروہ بندی کی بنیاد سمجھی جاتی ہے اور اس بنیاد کا تعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال سے ہے۔ کیونکہ شیخین اکرام رضی اللہ عنہ کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تجہیز و تکفین میں عدم موجودگی کو ہر گروہ نے اپنے اپنے مطلب کے مطابق سمجھا اور حقیقی پہلوؤں کو نظرانداز کر دیا۔ اس کے علاوہ ایک اور مسئلہ بھی ہے کہ ایک روایت کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آخری اِحکام کی بجا آوری نہیں کی۔ یہ وہ مسائل ہیں کہ جن سے اِس باہمی انتشار کا آغاز ہوا اور زمانہ کی تیز و تند ہوا نے اِس بھڑکتی ہوئی آگ پر تیل کا کام کیا اور اِس کی زد میں آج بھی سینکڑوں مسلمان لقمہ اجل بن رہے ہیں۔ یہاں پر میں اُنہی مسائل کی وضاحت فقط اس نقطۂ نظر سے کروں گا کہ جو حق ہے۔ اس کو بیان کروں جو صحیح ہے اور کوشش یہی ہے کہ ان مذہبی تفرقات کے دامن میں ایک مصالحت کی کرن روشن کر سکوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بروایت مشہور 13 دن بیمار رہے۔ بیہقی نے بسند صحیح دس دن کی تعداد بیان کی ہے۔ سلیمان تیمی نے بھی اَپنی مغازی میں یہی تعداد لکھی ہے۔ (فتح الباری صفحہ 98)

بیماری کی حالت یکساں نہ تھی کبھی بخار کی شدت ہو جاتی تھی اور کبھی اِس

Marfat.com

قدر اَفاقہ ہو جاتا تھا کہ مسجد میں جا کر نماز ادا فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ عین وفات کے دن نماز فجر کے وقت اِس قدر بحال تھے کہ آپؐ دروازے تک آئے اور پردہ اُٹھا کر لوگوں کو نماز پڑھتے دیکھا تو نہایت محظوظ ہوئے اور تبسم فرمایا۔ اس بیماری کا مشہور واقعہ قرطاس کا واقعہ ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ آپؐ نے وفات سے تین دن پہلے قلم اور دوات طلب کیا اور فرمایا کہ میں تمہارے واسطے ایسی چیز لکھوں گا کہ تم آئندہ گمراہ نہیں ہوگے۔ اِس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ آنحضرت ﷺ کو درد کی شدت ہے اور ان کو تکلیف نہ دی جائے اور ہمارے لیے قرآن کافی ہے۔ لیکن حاضرین میں سے بعض کو جو منافقین میں سے تھے وہ تو اس موقع کے انتظار میں تھے کہ انتشار کی کوئی صورت پیدا ہو۔ چنانچہ اُنہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ بہکی بہکی باتیں کر رہے ہیں۔ (نعوذ باللہ) روایت میں ہجر کا لفظ ہے جس کے معنی ہزیان کے ہیں۔

اب غور طلب بات یہ ہے کہ بظاہر تو یہ واقعہ تعجب انگیز ہے اور ایک معترض کہہ سکتا ہے کہ اس سے زیادہ اور کیا گستاخی ہوگی کہ جناب رسول اللہ ﷺ بستر مرگ پر ہیں اور اُمت کی دردو غمخواری کے لیے فرماتے ہیں کہ لاؤ میں ایک ہدایت نامہ لکھ دوں جو تم کو گمراہی سے محفوظ رکھے۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس سے بے پرواہی ظاہر کرتے ہیں۔ یہ اَعتراض ایک مدت سے چلا آتا ہے اور مسلمانوں کے دو مختلف گروہ نے اِس پر بڑی طبع آزمائیاں کی ہیں۔ لیکن چونکہ اس بحث میں غیر متعلق باتیں چھیڑ گئیں اور اَصول روایت سے کسی نے کام نہ لیا۔ اس لیے اصل مسئلہ نامنفعل رہا اور عجیب عجیب بیکار بحثیں پیدا ہو گئیں۔ یہاں تک کہ یہ تک کہہ دیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ کو ہزیان ہونا ممکن ہے۔ کیونکہ ہزیان انسانی عوارض میں ہے اور آنحضرت ﷺ عوارض انسانی سے بری نہ تھے۔ یہاں دراصل یہ اَمر غور طلب ہے کہ جو واقعہ جس طریقے سے روایتوں میں منقول ہے اس سے کسی اَمر پر اِستنباط ہو سکتا ہے یا نہیں۔ اس بحث کے لیے ذیل کے واقعات کو پیش

Marfat.com

نظر رکھنا چاہیے۔

1۔ آنحضرت ﷺ کم و بیش تیرہ دن بیمار رہے۔

2۔ کاغذ قلم دوات طلب کرنے کا واقعہ جمعرات کے دن کا ہے جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم میں تبصرہ مذکورہ ہے اور چونکہ آنحضرت ﷺ نے دو شنبہ کے دن انتقال فرمایا۔ اس لیے اس واقعہ کے بعد آنحضرت ﷺ چار دن تک زندہ رہے۔

3۔ اِس تمام مدتِ بیماری میں آنحضرت ﷺ کی نسبت اور کوئی واقعہ اختلال حواس کا کسی روایت میں مذکور نہیں۔

4۔ اس واقعہ کے وقت کثرت سے صحابہ رضی اللہ عنہم موجود تھے لیکن یہ حدیث باوجود اِس کے کہ بہت سے طریقوں سے مروی ہے۔ (چنانچہ صحیح بخاری میں 7 طریقوں سے مذکور ہے) بایں ہمہ بجز عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے اور کسی صحابی سے اِس واقعہ کے متعلق ایک حرف بھی منقول نہیں۔

5۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی عمر اُس وقت صرف تیرہ چودہ برس کی تھی۔

6۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ جس وقت کا یہ واقعہ ہے اس موقع پر عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما خود موجود نہ تھے۔ اور یہ معلوم نہیں کہ یہ واقعہ اُنہوں نے کس سے سُنا۔ (بخاری' باب کتابۃ العلم)

7۔ تمام روایتوں میں مذکور ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے کاغذ قلم مانگا تو لوگوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ بہکی ہوئی باتیں کر رہے ہیں۔ (بخاری و مسلم)

ان سب سے پہلے یہ اَمر لحاظ قابل رہے کہ جب اور کوئی واقعہ یا قرینہ آنحضرت ﷺ کے اختلال حواس کا کہیں کسی راویت میں مذکور نہیں۔ صرف اِس قدر کہنے سے کہ قلم دوات لاؤ لوگوں کو ہزیان کا خیال کیونکر ہو سکتا تھا؟ فرض کرلو کہ اَنبیاءؑ سے ہزیان سرزد ہو سکتا ہے لیکن اس کے تو یہ معنی نہیں کہ وہ

Marfat.com

معمولی بات بھی کہیں تو ہزیان سمجھا جائے۔ ایک پیغمبر کا وقت وفات کے قریب یہ کہنا کہ "قلم دوات لاؤ میں ایسی چیز لکھ دوں کہ تم آئندہ گمراہ نہ ہو۔" اس میں ہزیان کی کیا بات ہے۔ کیونکہ اگر یہ تصور کر لیا جائے کہ آپ لکھنا جانتے نہ تھے اِس لیے آپ کا یہ فرمان ہزیان کی وجہ سے تھا غلط ہے۔ کیونکہ آپ کسی اور سے بھی تو لکھوا سکتے تھے۔ یہ روایت اگر خواہ مخواہ صحیح سمجھی جائے۔ تب بھی اِس قدر بہرحال تسلیم کرنا ہو گا کہ راوی نے روایت میں وہ واقعات چھوڑ دیئے ہیں۔ جن سے لوگوں کو یہ خیال پیدا ہوا کہ آنحضرت ﷺ ہوش میں نہیں ہیں اور بے ہوشی کی حالت میں قلم دوات طلب فرما رہے ہیں۔ کسی ایسی روایت جس میں کہ راوی نے واقعہ کی نہایت ضروری خصوصیتیں چھوڑ دیں کسی واقعہ پر کیونکر اِستدلال یقین ہو سکتا ہے۔ اس کے ساتھ جب اِن اُمور کا لحاظ کیا جائے کہ اتنے بڑے عظیم الشان واقعہ میں تمام صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے صرف حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اس کے راوی ہیں اور یہ کہ اِن کی عمر اس وقت کل تیرہ یا چودہ برس کی تھی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ خود اِس واقعہ کے وقت موجود نہ تھے تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اس روایت کی حیثیت کیا رہ جاتی ہے؟ ممکن ہے کسی کوتاہ نظر پر یہ اَمر گراں گزرے کہ بخاری و مسلم کے کسی راوی کی نسبت یہ شبہ کرنا کہ وہ واقعہ کی پوری ہیت محفوظ نہ رکھ سکا اس سے کہیں زیادہ آسان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی نسبت ہزیان اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نسبت گستاخی کا الزام لگایا جائے۔ (دوسری بات یہ کہ بخاری و مسلم کے مطابق جب اس معاملے نے ایک اچھے خاصے نزاع کی صورت اختیار کر لی تو رسول پاک ﷺ نے وصیت لکھنے کا اِرادہ ترک کر دیا اور لوگوں سے کہا کہ اُٹھ کر باہر چلے جائیں۔)

غرض آنحضرت ﷺ اِس وقت کے بعد چار دن تک زندہ رہے اور اسی اثناء میں وقتاً فوقتاً بہت سے ہدایتیں اور وصیتیں فرمائیں اور اگر اُنہوں نے کاغذ پر کچھ لکھوانا ہوتا تو وہ اَب لکھوا سکتے تھے۔ لیکن انہوں نے کچھ ایسا نہیں لکھوایا۔

Marfat.com

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کچھ مستند نہیں ہے۔ عین وفات کے دن آپ کی حالت اس قدر سنبھل گئی تھی کہ لوگوں کو بالکل صحت کا گمان ہوگیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اِس خیال سے اپنے مکان کو جو مدینہ منورہ سے دو میل پر تھا چلے گئے۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ وفات تک موجود رہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے 12 ربیع الاول سن 11 ہجری دوشنبہ کے دن دوپہر کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں انتقال فرمایا۔ سہ شنبہ کو دوپہر ڈھلنے پر مدفون ہوئے۔ جماعت اسلام کو آپؐ کی وفات سے جو صدمہ ہوا اِس کا اندازہ کون کر سکتا ہے؟ عام روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اِس قدر اَز خود رفتہ ہوئے کہ مسجد نبوی میں جا کر اعلان کیا کہ جو شخص یہ کہے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وفات پائی اُس کو قتل کر ڈالوں گا۔ چونکہ مدینہ میں کثرت سے منافقین کا گروہ موجود تھا جو فتنہ پروری کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کا منتظر تھا۔ اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اِس فتنہ کو روکنے کے لیے مصلحتاً خبر وصال نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پھیلنے سے روکا ہوگا۔ لیکن بہرحال یہ خبر پھیل ہی گئی جس کی وجہ سے فتنہ اُٹھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مجبوراً تجہیز و تکفین کو چھوڑ کر جانا پڑا۔ ورنہ وہ تو وصال نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک اُن کے پاس ہی موجود رہے تھے۔ اِس واقعہ نے روایتوں کے تغیرات سے مختلف صورت اِختیار کر لی ہے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ صحیح بخاری وغیرہ میں اس قسم کی تصریحات موجود ہیں جو ہمارے قیاس سے مطابق نہیں ہو سکتیں۔ (طبری 14 صفحہ 15)

علامہ شبلی نعمانی "الفاروق" میں فرماتے ہیں کہ

یہ واقعہ بظاہر تعجب سے خالی نہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انتقال فرمایا تو فوراً خلافت کی نزاع پیدا ہوگئی۔ اور اِس بات کا بھی انتظار نہ کیا گیا کہ پہلے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تجہیز و تکفین سے فراغت حاصل کر لی جائے۔ کس کے قیاس میں آسکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اِنتقال فرمائیں اور اِس طرح سے ایک دم فتنہ اُٹھ کھڑا ہوگا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ جو آسمان اسلام کے مہر و ماہ تسلیم کیے جاتے

Marfat.com

ہیں- وہ محض اِسلام کو ایک عظیم خونریزی سے بچانے کے لیے آپ ؑ کی تجہیز و تکفین میں شامل نہ ہو سکیں گے- اور اس طرح حضور ﷺ کی تجہیز و تکفین حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور خاندان بنی ہاشم نے کی- کتب۔ اَحادیث سے بظاہر ایسا خیال پیدا ہوتا ہے کہ جس کو اُوپر بیان کیا گیا ہے لیکن در حقیقت ایسا نہیں ہے- یہ سچ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ و ابوبکر رضی اللہ عنہ وغیرہ آنحضرت ﷺ کی تجہیز و تکفین چھوڑ کر سقیفہ بنی ساعدہ کو چلے گئے- اور یہ بھی سچ ہے کہ بنو ہاشم نے آسانی سے اِن کی خلافت تسلیم نہیں کی کیونکہ اِن کو مشورہ میں طلب نہ کیا گیا تھا اور یہ کہ وہ خاندان نبوت کو صبر و تحمل دینے میں مصروف تھے- لیکن اِس بحث میں غور طلب جو باتیں ہیں-

1- کیا خلافت کا سوال حضرت عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ نے چھیڑا تھا-

2- کیا یہ لوگ خود اپنی خواہش سے سقیفہ بنی ساعدہ میں گئے تھے-

3- کیا حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور بنو ہاشم خلافت کی فکر سے غافل تھے-

4- ایسی حالت میں جو کچھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ نے کیا وہ کرنا چاہیے تھا یا نہیں؟

دو پہلی عبارتوں کی نسبت ہم نہایت مستند کتاب' مسند ابو یعلی کی عبارت نقل کرتے ہیں- "حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے خانہ مبارک میں بیٹھے تھے کہ دفعتا" دیوار کے پیچھے سے ایک آدمی نے آواز دی کہ ابن خطاب ذرا باہر آؤ- میں نے کہا چلو ہٹو ہم لوگ آنحضرت ﷺ کی بندوبست میں مشغول ہیں- اِس نے کہا ایک حادثہ پیش آیا ہے یعنی انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں اکٹھے ہوئے ہیں- اِس لیے جلد پہنچ کر اِن کی خبر لو ایسا نہ ہو کہ انصار کچھ ایسی بات کر بیٹھیں جس سے لڑائی چھڑ جائے- اس وقت میں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا چلو- اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ نہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ نے خلافت کی بحث کو چھیڑا تھا نہ وہ اَپنی خوشی سے سقیفہ بنی ساعدہ کو جانا چاہتے تھے- (دیکھو فتح الباری جلد 7 صفحہ 23)

Marfat.com

تیسری عبارت کی یہ کیفیت ہے کہ اس وقت جماعتِ اسلامی تین گروہ میں تقسیم کی جاسکتی تھی۔ بنوہاشم۔ جس میں حضرت علیؑ بھی شامل تھے۔ (صحیح بخاری باب مرض النبی مع فتح الباری) مہاجرین جن کے رئیس و اَفسر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ تھے۔ انصار جن کے شیخ القبیلہ عبادہ تھے۔ ان تینوں میں سے ایک گروہ بھی خلافت کے خیال سے خالی نہ تھا۔ انصار نے تو اعلانیہ اپنا اِرادہ ظاہر کر دیا تھا۔ بنوہاشم کے خیالات ذیل کی روایت سے معلوم ہوں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے دن حضرت علی کرم اللہ وجہہ مکان سے باہر نکلے۔ لوگوں نے اُن سے پوچھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مزاج کیسا ہے چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظاہری حالت بالکل سنبھل گئی تھی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کہا خدا کے فضل سے اَب اچھی ہوگئی۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اُن کا ہاتھ پکڑ کر کہا خدا کی قسم! تم تینوں کے بعد غلامی کرو گے۔ میں آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عنقریب اس مرض میں وفات پائیں گے۔ کیونکہ مجھ کو اِس کا تجربہ ہے کہ خاندان عبدالمطلب کا چہرہ موت کے قریب کس طرح متغیر ہو جاتا ہے۔ آؤ چلو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھ لیں کہ آپؐ کے بعد یہ منصب کس کو حاصل ہوگا۔ اگر ہم اس کے مستحق ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے لیے وصیت فرما دیں گے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کہا کہ میں نہ پوچھوں گا کیونکہ اگر پوچھنے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِنکار کر دیا تو پھر آئندہ کو کوئی امید نہ رہے گی۔ (صحیح بخاری 'کتاب الحدود' باب رجم الجبلی 12) اس روایت سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا خیال تو صاف معلوم ہوتا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کا اس وقت تک یقین نہ تھا اِس لیے اُنہوں نے کوئی تحریک کرنا مناسب نہ سمجھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت فاطمہؑ کے گھر میں ایک مجمع ہوا جس میں تمام بنوہاشم اور اُن کے اِتباع شریک تھے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اُن کے پیش رو تھے۔ صحیح بخاری مع فتح الباری شرح حدیث مذکورہ 12 میں حضرت عمر

Marfat.com

رضی اللہ عنہ کی زبانی روایت ہے۔

"ہماری سرگزشت یہ ہے کہ جب خدا نے اپنے پیغمبرؐ کو اُٹھالیا تو انصار نے قاطبتہ" ہماری مخالفت کی اور سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے اور علیؑ اور زبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے مخالفت کی اور مہاجرین ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس جمع ہوئے۔"

یہ تقریر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بہت بڑے مجمع عام میں کی تھی۔ جس میں سینکڑوں صحابہ رضی اللہ عنہ موجود تھے۔ اِس لیے اِس بات کا گمان نہیں ہو سکتا کہ اُنہوں نے کوئی اَمر خلاف واقعہ کیا ہو۔ ورنہ لوگ ان کو وہیں ٹوکتے۔ تاریخ طبری صفحہ 1820 میں اَمام مالک کی روایت سے یہ واقعہ اور صاف ہوگیا۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

"اور علیؑ اور زبیر رضی اللہ عنہ جو لوگ ان کے ساتھ تھے وہ حضرت فاطمہؑ کے گھر میں ہم سے الگ ہو کر جمع ہوئے۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ و زبیر رضی اللہ عنہ نے علیحدگی اختیار کی اور زبیر رضی اللہ عنہ نے تلوار میان سے کھینچ لی اور کہا کہ جب تک علیؑ کے ہاتھ پر بیعت نہ کی جائے میں تلوار کو میان میں نہ ڈالوں گا۔"

اِس روایت سے ایک اور بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ بعض لوگ جو زبیر رضی اللہ عنہ کو تنقید کا نشانہ بناتے ہیں کہ انہوں نے جنگ جمل میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے خلاف جنگ کی تو وہ یہ دیکھ لیں کہ زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر کِس قدر جانثاری کرتے تھے۔ لیکن اُس وقت مسئلہ ناموس رسول ﷺ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کا تھا کہ جس کی وجہ سے انہوں نے اپنا ارادہ تبدیل کیا۔ لیکن بعد میں جب حضرت علیؑ نے زبیر رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ کی ایک حدیث یاد دلائی تو فوراً اُنہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حق کو تسلیم کرلیا۔

بہرحال اِن تمام روایتوں پر نظرثانی کے بعد یہ کہا جا سکتا ہے کہ سقیفہ میں

Marfat.com

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا نہ جانا اِس وجہ سے بھی تھا کہ سقیفہ میں مہاجرین اور انصار جمع تھے۔ ان دونوں گروہوں میں سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دعویٰ کی کوئی بھی تائید نہ کرتا تھا۔ کیونکہ مہاجرین حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پیشوا تسلیم کرتے تھے اور انصار کے رئیس سعد بن عبادہ تھے۔ آخیر بحث یہ ہے کہ جو کچھ ہوا بے جا تھا یا بجا؟ اُس کو ہر شخص جو ذرا بھی اَصول تمدن سے واقفیت رکھتا ہو با آسانی سمجھ سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس وقت وفات پائی' مدینہ منورہ منافقوں سے بھرا ہوا تھا۔ جو مدت سے اس بات کے منتظر تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ اٹھ جائے تو اِسلام کو پامال کر دیں۔ اِس نازک وقت میں آیا یہ ضروری تھا کہ جزع و فزع اور گریہ وزاری میں مصروف رہیں یا یہ کہ فوراً خلافت کا انتظام کر لیا جائے۔ اور ایک منتظم حالت قائم ہو جائے۔ انصار نے اَپنی طرف سے خلافت کی بحث چھیڑ کر حالات کو نازک کر دیا۔ کیونکہ قریش جو انصار کو اِس قدر حقیر سمجھتے تھے کہ جنگ بدر میں جب انصار ان کے مقابلے کو نکلتے تو عتبہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کر کے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! ہم ناجنسوں سے نہیں لڑ سکتے۔ پھر وہ کس طرح انصار کے آگے سر تسلیم خم کر سکتے تھے اور قریش پر کیا موقوف ہے تمام عرب کو انصار کی متابعت سے انکار ہوتا۔ اس کے علاوہ انصار میں خود بھی دو گروہ تھے۔ اوس اور خزرج اور اِن میں باہم اتفاق نہ تھا۔ اِس حالت میں ضروری تھا کہ انصار کے دعویٰ خلافت کو دبا دیا جائے اور کوئی لائق شخص منتخب کر لیا جائے۔ مجمع میں جو لوگ موجود تھے اُن سب سے بااثر اور بزرگ اور معمر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے اور فوراً اُن کا انتخاب بھی ہو جاتا۔ لیکن لوگ انصار کی بحث و نزع میں پھنس گئے تھے اور بحث طول پکڑ گئی۔ قریب تھا کہ تلواریں میان سے نکل آئیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جو اُس وقت خاموش کھڑے تھے یہ رنگ دیکھ کر دفعتاً" حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا کہ سب سے پہلے میں سبقت کرتا ہوں۔ ساتھ ہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ 'ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ 'عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے بھی ہاتھ بڑھائے

Marfat.com

اور پھر عام خلقت ٹوٹ پڑی۔ (الاحکام السلطانیہ میں رقم ہے کہ اول صرف پانچ شخصیتوں نے بیعت کی تھی۔) اس کارروائی سے ایک اُٹھتا ہوا طوفان رُک گیا اور لوگ مطمئن ہو کر کاروبار میں مشغول ہو گئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی بیعت کی تفصیل میں پچھلے صفحات پر بیان کر چکا ہوں۔ (مزید تفصیل کے لیے مولانا شبلی نعمانی کی الفاروق اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کی مکتوبات ملاحظہ کریں۔)

قارئین کرام! اس مقام پر آ کر ایک بار پھر مجھے اِجازت دیجئے کہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان کی وضاحت حضرت اَمام زین العابدینؒ کی ایک دعا سے کر سکوں۔ صحیفہ کاملہ میں حضرت زین العابدینؒ اس طرح سے دعا فرماتے ہیں۔

"خداوندا رحمت نازل کر اُوپر اَصحاب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاص کر اُوپر اُن اَصحاب کے جنہوں نے حق صحبت نہایت خوبی سے ادا کیا اور جنہوں نے سب طرح کی مصیبتوں اور ایذاؤں کو اس کی اعانت میں گوارا کیا اور جنہوں نے مل کر اس کی مدد میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا اور جنہوں نے اُس کی رسالت قبول کرنے میں بڑی جلدی کی اور اُس کی دعوت کی اجابت میں سبقت کی۔ جب اِن کو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی پیغمبری کی حجتیں بتائیں تو اُنہوں نے بِلاتوقف قبول کیا اور ان کے کلمے کے ظاہر کرنے میں اپنے لڑکے' بالوں' جورو' بچوں کو چھوڑا اور اُن کی نبوت کے ثابت کرنے میں اپنے باپ اور بیٹوں کو قتل کیا۔ جب اُنہوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دامن پکڑا تو ان کے کنبے قبیلے کے لوگوں نے ان کو چھوڑ دیا اور جب وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قرابت کے سائے میں آئے تب ان کے رشتے داروں نے ان سے رشتہ توڑ دیا۔ پس خدایا مت بھولنا اِن باتوں کو جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اَصحاب رضی اللہ عنہم نے تیرے واسطے اور تیرے پیچھے چھوڑا اور راضی کر دینا اِن کو تو اَپنی رضامندی سے اِس لیے کہ اُنہوں نے خلق کو تیری طرف جمع کر دیا اور تیرے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ دعوت۔

Marfat.com

اسلام کا حق ادا کیا۔ الٰہی وہ شکر ادا کرنے کے لائق ہیں کہ انہوں نے اپنی قوم اور کنبے کے گھر اور اپنے وطن کو تیرے پیچھے چھوڑا اور عیش و آرام کو ترک کر کے قلیل معاش کو تیرے لیے اختیار کیا اور خداوندا ان کے تابعین کو جزائے خیر دے جو کہ دعا کیا کرتے ہیں کہ پروردگار ہماری مغفرت کر اور ہمارے اُن بھائیوں کی جو ہم میں سے اِیمان میں سبقت لے گئے ہیں۔ کیسے تابعین جو اُن کی چال پر چلتے ہیں اور اُن کے آثار کی پیروی کرتے ہیں اور اُن کی ہدایت کی نشانیوں کی اِقتداء کرتے ہیں۔ جن کو کوئی شک ان کی نصرت میں نہیں ہوتا اور جن کے دل میں کوئی شبہ ان کے آثار کی پیروی میں نہیں آتا۔ کیسے تابعین جو معاون اور مددگار اَصحاب رضی اللہ عنہم کے ہیں اور جو اپنا دین ان کے دین کے موافق رکھتے ہیں اور جو کچھ اَصحاب رضی اللہ عنہم نے ان کو پہنچایا اس میں ان پر کچھ تہمت نہیں کرتے ہیں اور خدایا رحمت نازل کر ان اَصحاب رضی اللہ عنہم کی بیعت کرنے والوں پر آج کے دن سے جس میں ہم ہیں قیامت تک اور اُن کی اَزواج اور ذریات پر۔"

دوستان عزیز! حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے تعلقات کی یہ ایک ہلکی سی تصویر آپ کے سامنے رکھ دی گئی ہے۔ جہاں تک حضرت علیؑ کی عظمت اور محبت کا تعلق ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ بغض' حسد' دشمنی اور کینہ کی وجہ سے جو شخص آپ کے مرتبے اور مقام میں کمی لاتا ہے وہ اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کبھی سُرخرو نہیں ہو سکتا۔ لیکن اُن کی محبت کا منطقی نتیجہ اور تقاضا یہ بھی ہے کہ جن عظیم ہستیوں سے ان کے تعلقات کا یہ اَنداز رہا' جن کو انہوں نے القیم بالامر تسلیم کیا' جن کے وہ مشیر اعلیٰ رہے' جن کی غیر حاضری میں وہ اُمور سلطنت میں ان کی نیابت کے فرائض انجام دیتے رہے ان سے بھی محبت اور حسن ظن کے جذبات میں کوئی ذرہ برابر کمی نہ آنے پائے۔

Marfat.com

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم چاروں کے چاروں اِنسانیت کی روح اور اس کا عطر تھے' وہ آپس میں محب بھی تھے اور محبوب بھی' طالب بھی تھے اور مطلوب بھی' مقصد بھی تھے اور مقصود بھی' جو ان کے تعلق کو نہیں مانتا ان کی مخالفتوں اور عداوتوں کے قصوں پر کان دھرتا ہے وہ خلافت پر ہی نہیں بلکہ معاذ اللہ رسالت پر حملہ کرتا ہے۔ کیونکہ قرآن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقاصد بعثت بیان کرتے ہوئے یہ بھی بتاتا ہے کہ آنے والا اُن کے تزکیہ نفوس کے لیے آیا ہے۔ وَیُزکیھم اور اس کے بعد اس نے اعلان کیا اَلیوم اَکملت لکم دِینکم یعنی آج کے دن میں نے تم پر تمہارا دین مکمل کر دیا۔ اور ظاہر ہے دین کا اِتمام اس صورت میں ممکن ہے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقاصد بعثت کی تکمیل ہو جائے۔

اَب اگر معاذاللہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم بھی نفسانی خواہشات کا شکار رہے تو دوسرے لفظوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مشن ہی پورا نہ ہوا۔ اگر اِنجن کے ساتھ چار ڈبے ہی صحیح معنوں میں اِنجن کے ساتھ پیوست نہ تھے تو کس طرح توقع کی جا سکتی ہی کہ وہ گاڑی آگے چل سکے گی۔ اگر خاکم بدہن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اپنے شاگردوں کی تربیت نہ کر سکے تو پھر آج سینکڑوں سال کے بعد اُن کی تعلیم کس طرح لوگوں کو سیرت و کردار کے سانچے میں ڈھال سکتی ہے؟ ذرا سوچئے اور پھر خود اس کا فیصلہ کیجئے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ اِرشاد پاک کہ "حکمت مومن کی گم شدہ میراث ہے۔" اس سے مراد یہ ہے کہ دین عین حکمت ہے۔ جو شخص سچے دل سے حکمت کا طالب ہے وہ دین ہی کا طالب ہے۔ اگر فراخ دلی سے کام لیا جائے تو یہ کہنا درست نہ ہو گا کہ مختلف فلسفہ اور مذاہب جو کچھ کہتے ہیں وہ سربسر غلط ہے۔ معاملہ ایسا نہیں ہے کہ

"خط غلط مضموں غلط' اِملا غلط اِنشا ء غلط"

کوئی فلسفیانہ مذہب ہو یا دین کا کوئی فرقہ۔ اِس میں باطل کے ساتھ حق کی بھی

Marfat.com

آمیزش ہوتی ہے۔ اگر اس میں حق کا کوئی پہلو نہ ہو تو فطرتِ انسانی بطان محض کو کبھی قبول نہ کرے۔ ہر فرقے کے ماننے والا معتقد گروہ اِس لیے مل جاتا ہے کیونکہ اِس کے باطل میں کچھ نہ کچھ حق کی آمیزش ہوتی ہے۔ اِس کی مثال ایسے دیتا ہوں کہ عام طور پر کھوٹے سکے وہ ہوتے ہیں جن میں سونے اور چاندی میں کچھ تانبا وغیرہ ملا ہوتا ہے۔ سونے اور چاندی کی آمیزش سے لوگ دھوکا کھا جاتے ہیں اور اُنہیں قبول کرنے میں عذر نہیں کرتے۔ کھوٹے سکے اَصلی سکوں کی بدولت چلتے ہیں۔ اگر دنیا میں سچ کا عام رواج نہ ہو تو کسی جھوٹ بولنے والے کو جھوٹ سے کچھ فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ وہ تو جھوٹ اِس لیے بولتا ہے کہ دوسرا شخص سچ سمجھ کر اس کا اعتبار کرے۔ گندم کے وجود کی وجہ سے گندم نما جو فروش لوگوں کا فریب چل جاتا ہے۔ اس لیے یہ کبھی نہیں کہنا چاہیے کہ تمام عقائد ہمارے عقیدہ کے علاوہ مطلقاً باطل ہیں۔ اِن عقائد نے جو لوگوں کو معتقد اور گرویدہ بنا رکھا ہے تو وہ اس لیے ہے کہ ان میں کم و بیش بوئے حق پائی جاتی ہے۔ ایک روایت میں ہے ایک جھگڑالو حکمت سے بے بہرہ یہ سن کر کہ مولانا رومؒ کافرانہ اور ملحدانہ باتیں کرتے ہیں۔ اِن کے پاس بغرض مناظرہ آیا۔ مناظرے کے پینترے گھر سے سوچ کر آیا تھا۔ پہلا وار یہ تھا کہ یہ پوچھوں گا کہ بحث سے پہلے آپ یہ فرمایئے کہ آپ بہتر (72) فرقوں میں سے کس فرقے میں ہیں۔ جس فرقے کا وہ نام لیں گے پھر اس کے اندر کچھ پٹخنی دینے والے سوال کروں گا۔ چنانچہ اُس نے چھوٹتے ہی یہ سوال کیا تو اُس کو ایسا غیر متوقع جواب ملا کہ وہ اپنا پینترا بھول گیا۔ مولاناؒ نے جواب یہ دیا کہ "میں تو ہفتاد و دو ملت سب سے متفق ہوں۔" مُلا اِس کا مطلب خاک سمجھتا! اِن کا مقصود یہ تھا کہ سب میں کچھ نہ کچھ صداقت ہے جس کو غلط نے خراب کر رکھا ہے۔ وہ جھنجلا کر بولا کہ اِس کا صاف مطلب ہے کہ آپ ملحد ہیں۔ مولاناؒ نے تبسم فرمایا اور کہا کہ میں اِس سے بھی متفق ہوں۔ اَب مولوی صاحب کی سٹی گم ہو گئی اور مناظرہ شروع ہونے سے پہلے ہی ختم ہو گیا۔

پھر ایک اور مقام پر مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ آج کل بھی اِسلام میں نئے نئے فرقے پیدا ہو رہے ہیں۔ کسی کا پیشوا مجددیت کا دعویٰ کرتا ہے کوئی مہدی علیہ السلام مسعود و مسیحؑ موعود ہے' کوئی مزاج شناس رسول ﷺ ہے اور کوئی مزاج شناس خدا۔ سب نے اَپنے گرد کم و بیش تعداد کی ٹولیاں جمع کرلی ہیں۔ اِن کو جتنی کامیابی ہوئی ہے اِس کی وجہ یہی ہے کہ ان لوگوں کی تحریریں پڑھو تو جا بجا نہایت اَچھی اور معتدل باتیں نظر آتی ہیں۔ اُنہی باتوں کی وجہ سے بعض اُوقات معقول لوگ بھی اِن کے قدردان ہو جاتے ہیں۔ لیکن جہاں اَچھی باتوں کی وجہ سے قدردانوں کی تعداد میں اَضافہ ہونے لگا وہیں اِقتدار پسندی اور کبر و نخوت کی شراب مغز کو چڑھ گئی۔ چونکہ ظرف کم ہوتا ہے اِس لیے نشہ جلدی چڑھتا ہے۔ ایسے لوگوں کو انسان دیوانہ کہے یا دیوانہ بکار خویش ہشیار۔ لیکن ایسے لوگوں کے عقائد اور اُن کی تعلیمات میں جو حق ہے اس کو حق سمجھ کر اس سے اتفاق کرنا چاہیے۔ مگر اس کے ساتھ باطل کی جو آمیزش ہے اِس زہر کو قند سے الگ کرنا ہر حق پرست اور منصف مزاج مومن کا فرض ہے۔

Marfat.com

جنگِ جمل: ایک غلط فہمی

قارئین کرام! ایک اور نہایت اہم مسئلہ جس کی طرف میں آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں وہ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے کردار سے متعلق ہے۔ وہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہ جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی لختِ جگر اور اُن کی صداقت کی جیتی جاگتی تصویر تھیں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اِنتہائی چہیتی زوجہ تھیں۔ مجھے اس اَمر میں کوئی شک نہیں کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو اُمہات میں جو مقام حاصل تھا وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کسی اور زوجہ کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ لیکن اِس کا مطلب یہ نہیں کہ فرقہ پرست بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے خاندان علیؑ کے ساتھ تعلقات کو بھی اِنتشار کا نشانہ بنائیں۔ فقط اس نقطے پر کہ وہ جنگِ جمل میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مقابلے پر آگئی تھیں۔ بغیر پورے واقعہ کی تفصیل کو جانے کہ وہ کیا حالات تھے' کیسی صورتحال تھی' اِس جنگ کی آڑ میں کیا سیاست تھی۔ انہوں نے اس واقعہ کے کچھ ایسے پہلوؤں کو اس اَنداز سے بگاڑ کر پیش کیا کہ اچھے بھلے اِنسان کا ایمان خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ اور وہ ایک شوکیس میں پڑے ہوئے جعلی زیور کی طرح اس کو اصل مان کر صرف اسی کی تعریف میں لگ جاتا ہے کہ جو اس کو اوپر اوپر سے

Marfat.com

نظر آتا ہے وہی سچ ہے۔ یہ لوگ بات کرتے ہوئے یہ تک نہیں سوچتے کہ جس کی یہ بات کرنے لگے ہیں اُس کی نسبت کس سے ہے۔ اگر اہل بیت' رسول اللہ ﷺ کا خون ہیں تو کیا بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا ' بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا اور باقی اُمہات المومنین رضی اللہ عنہن کی نسبت آپ سے بیوی اور خاوند کی نہیں ہے۔ اور کوئی خاوند یہ کیسے برداشت کر سکتا ہے کہ اُس کے گھر کی عزت جس کو وہ اپنے گھر کے لیے بیاہ کر لایا ہے۔ اس کی عزت پر کوئی آنچ آئے۔

میں کئی بار کہہ چکا ہوں اور پھر کہتا ہوں کہ کچھ اپنی عقل سے بھی کام لیا کرو اور فطرت کے اَصولوں کے مطابق اپنی سوچ کو ڈھالنے کی کوشش کرو۔ میں یہ یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ اگر ایسا کرو گے تو دین و دنیا کی کئی مشکلات کو حل کر پاؤ گے۔ اگر تمہارے کسی مسئلے کا حل تمہاری عقل نہ ڈھونڈ سکے تو اس مسئلے کا حل اپنے دل سے پوچھو اور جو دل کہے وہی سچ ہے۔ یہاں پر میں اِسی مقصد کے لیے جنگِ جمل کے پورے واقعہ کو بیان کرنے کی اجازت چاہوں گا۔ تاکہ حضور ﷺ کے گھر کی عزت و زینت کو کچھ کم عقلوں کی عقل پر واضح کر سکوں۔

دوستو! یہ مانا کہ حضرت اُم المومنین رضی اللہ عنہا اپنے علم و فضل' ذہانت و زکاوت اور عظمت و شرافت کے اعتبار سے دنیائے اِسلام کے لیے موجبِ صد افتخار ہیں۔ لیکن پھر بھی وہ عورت تھیں اور آپ کے واقعات پر غور کرتے وقت ہمیں فطرتِ نسواں کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ فطری طور پر عورت کے دل میں شبہات بہت جلد آتے ہیں۔ حضرت اُم المومنین رضی اللہ عنہا بھی عورت تھیں۔ حضرت علیؑ کی خلافت سے آپ کے دل میں بتقاضائے فطرت یہ شبہ ہو گیا تھا۔ چونکہ جنابِ اَمیرؑ اور حضور ﷺ کے مابین کچھ ایسی گفتگو ہوئی تھی کہ جس سے آپ ان سے ناخوش تھیں۔ اس لیے انہیں شبہ اور غلط فہمی تھی کہ میرے مدینے جانے پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ (معاذ اللہ) اپنی قدورت نکالیں گے اور میری ساتھ اچھا سلوک نہ کریں گے۔

Marfat.com

عورت فطری طور پر نرم دل اور رحم و کرم کا مجسمہ ہوتی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی عورت تھیں۔ جب اُمیوں نے مبالغے اور چالبازی کے ساتھ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے واقعات شہادت کو ان کے سامنے بیان کیا تو وہ بدرجہ اَتم متاثر ہوگئیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مظلومی اور بے بسی تیر بن کر ان کے کلیجے کے پار ہوگئی۔ اِن کے پاک قلب میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ہمدردی کا وہ ناقابل برداشت جذبہ پیدا ہوا کہ جو اُنہیں خانہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چار دیواری سے میدان جنگ میں کھینچ لایا۔ عورت کا فطری خاصہ ہے کہ کسی ایسے شخص کے مقابلے میں جس سے اسے ذرا بھی کدورت ہو اگر کوئی دوسرا شخص اس کی دل سوزی کرے تو وہ بہت جلد اُس کا دم بھرنے لگتی ہے۔ حضرت اُم المومنین رضی اللہ عنہ بھی عورت تھیں اور جناب امیرؑ کے لیے اپنے دل میں کچھ شبہ رکھتی تھیں۔ اُمیوں کے علاوہ بعض جلیل القدر اصحاب (اصحاب برائے نام) نے بھی جب ان کے سامنے حضرت علیؑ کو برسر خطا قرار دیتے ہوئے اُن کی دلجوئی کی۔ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فطرت نسوانی کا تقاضا بھی تھا کہ انہیں دشمنان علیؑ سے ہمدردی ہو جائے۔

عورت فطری طور پر ضدی اور ٹھن کی پکی ہوتی ہے۔ جس بات پر وہ تُل جائے اُسے دنیا کی ہر ممکن قیمت پر پورا کر کے چھوڑتی ہے۔ اور جہاں ضد کا تعلق ہو تو اس کی قوت اِرادی کا مقابلہ صنف قوی بھی نہیں کر سکتا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی عورت تھیں۔ انہیں یقین دلایا گیا تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت میں جناب امیرؑ کا ہاتھ ہے۔ خون عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کی ضرورت اِن کے ذہن نشین کر دی گئی۔ لہٰذا جب انہوں نے شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے اِنتقام کا تہیہ کر لیا تو پھر انہیں کوئی قوت میدان جنگ میں تشریف لانے سے روک نہ سکی۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اُم المومنین رضی اللہ عنہ کو چھوٹی عمر سے محرم راز رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ اُن کی روحانی و اخلاقی تربیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دامان کرم میں ہوئی۔ انکا قلب نور رسالتؐ سے بدرجہ اَتم روشن

Marfat.com

ہوا تھا۔ انہوں نے اپنے محرم شوہر سے مظلوموں اور بے کسوں کی ہمدردی کا سبق پڑھا تھا۔ انہیں شخصیت پرستی کی نہیں بلکہ حق پرستی کی تعلیم ملی تھی۔ ایسی حالت میں جبکہ انہیں (خواہ غلط ذرائع سے ہی) اس بات کا یقین ہوگیا کہ ایک مسلمان' بے گناہ مسلمان اور وہ جامع القرآن' مخیر مسلمان' جو مسلمانوں کا روحانی محسن بھی تھا اور دنیادی محسن بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ایماء پر شہید ہوا (معاذاللہ)۔ تو کیا اس وقت رسول پاک ﷺ کی محبوب شاگرد اور بیوی کا یہ فرض نہ تھا کہ وہ دنیا کی تمام شخصیتوں کو نظرانداز کر کے خون عثمان رضی اللہ عنہ کا بدلہ لینے کے لیے کمربستہ ہو جائیں۔ جہاں تک جنگ۔ جمل کے افسوسناک واقعات کا تعلق ہے۔ میں عقیدت و احترام کے ہاتھوں مجبور ہو کر نہیں بلکہ انصاف و دیانت کی بناء پر اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بالکل بے قصور سمجھتا ہوں۔ ہاں اگر موردالزام ہیں تو وہ لوگ جنہوں کے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت۔ اقدس میں تصویر کا غلط رُخ پیش کیا۔ خصوصاً مروان اُموی جو اِن سازشوں میں پیش پیش تھا۔ شمع رسالت ﷺ کے پروانوں کو جب معلوم ہوا کہ ان کے پیارے رسول ﷺ کی پیاری بیوی جناب۔ امیرؑ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا انتقام لینا چاہتی ہیں تو وہ جوق در جوق جمع ہونے لگے۔ میں اپنے مذہبی عقائد کی بناء پر بھی اور اِنصاف و راست کی بناء پر بھی جناب۔ امیرؑ کے مخالفوں کو برحق نہیں سمجھتا۔ لیکن اس افسوسناک خانہ جنگی میں جہاں خباثت۔ نفس کے کئی شرمناک مظاہرے ہیں۔ وہاں عشق رسول ﷺ اور حریت۔ اسلامی کی ایک روح پرور جھلک بھی ہے کہ کس طرح مسلمان ناموس رسول ﷺ کے قدموں پر سر کٹا دینا اپنے لیے موجب۔ فخر و مباہات سمجھتے ہیں۔ اور کس طرح مسلمان اس بات کے مقابلے پر جس کو وہ صحیح یا غلط اِستدلال سے حق سمجھ لیں دنیا کی بڑی سے بڑی شخصیت کو نظرانداز کر دیتے ہیں۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ صحابہ رسول ﷺ کا شمار عشرہ

مبشرہ میں ہوتا ہے۔ ایسے جلیل القدر صحابی ہیں کہ حضور سرور کائنات ﷺ کی زبان اَقدس سے اپنے جنتی ہونے کا مژدہ سن چکے ہیں۔ دونوں نے جنابِ امیرؑ کے دستِ مبارک پر بیعت کا شرف بھی حاصل کیا ہے۔ اور بیعت ایسی کہ جنابِ امیرؑ نے اُنہی لوگوں کے اسرار پر منصبِ خلافت قبول فرمایا ان میں طلحہ رضی اللہ عنہ پیش پیش تھے۔ لیکن جس وقت ان دونوں بزرگوں کے سامنے یہ سوال آتا ہے کہ ان کے پیارے رسول ﷺ کی بیوی جنگ کے لیے کمربستہ ہے۔ تو اس بات کی پرواہ نہیں کرتے کہ زمانہ ہم پر عہد شکنی کا الزام لگائے گا۔ ہمیں ہاشمیوں کے سرتاج کے خلاف تلوار اٹھانا پڑے گی۔ عشق رسول ﷺ کے جذبے سے سرشار ہو کر اپنا سر عقیدت اُم المومنین کے سامنے جھکا دیتے ہیں۔

مسلمان حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی عظمت سے خوب واقف ہیں۔ جانتے ہیں کہ وہ شاہِ لافتح ہیں۔ لیکن جب انہیں مروانیوں کی شرارت سے یہ یقین ہو جاتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون ناحق میں معاذاللہ جنابِ امیرؑ کا ہاتھ ہے۔ تو وہ حریتِ اسلام کے بادہ سے سرشار ہو کر خیبر شکن کے مقابلے پر تلواریں میان سے نکال لیتے ہیں۔ جنگِ جمل میں جو لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مقابلے پر کمربستہ ہوئے اِن میں ایک جماعت تو اُن فتنہ پرداز اُمیوں کی تھی۔ جنہوں نے محض اپنی ذاتی اغراض و مفاد کے لیے حق کا قتل کیا اور اپنی خباثت کا ثبوت دینے کے لیے جنابِ امیرؑ پر جھوٹا بہتان لگایا۔ اور دوسری جماعت اُن مخلص مسلمانوں کی تھی جو امیوں کے دامن فریب میں مبتلا ہو کر محض غلط فہمی کی بناء پر جنابِ امیرؑ کے خلاف صف آراء ہوئے تھے۔ یہ ممکن ہے کہ اِس نازک موقع پر ان کی قوتِ فیصلہ کمزور ثابت ہوئی ہو لیکن ان کی نیت بخیر تھی اور ان کے خلاف کسی قسم کی مذمت مناسب نہیں۔ اس موخرالذکر جماعت میں اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی ہیں اور اُم المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بنت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ بھی اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بھی۔

Marfat.com

اس موقع پر بھی کہ جب کدورت کی آگ پوری قوت سے بھڑک رہی تھی۔ مخلص مسلمانوں کو یہ خیال رہتا تھا کہ ان کے قدموں کو جادۂ حق پرستی سے لغزش نہ ہو۔ چنانچہ جنگِ جمل میں اس قسم کے ہی سبق آموز واقعات ہمارے سامنے آتے ہیں۔ جنابِ امیرؑ کے مخالفوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو مشورہ دیا کہ وہ اہل عراق کو جنابِ امیرؑ کے خلاف آمادۂ جنگ کرنے کے لیے بصرہ تشریف لے چلیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بصرہ روانہ ہوئیں۔ مفسد اُمیوں کے علاوہ جلیل القدر اصحابِ رسولؐ ناموس رسولؐ کے ناقہ کو اپنے حلقے میں لیے ہوئے تھے۔ قافلہ ایک گاؤں میں پہنچا تو وہاں کے کتوں نے حضرت اُم المومنین رضی اللہ عنہا کے ناقہ مبارک کے قریب آکر بھونکنا شروع کیا۔ آپ رضی اللہ عنہا نے ہمراہیوں سے پوچھا۔ "اس مقام کا نام کیا ہے؟" لوگوں نے دست بستہ عرض کیا۔ "یا اُم المومنین رضی اللہ عنہا اس گاؤں کا نام حوأب ہے۔" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے از راہ حیرت دوبارہ پوچھا۔ "حواب؟" جواب ملا۔ "جی ہاں" فرمایا! "ناقہ روک لو طلحہ رضی اللہ عنہ اور زبیر رضی اللہ عنہ کو بلاؤ میں ابھی واپس جاتی ہوں۔" ہمراہیوں نے متحیر ہو کر سبب پوچھا جواب ملا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث یاد آگئی۔

"میری ایک بیوی پر حوأب کے کتے بھونکیں گے کیونکہ وہ حق پر نہ ہوگی۔"

معلوم ہوتا ہے آپ کی وہ بیوی میں ہی ہوں۔ حواب کے کتوں کا بھونکنا اس اَمر کی دلیل ہے کہ میں حق پر نہیں ہوں۔

مندرجہ بالا بیان کردہ حدیث کی تفصیل کو بیان کرتے ہوئے علامہ جلال الدین سیوطیؒ "خصائص الکبریٰ دوئم" صفحہ 237 میں رقم کرتے ہیں کہ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض اُمہات المومنینؓ کے خروج کا ذکر کیا۔ جسے سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہنسنے لگیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے حمیرا کہیں وہ تم ہی نہ ہو۔ پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مخاطب ہو کر

Marfat.com

فرمایا۔ ان کا کوئی معاملہ تمہارے ہاتھ میں ہو تو ان سے مہربانی سے پیش آنا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم عورتوں میں سے ایک عورت زیادہ بالوں والے اونٹ پر سوار ہو کر نکلے گی اور اس پر حوأب کے کتے بھونکیں گے۔ اس کے گرد بہت سے لوگ قتل ہوں گے اور وہ تباہی کے قریب نجات پائے گی۔

بہرحال اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس حق پرستی سے مخالفوں کے گروہ میں کھلبلی مچ گئی۔ اُمیوں کی قدیم سازش پسندی اس موقعہ پر بھی کام آئی۔ انہوں نے آگے بڑھ کر کہا! یا اُم المومنین رضی اللہ عنہا ! آپ سے قافلے کے راہنما نے غلط بیانی کی ہے اس مقام کا نام حوأب نہیں ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا اس کا ثبوت؟ جناب امیرؑ کے باطل پرست دشمن گاؤں کے چند غریب باشندوں کو پکڑ لائے اور انہیں ڈرا دھمکا کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں یہ حلفیہ گواہی دلوائی کہ اس گاؤں کا نام حواب نہیں ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے جذبۂ حق پرستی کو پھر بھی تسکین نہ ہوئی۔ آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا! کہ خیر اس گاؤں کا نام حوأب نہ سہی، لیکن میں عورت ہوں مجھے میدان جنگ سے کیا واسطہ؟ تم مجھے میرے مکان میں واپس جانے دو۔ حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا کے اِس ارشاد سے مخالفین جناب امیرؑ کے چھکے چھوٹ گئے۔ سوچا کہ اگر عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا واپس تشریف لے گئیں تو پھر مروانی دام فریب کی آہنی کڑیاں کانچ کی مانند ٹوٹ جائیں گی۔ لہٰذا پھر قدیم سازش بروئے کار آئی اور ان لوگوں نے طبل جنگ بجنے کا حکم دے کر غل مچانا شروع کیا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی فوج حملے کے لیے بڑھی چلی آ رہی ہے۔ حضرت اُم المومنینؓ اپنی شرافت نفس اور معصومیت کی وجہ سے پھر اس فریب میں آگئیں اور اس خیال سے کہ حضرت علیؑ کی فوجوں نے حملہ کر دیا اور میں میدان جنگ میں موجود ہوں لہٰذا اَب سوائے جنگ کے کوئی صورت نہیں۔ آپ نے سکوت اختیار فرمایا۔

Marfat.com

اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حق پرستی کی ایک ادنیٰ مثال جو ہم نے اُوپر درج کی ہے۔ اسی قسم کا ایک واقعہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا ہے۔ جناب امیرؑ کی دلی خواہش تھی کہ کوفہ کی سرزمین مسلمانوں کے خون سے تر نہ ہو۔ چنانچہ آپ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو بلا کر سعی مفاہمت فرمائی اور انہیں قسم شرعی کے ساتھ اس بات کا یقین دلاتے ہوئے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت میں ان کا ہاتھ نہیں ہے۔ انہیں عہد رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک واقعہ یاد دلایا کہ۔

"ایک مرتبہ جناب امیرؑ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور چند دوسرے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس جانب سے گزرے۔ جناب امیرؑ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب دیکھ کر مسکرائے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی تبسم فرمایا۔ اس کے بعد حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے آپؑ کی خدمت میں کچھ عرض کیا اس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! کہ اے زبیر رضی اللہ عنہ اس دن سے ڈرو جب تم اور تمہاری فوج علیؑ پر حملہ آور ہوگی اور تم ظالموں سے ہوگے۔" یہ سن کر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہوگئے۔ بے تاب ہو کر فرمایا!

"ہاں مجھے یاد آیا۔ اے علیؑ! اگر یہ واقعہ مجھے پہلے یاد آجاتا تو خدا کی قسم تمہارے مقابلے پر کبھی صف آراء نہ ہوتا اَب میری مجال نہیں جو تمہارے سامنے تلوار اٹھاؤں۔"

یہ فرما کر آپ سیدھا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں تشریف لے گئے اور عرض کیا۔

"یا اُم المومنینؓ! میری وہ تلوار جو کبھی قیصر و کسریٰ کے سامنے بھی نہ جھکی آج علیؑ کے سامنے بیکار ہے مجھ میں مقابلے کی طاقت نہیں۔"

بہت ممکن تھا کہ مخلص و حق پرست مسلمانوں کی کوشش سے مفاہمت کی کوئی

Marfat.com

صورت نکل آتی۔ کیونکہ یہ بزرگ ہستیاں کسی ذاتی غرض سے نہیں بلکہ محض غلط فہمیوں کی بناء پر ایک دوسرے کے خلاف صف آراء ہوئی تھیں۔ لیکن اُمیوں اور مروانیوں نے اپنی خود غرضی کی قربان گاہ پر ہزارہا مسلمانوں کو بھینٹ چڑھادیا۔

جنابِ امیرؑ نے مقصد مصالحت کو پیش نظر رکھتے ہوئے سب سے پہلے یہ حکم دیا کہ جن لوگوں کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت اور مخالفت سے کچھ بھی تعلق ہے وہ فوراً میری فوج سے علیحدہ ہو جائیں۔ جنابِ امیرؑ کے بعض مخلص فدائیوں نے اس فیصلے پر اظہار ناراضگی بھی کیا۔ لیکن اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جنابِ امیرؑ کو اپنی فتح اور اپنے اقتدار سے زیادہ مسلمانوں کا خون عزیز تھا۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ پہلے جنابِ امیرؑ کی مخالف فوج کے روح رواں تھے۔ اِنسانی فطرت یہ ہے کہ دشمن جس قدر زیادہ قوی ہوتا ہے اس کی بربادی یا مارے جانے کی ۸اسی قدر خوشی ہوتی ہے۔ لیکن ناظرین حیرت کی آنکھوں سے حق پرستی کا یہ روح پرور مظاہرہ دیکھیں کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو جنابِ امیرؑ کی فوج کے ایک افسر عمرو بن حرون نے راستے میں شہید کر دیا۔ حالانکہ زبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حق پرستی تسلیم کر لی تھی (جیساکہ میں اوپر بیان کر کے آیا ہوں)۔ عمرو نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا سر کاٹ کر بارگاہ امیرؑ میں پیش کر کے اِنتہائی فخر و مسرت کے ساتھ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو دشمن کی موت کا مژدہ سنایا تو حق کے ولی نے فرمایا۔

"تو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایسے جلیل القدر صحابیؓ کو شہید کیا ہے کہ میں تجھ کو دوزخ کی آگ کا مژدہ سناتا ہوں۔"

اس کے جواب میں عمرو حرون نے کہا۔

"یا علیؑ! مسلمانوں میں تمہاری ہستی بھی عجیب و غریب ہے تمہارا دشمن بھی جہنمی اور تمہارا دوست بھی جہنمی۔"

قارئین کرام! اس جملے کی نزاکت اور مفہوم کو سمجھئے کیونکہ یہ جملہ جناب

Marfat.com

امیرؑ کی گستاخی میں نہیں کہا گیا۔ بلکہ یہ امیرؑ کے کردار کی کچھ اس طرح سے وضاحت کرتا ہے کہ بے شک حق علیؑ سے ہے اور علیؑ حق سے ہے۔ لیکن ساتھ یہاں پر یہ بات بھی عیاں ہوتی ہے کہ علیؑ کے حق سے فیض کے حصول کے لیے علیؑ سے محبت اور دوستی تو ایک لازمی چیز ہے ہی۔ لیکن اگر تم محض اپنی محبت ظاہر کرنے کے لیے دوسرے صحابہ کرامؓ پر کیچڑ اچھالو گے تو وہی علیؑ کہ جس سے تم محبت کا دم بھرتے ہو وہ تمہیں جہنم کا مژدہ سنائیں گے۔ اسی لیے میں یہ کہتا ہوں کہ علیؑ کے حق کو صرف کوئی اہل علم اور اہل عقل ہی سمجھ سکتا ہے اور اگر کوئی سمجھ لے تو وہ اس روشنی کو ان لوگوں تک آگے ضرور پھیلائے کہ جو اہل بصیرت نہیں ہیں۔

قارئین کرام! مصالحت کے لیے جنابِ امیرؑ اور دوسرے جلیل القدر اصحابِ رسول ﷺ کی مخلصانہ کوششیں ناکام رہیں اور وہ خونریز جنگ ہوئی جو تاریخ اسلام میں جنگِ جمل کے نام سے مشہور ہوئی۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ زخمی ہو کر میدان جنگ سے چلے گئے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے بھی میدان سے واپسی پر جام شہادت پی لیا تھا۔ ان دونوں بزرگوں کے چلے جانے سے حضرت علیؑ کی مخالف فوجوں کے حوصلے کسی قدر پست ضرور ہوئے تھے۔ لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ حرم رسول ﷺ کا ناقہ ہمارے وسط میں ہے تو مسلمان شمع شبستان رسالت ﷺ کے گرد پروانہ وار جمع ہو گئے اور اپنی جانیں قربان کرنے لگے۔ جنابِ امیرؑ یہ جانتے تھے کہ جب تک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اُونٹ فوج کے وسط میں ہے لڑائی ہرگز ختم نہ ہوگی اور مسلمان اسی طرح حرم رسول ﷺ کے قدموں پر کٹتے رہیں گے۔ چنانچہ آپ نے مالک ابن اشتر سے مشورہ کیا اور یہی طے ہوا کہ کسی طرح اُم المومنین کے ناقہ مبارک کو قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ مالک ابن اشتر نے آگے بڑھ کر اس مسلمان کو جام شہادت پلایا جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اُونٹ کی مہار پکڑے ہوئے تھا۔ اس کا قتل ہونا تھا کہ دوسرے مسلمان نے دوڑ

Marfat.com

کر اُونٹ کی مہار پکڑ لی۔ مالک بن اشتر نے اس کو بھی جام شہادت پلایا۔ اب یہ سلسلہ قائم ہوگیا۔ عاشقان رسول ﷺ یکے بعد دیگرے دوڑ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اُونٹ کی مہار پکڑتے تھے اور مالک بن اشتر اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دوسرے سپاہیوں کے ہاتھوں قتل ہوتے تھے۔ ناموس رسول ﷺ کے اِحترام کا ایک عجیب نظارہ تھا۔ یہاں تک کہ بہتر (72) عاشقان رسول ﷺ نے جام شہادت پیا۔ اس کے بعد مالک بن اشتر نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ناقہ مبارک پر ایسا سخت حملہ کیا کہ وہ زمین پر گر پڑا۔ حضرت محمد بن ابو بکر رضی اللہ عنہ جو بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھائی تھے وہ دوڑے اور کجاہ میں ہاتھ ڈال کر اپنی بہن کو سنبھالا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا چونکہ پردے کے اندر تھیں اور آپ نے سنبھالنے والے کو دیکھا نہ تھا۔ لہٰذا آپ نے جھلا کر فرمایا! "واللہ! جل جائے وہ ہاتھ جس نے اس جسم کو چھوا جسے صرف رسول خدا ﷺ نے چھوا تھا۔" حضرت محمد بن ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا! اے بہن میں ہوں تیرا بھائی محمد! دعا کر میرا ہاتھ دنیا میں جلے لیکن آخرت میں نہ جلے۔

جنگِ جمل میں طرفین کے سولہ' سترہ ہزار مسلمان کام آئے۔ مجرد حسین میں لوگوں کے ہاتھ زیادہ قلم ہوئے تھے۔ جنابِ امیرؑ کو فتح حاصل ہوئی۔ آپ نے اُم المومنین رضی اللہ عنہا کو نہایت عزت و احترام کے ساتھ مدینے بھیج دیا۔ جس میں حضرت امام حسینؑ بھی شامل تھے۔ عورتوں کا رسالہ ہم رکاب تھا۔ چونکہ یہ عورتیں مردانہ فوجی لباس میں تھیں اس لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پہلے تو بہت ناراض ہوئیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے نامحرم مردوں کے ہمراہ مدینہ بھیجا۔ لیکن مدینہ پہنچ کر اَصل حقیقت معلوم ہوئی تو آپ حضرت علیؑ کے اِخلاق سے بہت خوش ہوئیں اور ان کی سلامتی کے لیے دعا فرمائی۔

اس واقعہ کے بعد گھرانہ نبوت میں کوئی تلخی پیدا نہ ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ جنابِ علیؑ کی شہادت پر اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی جو کیفیت تھی۔

اس کے بارے میں زید بن حسین روایت کرتے ہیں کہ امیرالمومنینؑ کی شہادت کی خبر کلثوم بنت عمر رضی اللہ عنہ کے ذریعہ مدینہ میں پہنچی۔ سنتے ہی تمام شہر میں کہرام مچ گیا۔ کوئی آنکھ نہ تھی جو نہ روتی ہو بالکل وہی منظر درپیش تھا جو رسول اللہ ﷺ کی وفات کے دن دیکھا گیا تھا۔ جب ذرا سکون ہوا تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا چلو اُم المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیکھیں کہ رسول اللہ ﷺ کے چچازاد بھائی کی موت سن کر اِن کا کیا حال ہے؟ حضرت زید کہتے ہیں سب لوگ ہجوم کر کے اُم المومنین کے گھر گئے اور اجازت چاہی۔ انہوں نے دیکھا کہ حادثہ کی خبر یہاں پہلے سے پہنچ چکی ہے اور اُم المومنینؓ غم سے نڈھال اور آنسوؤں سے مرہ تر بیٹھی ہیں۔ لوگوں نے یہ حالت دیکھی تو خاموشی سے لوٹ آئے۔

حضرت زید فرماتے ہیں دوسرے دن مشہور ہوا کہ اُم المومنینؓ، رسول اللہ ﷺ کی قبر پر جا رہی ہیں۔ مسجد میں جتنے بھی مہاجرین و انصار تھے استقبال کو اُٹھ کھڑے ہوئے اور سلام کرنے لگے۔ مگر اُم المومنینؓ نہ کسی کے سلام کا جواب دیتی تھیں اور نہ بولتی تھیں۔ شدتِ گریہ سے زبان بند تھی۔ دل تنگ تھا، چادر تک نہ سنبھلتی تھی، بار بار پیروں میں اُلجھتی اور آپ لڑکھڑا جاتیں بدقت تمام پہنچیں۔ لوگ پیچھے پیچھے آ رہے تھے۔ حجرہ میں داخل ہوئیں اور دروازہ پکڑ کر کھڑی ہو گئیں اور ٹوٹی ہوئی آواز میں کہا۔

"اے نبی ﷺ ہدایت! تم پر سلام! ابوالقاسم ﷺ تجھ پر سلام! رسول اللہ ﷺ! آپ پر اور آپ کے دونوں ساتھیوں پر سلام! میں آپ کے محبوب ترین عزیز کی موت کی خبر آپ کو سنانے آئی ہوں۔ میں آپ کے عزیز ترین کی یاد تازہ کرنے آئی ہوں۔ بخدا آپ کا چنا ہوا حبیب، منتخب کیا ہوا عزیز قتل ہو گیا جس کی بیوی افضل ترین عورت تھیں۔ واللہ وہ قتل ہو گیا جو اِیمان لایا اور اِیمان کے عہد میں پورا اُترا۔ میں رونے والی غمزدہ ہوں اس پر آنسو بہانے اور دل جلانے والی ہوں۔

Marfat.com

اگر قبر کھل جاتی تو تیری زبان بھی یہی کہتی کہ تیرا عزیز ترین اور افضل ترین وجود قتل ہوگیا۔

(یہ روایت مصنف نے نہج البلاغہ سے نقل کی ہے اور نہج البلاغہ میں اس کو عقد العزید سے روایت کیا ہے۔)

اس واقعہ کو بیان کرنے کے بعد میں فقط یہ کہوں گا کہ اگر دلائل دینے پر آتا تو اتنے دلائل دے سکتا تھا کہ جس کے بعد انگلیاں اٹھانے والوں کی انگلیاں ٹوٹ جائیں۔ لیکن میں دلائل کی بات یہاں پر نہیں کرنا چاہتا کیونکہ تم بھی ان کے مقابلے میں دلائل بنا کر لا سکتے ہو۔ اور دلائل تو غیر مسلموں کو بھی اپنے عقیدے کو واضح کرنے کے لیے بنانے آتے ہیں۔ دلائل کے معاملے میں تو شیطان بھی کچھ کم عالم نہیں ہے لیکن میں تو فطرتِ انسانی اور عقل انسانی کی زبان میں بات کرتا ہوں۔ اگر تم فطرت کے اصولوں پر رہ کر دل کو جھٹلا سکتے ہو تو کر کے دکھاؤ۔

قارئین کرام جو کچھ وضاحت اُوپر کی جا چکی ہے اِس ضمن میں یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کی وضاحت کو بھی اس موضوع کے اعتبار سے بیان کرتا چلوں۔ چنانچہ آپ اپنے مکتوب نمبر 36 میں خواجہ محمد تقی کی طرف بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"اور جب زمانہ خلافت ختنین (عثمان رضی اللہ عنہ و علیؓ) میں فتنوں کا ظہور اور لوگوں کے اُمور میں خلل بہت زیادہ پیدا ہو چکا تھا اور اس طرح لوگوں کے دلوں میں بے حد کدورت اور مسلمانوں میں عداوتوں' کینے کا غلبہ ہو چکا تھا۔ اس ضرورت کے تحت ختنین کی محبت کو بھی اہلسنّت و جماعت کی شرائط میں سے شمار کیا جانے لگا تاکہ کوئی جاہل اس راستے سے خیرالبشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحابہ کرامؓ کے ساتھ بدظنی کا راستہ نہ نکال سکے۔ اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بغض و عداوت کی راہ ہموار نہ کرے۔ پس حضرت اُمیر (علیؓ) کی محبت اہلسنّت و جماعت ہونے

Marfat.com

کی شرط لازم قرار پائی۔ اور جو شخص اس محبت سے خالی ہے اہلسنّت و جماعت سے خارج ہے اور خارجی کے نام سے موسوم ہے اور جو شخص محبتِ امیرؑ میں اس سے زیادہ کچھ کا قائل ہوا اور اس کی محبت میں غلو سے کام لیا اور اصحابِ خیرالبشر ﷺ کے متعلق دشنام طرازی اور طعن و تشنیع کی زبان دراز کی اور صحابہ کرامؓ، تابعین، عظام اور سلف صالحین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے طریقے کو چھوڑا اس نے رافضی نام پایا۔ پس اہلسنّت و جماعت حضرت علیؑ کے بارے میں اس افراط و تفریط سے جو روافض و خوارج نے اختیار کی الگ ہیں اور اَعتدال کی راہ چلتے ہیں اور شک نہیں کہ حق، افراط و تفریط کے درمیان ہے اور افراط و تفریط دونوں مضموم ہیں۔ چنانچہ امام احمد بن حنبلؒ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کی کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کہا کہ حضرت پیغمبر ﷺ نے فرمایا اے علیؑ! تو حضرت عیسیٰؑ کے مشابہ ہے کہ یہود اس کے دشمن ہوئے یہاں تک کہ اس کی والدہ پر بہتان تراشی کی اور نصاریٰ اس کے یہاں تک دوست ہوئے اور اسے اس کی حد تک نیچے لے آئے کہ اسے وہ مرتبہ دیا جو اس کا نہیں تھا یعنی ابن اللہ قرار دے دیا اس کے بعد حضرت علیؑ نے فرمایا کہ میرے متعلق عقیدے میں دو گروہ ہلاک اور تباہ ہوئے ہیں۔ ایک وہ جو میری محبت میں سے حد سے بڑھ گیا اور جو کچھ میں نہیں میرے لیے ثابت کیا اور دوسرا وہ جس نے مجھ سے دشمنی کی اور عداوت کی وجہ سے مجھ پر بہتان تراشی کی۔ تو خوارج کے احوال کو آپ نے یہود سے تشبیہ دی اور نصاریٰ کے حال کو روافض سے کہ دونوں حق وسط سے دور پڑے ہوئے ہیں۔ وہ شخص بہت ہی جاہل ہے جو اہلسنّت و جماعت کو حضرت علیؑ کے محبوں میں سے نہ جانتا ہو۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی محبت کو فقط

ایک خاص گروہ کے ساتھ مخصوص رکھتا ہو۔ خلفائے ثلاثہؓ کی شان میں تبرا بازی رفض ہے اور صحابہ کرامؓ سے بیزاری مذموم و قابل ملامت ہے۔) امام شافعیؒ فرماتے ہیں۔

لَو کَانَ فضا" حُب اٰلِ مُحمد
فَلیشهد الثقلان اِنی رافِض

(یعنی) "آل محمدؐ کی محبت افضل نہیں جیسا کہ لوگوں کا گمان ہے اور اگر اسی محبت کا نام رفض ہے تو پھر اس طرح کا رفض مذموم نہیں ہے۔" اس لیے رفض (مذموم) دوسروں کی تبرا بازی کی راہ میں آتا ہے نہ کہ اہل بیتؑ کی محبت کی راہ سے۔ پس رسول اللہؐ کے محب اہلسنّت ہیں اور فی الحقیقت اہل بیتؑ کا گروہ بھی یہی لوگ ہیں اور وہ لوگ جو رسول اللہ کی محبت کا دعویٰ کرتے ہیں اور اپنے آپ کو اہل بیت کا گروہ تصور کرتے ہیں۔ اگر اہل بیتؑ کی محبت پر ہی اکتفا کرے اور دوسرے صحابہؓ سے بے زاری کا اظہار نہ کریں اور تمام اصحابِ پیغمبرؐ کی تعظیم و توقیر کریں تو یہ درست ہے اور صحابہ کرامؓ کے باہمی اختلافات و تنازعات کو اچھے معنی پر محمول کریں تو اہلسنّت میں داخل ہیں اور روافض و خوارج سے باہر ہیں۔ کیونکہ اہل بیتِ کرامؑ سے محبت نہ رکھنا خروج یعنی خارجی بنتا ہے اور صحابہ سے بے زاری رفض ہے اور تمام اصحابِ کرامؓ کی تعظیم توقیر کے ساتھ ساتھ اہل بیتؑ سے محبت رکھنا سنت ہے۔ مختصر یہ کہ رفض و خروج کی بناء اصحابِ رسولؐ سے بغض رکھنے پر ہے اور سنت کی بناء اصحاب رسول سے محبت پر۔ صاحب انصاف عقل مند ہرگز بغض صحابہؓ کو اس کی حب پر ترجیح نہیں دے سکتا۔ اور پیغمبر ﷺ سے دوستی کی وجہ سے سب کو دوست رکھے گا۔

حضور ﷺ نے فرمایا:

"جو شخص میرے صحابہ کرامؓ سے محبت رکھتا ہے وہ دراصل مجھ سے محبت رکھنے کی وجہ سے ان سے محبت رکھتا ہے اور جو ان سے بغض و

Marfat.com

عداوت رکھتا ہے وہ دراصل مجھ سے بغض وعداوت کی وجہ سے ایسا کرتا ہے۔"

تعجب ہے کہ خوارج کو اہلسنّت نے قتل کیا اور اہل بیتؑ کے دشمنوں کی بیخ کنی بھی انہوں نے کی ہے اس وقت رافضیوں کا نام ونشان بھی نہ تھا اور اگر تھا بھی تو نہ ہونے کے برابر۔ مگر یہ لوگ اپنے زعم فاسد سے اہل بیتؑ کا محب رفضہ کو تصور کرتے ہیں اور اہلسنّت کو روافض کہتے ہیں۔ عجب معاملہ ہے کہ کبھی تو اہلسنّت کو خوارج میں سے شمار کرتے ہیں جو افراط محبت نہیں رکھتے اور کبھی ان بزرگوں میں نفس محبت کا احساس کرتے ہوئے انہیں روافض سمجھنا شروع کر دیتے ہیں۔ لہٰذا ان رافضیوں نے اپنی جہالت کی وجہ سے اہلسنّت کے اولیاء عظام کو جو اہل بیتؑ کی محبت کا دم بھرتے ہیں۔ در آل محمد ﷺ کی حُب کا اظہار کرتے ہیں' روافض میں گمان کرتے ہیں اور اہلسنّت میں سے بہت سے علمائے کرام کو جو اس محبت میں افراط سے روکتے ہیں اور حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی تعظیم وتوقیر میں کوشش کرتے ہیں' خارجی جانتے ہیں۔ ان کی نامناسب جراتوں پر افسوس ہزار افسوس--- اللہ تعالیٰ ہمیں اس محبت میں افراط و تفریط سے بچائے۔

اہلسنّت کا یہی گناہ ہے کہ وہ اہل بیتؑ کی محبت کے ساتھ ساتھ سرور کائناتؐ کے سب صحابہؓ کی تعظیم وتوقیر بھی بجالاتے ہیں اور صحابہ کرامؓ میں سے کسی کو بھی ان کی باہمی مخالفتوں اور تنازعات کے باوجود برائی سے یاد نہیں کرتے۔

امام شافعی فرماتے ہیں نیز حضرت عمر بن عبدالعزیز سے منقول ہے۔

"یہ وہ خون ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھوں کو پاک رکھا تو ہمیں چاہیے کہ اپنی زبانوں کو بھی ان سے پاک رکھیں۔"

اور اسی طرح حدیث نبوی میں آیا ہے۔

"جب میرے اصحاب کا ذکر ہو تو اپنی زبانوں/کو بند رکھو۔"

(روایت مسعود ثوبان)

Marfat.com

یعنی میرے صحابہ کا ذکر ہو اور ان کے تنازعات کے تذکرے چھڑیں تو تم احتیاط کرو اور انہیں ایک دوسرے پر ترجیح نہ دو۔

لیکن جمہور اہلسنّت اس دلیل کی بناء پر جو انہیں معلوم ہوئی ہے اس پر ہیں کہ حق حضرت امیرؑ کی طرف تھا اور آپ کے مخالف خطا پر تھے۔ لیکن یہ خطا چونکہ خطائے اجتہادی ہے اس لیے ملامت و طعن سے دور اور تشنیع و تحقیر سے پاک و مبرا ہے۔ حضرت امیرؑ سے منقول ہے۔

"ہمارے بھائیوں نے ہم پر بغاوت کی ہے وہ نا کافر ہیں نافاسق۔ کیونکہ انہیں تاویل کی گنجائش حاصل ہے جو انہیں کفر فسق سے بچاتی ہے۔"

پس اہلسنّت اور وہ دوسرا گروہ حضرت امیرؑ سے لڑنے والوں کو خطاکار کہتے ہیں اور دونوں ہی حضرت امیرؑ کی حقیقت کے بھی قائل ہیں۔ لیکن اہلسنّت لفظ خطا سے زیادہ حضرت امیرؑ سے لڑنے والوں کے حق میں کچھ تجویز نہیں کرتے اور زبان کو طعن و تشنیع سے بچاتے ہیں اور صحبت خیرالبشر ﷺ کے حق میں حفاظت کرتے ہیں کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے۔

"میں تمہیں تاکید کرتا ہوں کہ میرے صحابہؓ کے بارے میں اللہ سے ڈرو میرے بعد انہیں نشانہ نہ بنانا۔" (ترمذی شریف)

"میرے صحابہؓ ستاروں کی طرح ہیں تم ان میں جس کی اقتدار کرو گے ہدایت پاؤ گے۔"

اور بھی بہت سی احادیث تمام صحابہ کرام کی تعظیم و توقیر میں وارد ہوئی ہیں۔ بس تمام صحابہ کو معزز و مکرم جاننا چاہیے اور ان کی لغزشوں کو اچھے مطالب پر محمول کرنا چاہیے۔

بعض لوگوں نے شاید پیغمبر ﷺ کے اہل بیتؑ کو اپنی طرح سمجھ رکھا ہے اور انہیں بھی ابوبکر رضی اللہ عنہ، و عمر رضی اللہ عنہ کا دشمن خیال کر لیا ہے اور یہ لوگ تقیہ کے مطابق اہل بیتؑ کو بھی منافق اور دھوکہ باز گمان کرتے ہیں اور اعتقاد کیا ہوا ہے کہ

Marfat.com

حضرت امیرؑ تیس سال تکیے کے طور پر خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم سے منافقانہ طریقے سے ہم پیالہ اور ہم نوالہ رہے ہیں اور ناحق ان کی تعظیم و توقیر کرتے ہیں۔ خدا جل شانہ نہ کرے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ اور باقی صحابہ کرامؓ اہل بیتؑ کے دشمن ہوں اور آل محمدؐ کے ساتھ بغض رکھیں۔ کاش کہ یہ اہل بیتؑ کے دشمنوں کو گالیاں دیتے اور اس مغموم فعل کے لیے اکابر صحابہ کرامؓ کے اسمائے گرامی منتخب نہ کرتے۔ اور ان بزرگوں سے بدظنی پیدا نہ کرتے۔ اس صورت میں اس بات میں ان کی مخالفت، اہلسنت سے ختم ہو جاتی۔ کیونکہ اہلسنت بھی اہل بیتؑ کے دشمنوں کے دشمن ہیں اور ان کی طعن و تشنیع کے قائل ہیں۔

یہ اہلسنت کی خوبی ہے کہ شخص معین کو جو انواع کفر میں مبتلا ہو۔ اسلام و توبہ کے احتمال نے دوزخی سے نہیں کہتے اور لعنت کا اطلاق اس کیلئے جائز قرار نہیں دیتے۔ کافروں میں عموماً لعنت جائز سمجھتے ہیں۔ لیکن کسی معین کافر پر اس وقت تک لعنت کرنا جائز نہیں سمجھتے۔ جب تک اس کا سوء خاتمہ دلیل قطعی سے معلوم نہ ہو جائے اور یہ لوگ بے تحاشہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ و حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر لعنت کرتے اور اکابر صحابہ کرامؓ کو گالیوں اور طعن و تشنیع کا نشانہ بناتے ہیں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ان کو راہ راست اِختیار کرنے کی ہدایت دے۔

اس بحث میں دو مقام پر اہلسنت اور مخالفین میں اِختلاف، عظیم پایا جاتا ہے۔ مقام اول یہ ہے۔ اہلسنت چاروں خلفاء کی خلافت کے حق اور درست ہونے کے قائل ہیں اور چاروں کو خلفاء برحق جانتے ہیں۔ کیونکہ صحیح حدیث میں جو غیب کی خبروں میں سے ہے۔ آیا ہے۔

"اَلْخِلَافَةُ بَعْدِی ثَلَاثُوْنَ سَنَة"

"میرے بعد خلافت تیس سال کی ہوگی۔"

اور یہ مدت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بعد حضرت حسنؑ کی مختصر خلافت کے ساتھ مکمل ہو گئی۔ لہٰذا اس حدیث کے مصداق چاروں خلفاءؓ ہیں اور اس

Marfat.com

حدیث کے مطابق ترتیبِ خلافت بھی برحق قرار پاتی ہے۔ اور مخالفین تین خلفاء کی خلافت کی حقیقت کے منکر ہیں اور ان کی خلافت کو غضب و غلبہ سے منسوب کرتے ہیں اور اَمام برحق صرف حضرت علیؑ کو تصور کرتے ہیں۔ اور آپ نے جو تین خلفاء کی بیعت کی ہے اس کو تقیہ پر محمول کرتے ہیں اور خیرالانام علیہ و علیٰ اصحابہ الصلواۃ والسلام کی آپس کی صحبت و دوستی کو نفاق پر محمول کرتے اور ایک دوسرے کے ساتھ حسن سلوک اور نرمی کو فریب اور دھوکہ تصور کرتے ہیں۔ حالانکہ حق سبحانہ تعالیٰ اپنے کلام مجید میں انہیں رُحَمَا بَینھم (آپس میں شفیق ارمہربان) فرماتا ہے۔ اللہ سبحانہ ایسے گروہ کے برے اعتقاد سے بچائے۔

یہ لوگ جب سابقین اُمت (صحابہ کرامؓ) کو اِن برے اِخلاق سے متعصف کرتے ہیں تو متاخرین اُمت میں کیا بھلائی اور خیریت پائیں گے اِن لوگوں نے شاید آیات قرآنی اور احادیثِ نبویؐ جو صحبت خیرالبشر ﷺ اور حضور ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی افضلیت اور اس امت کی' خیریت و افضلیت میں وارد ہوئی ہیں نہیں دیکھیں یا اگر دیکھیں تو ان پر ایمان نہیں۔

قرآن و حدیث صحابہ کرام کی تبلیغ سے ہم تک پہنچی ہیں۔ جب صحابہ کرام مطعون ٹھہرے تو جو دین ان کے ذریعہ ہم تک پہنچا ہے نیز مطعون اور ناقابل اعتماد ہو گا۔

اور اگر فرضاً حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حق میں تقیہ جائز بھی رکھا ہے تو یہ لوگ حضرت امیرؑ کے ان اَقوال کے متعلق کیا کہیں گے۔ جو فضیلتِ شیخینؓ میں ان سے بطریق تواتر منقول ہیں۔ اسی طرح آپ کے ان کلمات قدسیہ کے بارے میں کیا کہیں گے۔ جو آپ سے اپنی خلافت و مملکت کے زمانے میں خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی حقیقتِ خلافت کے متعلق صادر ہوئے۔ کیونکہ تقیہ یہی ہے کہ اپنی خلافت کی حقیقت چھپائے اور تین خلفاء کی خلافت کا بطلان ظاہر نہ کرے۔ لیکن تینوں خلفاءؓ کی حقیقت ظاہر کرنا اور فضیلت شیخین کا بیان اس تقیہ

سے بالکل علیحدہ اَمر ہے۔ جس کے صدق صواب کی کوئی صورت نہیں اور تقیہ کی تاویل سے بھی اس کی تردید کی کوئی صورت نہیں۔

تو اے مخاطب! میں تجھے کہتا ہوں کہ اکابر دین اور کبرائے اسلام پر طعن کرنے سے پرہیز کر۔ جنہوں نے کلمہ اسلام بلند کرنے اور سید انام ﷺ کی مدد و نصرت میں پوری کوشش کی اور رات دن پوشیدہ اور ظاہر دین کی تائید کے لیے اپنے اَموال خرچ کیے۔ حُب رسول ؐ کی خاطر اپنے خاندان' اپنے قبیلے' اپنی اُولاد' اپنی بیویاں' اپنے وطن' اپنے مکانات' اپنے چشمے' اپنی کھیتی باڑیاں' اپنے درخت اور نہریں سب کچھ چھوڑ دیا۔ رسول پاک ﷺ کی ذات کو اپنی ذات پر ترجیح دی اور اپنے اَموال اور اپنی اولاد کی محبت کے مقابلے میں آپ ؐ کی محبت کو اِختیار کیا اور آپ ؐ کی صحبت میں برکات نبوت سے سرفراز ہوئے اور وحی کا مشاہدہ نصیب ہوا اور حضور ملائکہ سے بھی مشرف ہوئے اور خوارق و معجزات دیکھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ یہاں تک کہ اِنکا غیب شہادت اور اِن کا علم عین بن گیا اور انہیں یقین کی وہ دولت عطا کی گئی جو بعد میں کسی کو نصیب نہ ہو سکی۔ یہی وہ حضرات ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں صفت و ثناء کی ہے اور اللہ ان سے راضی ہو چکا اور وہ اللہ سے۔ ایسا ہی ان کا حال تورات میں ہے اور ایسا ہی حال انجیل میں مذکورہ ہے۔ یہ اس کھیتی کی مانند ہیں جس نے سبز گھاس اگائی۔ پس اسے قوی اور طاقتور کیا پھر وہ موٹی ہوئی پھر وہ اپنے تنے پر کھڑی ہو گئی۔ کسان کو بڑی خوش نما معلوم ہوتی ہے تاکہ اللہ ان کے ساتھ کافروں کو غیظ و غضب میں مبتلا کرے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں صحابہ سے ناراض رہنے والوں کو کفار کہا ہے۔ اس لیے میں بار بار کہتا ہوں کہ صحابہ کرام ؓ سے بغض رکھنے سے بالکل اس طرح بچنا چاہیے جس طرح کفر سے۔

اَمام ابو یوسف کے لیے درجہ اجتہاد پا لینے کے بعد اَمام ابو حنیفہ ؒ کی تقلید خطا ہے اور درست و صواب یہ ہے کہ وہ اپنے رائے کی تقلید کریں۔ اَمام شافعی ؒ'

Marfat.com

صحابی کے قول کو اپنی رائے پر مقدم نہیں رکھتے۔ چاہے جو صحابی بھی ہو۔ خواہ وہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ یا حضرت علیؓ ہی ہوں اور اپنی رائے پر عمل کرنے کو درست جانتے ہیں۔ اگرچہ قول صحابی کے مخالف ہی ہو۔ جب مجتہد کے لیے صحابہ کرامؓ کی رائے سے مخالفت کی گنجائش ہے تو اگر صحابہ کرامؓ آپس میں ایک دوسرے سے اِختلاف کریں تو کیوں مطعون قرار پائیں گے۔ یا ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ نے اُمور اجتہاد میں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اِختلاف کیا ہے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رائے مبارک کے خلاف نزول وحی کے باوجود حکم کیا ہے۔ لیکن وحی میں اِن کی مذمت اور اِن کے اختلاف پر مخالفت وارد نہیں ہوئی۔ جیسا کہ پہلے مذکور ہوا اگرچہ یہ اختلاف حق جل شانہ کو ناپسند اور نامقبول ہوتا تو ضرور اس سے روک دیا جاتا اور اِختلاف کرنے والوں کے متعلق وعید نازل ہوتی۔ تم نہیں دیکھتے کہ جو لوگ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ گفتگو کے دوران آواز بلند کرتے تھے کس سختی کے ساتھ انہیں آواز بلند کرنے سے روکا گیا اور اِس فعل پر وعید اور ڈانٹ نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

"اے اِیمان والو! اپنی آوازیں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز سے اونچی نہ کرو۔ اور نہ ان سے چلا کر بات کرو۔ جس طرح تم ایک دوسرے سے چلا کر بات کرتے ہو تاکہ تمہارے اَعمال ضائع نہ ہو جائیں اور تمہیں شعور بھی نہ ہو۔"

Marfat.com

اقوال علی کرم اللہ وجہہ

داراو سکندر سے وہ مرد فقیر اولیٰ
ہو جس کی فقیری میں بوئے اسداللہی

سید الفقہاء و حکما مولائے کائنات جناب علی کرم اللہ وجہہ الکریم بلاشبہ ایک بحرالعلم تھے اور آپ کے تمام اقوال کو چند صفحات میں سمیٹنا ایک امر محال ہے۔ لیکن اس بحر کے چند قطرات سے فیض یاب ہونے کی خاطر چند اہم و مختصر مگر جامع اقوال درج ذیل ہیں۔ آپ فرماتے ہیں۔

1۔ کشادہ روئی سے پیش آنا سب سے پہلی نیکی ہے۔

2۔ انسان کی بزرگی تھوڑا بولنے اور اس کی فضیلت کثرت تحمل سے ظاہر ہوتی ہے۔

3۔ خلق خدا کے ساتھ نیکی کرنے سے جس قدر شکرگزاری ہوتی ہے۔ وہ اور کسی صورت میں نہیں ہو سکتی۔

4۔ جب آدمی کا خلق اچھا ہو۔ تو کلام لطیف ہو جاتا ہے۔

5۔ جب کسی احسان کا بدلہ ادا کرنے سے تیرے ہاتھ قاصر ہوں۔ تو زبان سے اس کا شکریہ ضرور ادا کر۔

6۔ جو حقوق تیرے نفس کے ذمہ قرض ہیں۔ ان کے ادا کرنے کا تو خود اس سے تقاضا کر تاکہ تو اوروں کے تقاضے سے محفوظ رہے۔

7۔ جب کسی آدمی میں کوئی ٹیڑھی خصلت معلوم ہو تو اس بات کا منتظر رہ کہ اس میں اس قسم کی اور خصلتیں بھی موجود ہوں گی۔

8۔ انسان کے چہرہ کا حسن خدا تعالیٰ کی عمدہ عنایت ہے۔

9۔ کارخانہ قدرت میں فکر کرنا بھی عبادت ہے۔

10۔ دوسروں کے حال پر غور کرنے سے نصیحت حاصل ہوتی ہے۔

11۔ عقلمند آدمی ہمیشہ فکر و غم میں مبتلا رہتا ہے۔

12۔ برائیوں سے پرہیز کرنا نیکیوں کو کمانے سے بہتر ہے۔

13۔ اگرچہ کوئی قدر شناس نہ ملے۔ مگر تو اپنی نیکی کو بند نہ کر۔

14۔ عقیدہ میں شک رکھنا شرک کے برابر ہے۔

15۔ صدق دل کے ساتھ سو رہنا اس نماز سے بہت بہتر ہے۔ جو شک کے ساتھ ادا کی جائے۔

16۔ جب تک کسی شخص کا حال پوری طرح معلوم نہ ہو۔ اس کی نسبت بزرگی کا اعتقاد نہ رکھ۔

17۔ قابل صحبت بہت کم لوگ ہیں۔

18۔ بدکاروں کی صحبت سے بچا رہ کیونکہ برائی برائی سے جلد مل جاتی ہے۔

19۔ بے موقع حیا بھی باعث محرومی ہے۔

20۔ گناہوں سے نادم ہونا بھی گناہوں سے معافی مانگنا ہے۔

21۔ گناہوں پر نادم ہونا ان کو مٹا دیتا ہے اور نیکیوں پر مغرور ہونا ان کو برباد کر دیتا ہے۔

22۔ برا کام جو لوگوں کے سامنے کرنا مناسب نہیں اسے چھپ کر بھی نہ کرنا چاہیے۔

Marfat.com

23۔ مشورہ باعث تقویت ہے۔
24۔ شکر نعمت حصول نعمت کا باعث اور ناشکری حصول زحمت کا باعث ہے۔
25۔ کسی دوسرے کے گرنے پر خوشی مت کر۔ کیا معلوم! کل کو تیرے ساتھ کیا ہو گا۔
26۔ ادب بہترین کمالات اور خیرات افضل ترین عبادات سے ہے۔
27۔ سخاوت کے ساتھ احسان رکھنا نہایت کمینگی ہے۔
28۔ بہترین بخشش وہ ہے جو سوال سے پہلے کی جائے۔
29۔ مال فتنوں کا سبب حوادث کا ذریعہ تکلیف کا باعث اور رنج و مصیبت کی سواری ہے۔
30۔ بے شک لوگ سونے چاندی کی نسبت اچھے ادب کے زیادہ محتاج ہیں۔
31۔ دولت مندی کی مستی سے خدا کی پناہ مانگو۔ یہ ایک ایسی لمبی مستی ہے کہ اس سے بہت دیر میں ہوش آتا ہے۔
32۔ جو مال دینے میں سب سے زیادہ بخیل ہو۔ وہ اپنی عزت کے دینے میں سب سے زیادہ سخی ہوتا ہے۔
33۔ دولت' حکومت اور مصیبت میں انسان کی عقل کا امتحان ہوتا ہے۔
34۔ کمینوں کی دولت تمام مخلوق کے واسطے مصیبت ہے۔
35۔ تنگ دستی جسے لوگ معیوب سمجھیں۔ اس مالداری سے اچھی ہے جس سے انسان گناہوں اور خرابی میں مبتلا ہو کر ذلیل و رسوا ہو۔
36۔ تنگ دست آدمی جو رشتہ داروں سے میل ملاپ رکھے۔ اس مالدار سے اچھا ہے جو ان سے قطع کرے۔
37۔ تنگ دستی میں سخاوت کی کوئی صورت نہیں اور کھانے کی حرص کے ساتھ صحت کی کوئی دلیل نہیں۔
38۔ حرص سے کچھ روزی نہیں بڑھ جاتی۔ مگر آدمی کی قدر گھٹ جاتی ہے۔

39۔ تواضع علم کا ثمرہ ہے۔
40۔ لوگوں کے پاس عاجزی کرنے سے ان سے ناامید رہنا اچھا ہے۔
41۔ آدمی اگر عاجز ہو اور نیک کام کرتا رہے تو اس سے اچھا ہے کہ قوت رکھے اور بُرے کام نہ چھوڑے۔
42۔ ظلم نعمتیں دور کرتا اور سرکشی عذاب لاتی ہے
جو کہ ظالم ہے وہ ہرگز پھولتا پھلتا نہیں۔
43۔ بے قراری کچھ تقدیر الٰہی کو نہیں مٹاتی لیکن اجر و ثواب کو ضائع کرتی ہے۔
44۔ غضب سے بچارہ کہ اس کا شروع جنون اور آخر ندامت ہے۔
45۔ تمام لوگوں میں نیک کام پر سب سے زیادہ قادر وہ شخص ہے جسے غصہ نہ آئے۔
46۔ اے اہل غرور! تمہیں دنیا کی کسی چیز نے مغرور بنا رکھا ہے۔ حالانکہ یہ ایک ایسا گھر ہے کہ اس میں بھلائی بہت قلیل اس میں طرح طرح کے شر موجود اس کی نعمتیں سریع الزوال اس سے صلح رکھنے والا مغلوب اس کا مالک درحقیقت مملوک اور اس کا سامان آخر کار متروک ہے۔
47۔ دنیا ایک ایسا گھر ہے جس کا اول تکلیف اور اس کا آخر خوفناک ہے۔ اس کی حلال چیزوں پر حساب اور حرام پر عذاب ہوگا جو شخص غنی ہے۔ وہ اکثر فتنے میں مبتلا اور جو فقیر و محتاج ہے وہ غم میں گرفتار ہے۔
48۔ دنیا اگر آنے لگے تو آتی ہی رہتی ہے اور اگر پیٹھ پھیر جائے تو چلی ہی جاتی ہے۔
49۔ دنیا ایسی مصیبتوں اور موتوں کا مجموعہ ہے جو سخت تکلیف دہ اور غیر مختتم ہیں۔
50۔ دین کی درستی دنیا کے نقصان کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔
51۔ جب کسی آدمی کی طرف دنیا متوجہ ہو تو اسے دوسروں کی خوبیاں پہنا دیتی

Marfat.com

ہے اور جب کسی سے پیٹھ پھیرے تو اس کی اپنی خوبیاں بھی چھین لیتی ہے۔

52۔ خدا کی رحمت سے ناامید ہونا نہایت نقصان دہ ہے۔

53۔ انسان کی سب آرزوئیں پوری ہونے والی نہیں اور میں نے اپنے رب کو اپنی آرزوؤں کو ٹوٹنے سے پہچانا ہے۔

54۔ طول امل اور خلوص عمل کبھی جمع نہیں ہو سکتے۔

55۔ فضول امیدوں پر بھروسہ کرنے سے بچا رہ کہ یہ احمقوں کا سرمایہ ہے۔

56۔ سب سے بڑی مصیبت انقطاع امیدواری ہے۔

57۔ جو شخص بڑی بڑی امیدیں باندھتا ہے وہ موت کو بہت کم یاد کرتا ہے۔

58۔ جب تم امیدیں باندھتے باندھتے دور جا پہنچو تو موت کی ناگہانی آمد کو یاد کرو۔

59۔ کسی چیز سے اچھی طرح ناامید ہو جانا اس کی طلب میں ذلت اٹھانے سے بہتر ہے۔

60۔ موت ایک بے خبر ساتھی ہے۔

61۔ مال امیدوں کو مضبوط کرتا اور موت آرزوؤں کی جڑ کاٹتی ہے۔

62۔ تکلیف اور تنگی آرام سے اور موت حیات سے نہایت قریب ہے۔

63۔ موت سے بڑھ کر کوئی چیز سچی اور امید سے بڑھ کر کوئی چیز جھوٹی نہیں۔

64۔ زمانہ کے پل پل کے اندر آفات پوشیدہ ہیں۔

65۔ دنیا مسافر خانہ ہے۔ مگر بدبختوں نے اسے اپنا وطن بنا رکھا ہے۔

66۔ عادت پر غالب آنا کمال فضیلت ہے۔

67۔ خواہش پرستی ہلاک کرنے والا ساتھی اور بری عادت ایک زور آور دشمن ہے۔

68۔ خواہش کی تابعداری ایک لاعلاج مرض ہے۔

69۔ عقلمند آدمی اپنے آپ کو پست کر کے بلندی حاصل کر لیتا ہے اور نادان اپنے

Marfat.com

آپ کو بڑھا کر ذلت اٹھاتا ہے۔

70۔ عقلمند وہ ہے جو غیروں سے عبرت حاصل کرے نہ کہ خود دوسروں کے لیے باعث عبرت بنے۔

71۔ ہوشیار وہ ہے جو زمانہ کی روش پر چلے۔ زمانہ باتو نسازد تو بازمانہ بساز۔

72۔ عقلمندی کا ایک نصف بردباری اور دوسرا نصف چشم پوشی ہے۔

73۔ کمینہ کے ساتھ بھلا کرنا نہایت برا فعل ہے۔

74۔ فاسق کی برائی بیان کرنا غیبت نہیں ہے۔

75۔ برا آدمی کسی کے ساتھ نیک گمان نہیں رکھتا۔ کیونکہ وہ ہر ایک کو اپنے جیسا خیال کرتا ہے۔

76۔ فسق و فجور کے مقامات سے دور رہ کہ یہ خدا تعالیٰ کے غضب کا مقام اور اس کے عذاب کے محل ہیں۔

77۔ فرصت کو کھونا بہت بڑی مصیبت ہے۔

78۔ علم مالدار کی زینت اور تنگ دستی کیلئے تونگری کا ذریعہ ہے۔

79۔ علم بے عمل ایک آزار اور عمل بغیر اخلاص بیکار ہے۔

80۔ علم مال سے بہتر ہے۔ کیونکہ علم تمہاری حفاظت کرتا ہے اور تم مال کی حفاظت کرتے ہو۔

81۔ علم کی خوبی اس پر عمل کرنے اور احسان کی خوبی اس کے نہ جتلانے پر منحصر ہے۔

82۔ جس بات کا علم نہ ہو اسے برا مت سمجھو ہو سکتا ہے کہ کئی باتیں ابھی تک تمہارے کان تک نہ پہنچی ہوں۔

83۔ خودستائی کے برابر کوئی حماقت اور علم سے زیادہ کوئی رہنما نہیں۔

84۔ تھوڑا علم فساد عمل کا موجب ہے اور صحت عمل صحت علم پر منحصر ہے۔

85۔ علم کے بیان کرنے والے تو بہت ہیں۔ لیکن اس پر عمل اور اس کی حفاظت

کرنے والے بہت تھوڑے ہیں۔

86۔ اپنی لاعلمی کے اظہار کو کبھی برا نہ سمجھو۔

87۔ دوستی ایک خود پیدا کردہ رشتہ ہے۔

88۔ دشمن ایک بھی بہت ہے اور دوست زیادہ بھی تھوڑے ہیں۔

89۔ غریب وہ ہے جس کا کوئی دوست نہیں۔

90۔ دنیاداروں کی دوستی ایک معمولی اور ادنیٰ بات سے دور ہو جاتی ہے۔

91۔ اگر کوئی قابل شخص دوستی کے لائق نہ ملے تو کسی نااہل سے دوستی مت کر۔

92۔ دوست سے دھوکہ کھانے اور دشمن سے مغلوب ہونے بچارہ۔

93۔ انسان جو حالت اپنے لیے پسند کرے' اسی حالت میں رہتا ہے۔

94۔ تجربہ سے پہلے کسی پر اطمینان کرنا ہوشیاری کے خلاف ہے۔

95۔ تجربے کبھی ختم نہیں ہوتے اور عقلمند وہ ہے جو ان میں ترقی کرتا ہے۔

96۔ بات کی جانچ کر اور کہنے والے کی طرف خیال نہ کر کہ کون ہے۔

97۔ جب تک کسی شخص سے بات چیت نہ ہو اُسے حقیر نہ سمجھو۔

98۔ حق نہایت زبردست مددگار اور جھوٹ بہت ہی کمزور معاون ہے۔

99۔ سچائی میں اگرچہ خوف ہو مگر باعثِ نجات ہے اور جھوٹ میں گو اطمینان ہو مگر موجب ہلاکت ہے۔

100۔ سچا آدمی سچائی کی بدولت اس مرتبہ کو پہنچ جاتا ہے جسے جھوٹا اپنے مکروہ حیلہ سے نہیں پا سکتا۔

101۔ جیسے جہالت کی بات کہنے میں کوئی خوبی نہیں' ایسا ہی حق سے چپ رہنے میں کوئی بھلائی نہیں۔

102۔ صبر ایک ایسی سواری ہے جو کبھی ٹھوکر نہیں کھاتی۔

103۔ صبر کی نسبت بے قراری زیادہ تکلیف دہ ہے۔

104۔ مصیبت میں گھبرانا کمال درجہ کی مصیبت ہے۔

105۔ قانع ان آفات سے نجات پاتا ہے جو لالچی کو پیش آتی ہیں۔
106۔ حرام کاموں سے نفس کو روکنا بھی صبر کی دوسری قسم ہے۔
107۔ مصائب کا مقابلہ صبر سے اور نعمتوں کی حفاظت شکر سے کرو۔
108۔ بردباری بے عقلی کی سرپوش ہے۔
109۔ معافی نہایت اچھا انتقام ہے۔
110۔ جلدی سے معاف کرنا انتہائی شرافت اور انتقام میں جلدی کرنا انتہائی رذالت ہے۔
111۔ دشمن کے حسن سلوک پر بھروسہ مت کر، کیونکہ پانی کو آگ سے کتنا ہی گرم کیا جائے پھر بھی وہ اس کے بجھانے کو کافی ہے۔
112۔ وہ مصیبت جس کے ثواب کی امید ہو اس نعمت سے اچھی ہے جس کا شکر ادا نہ کرو۔
113۔ لوگوں کے سامنے نصیحت کرنا ایک طرح کی ملامت ہے۔
114۔ اپنا واجبی حق لینے میں کبھی کوتاہی نہ کرو۔ البتہ دوسروں کے غصب حقوق سے بچو۔
115۔ اقرار جرم مجرم کے لیے بہت اچھا سفارشی ہے۔
116۔ دوسروں کے سینے سے شر اس طرح دور کر کہ پہلے تو اپنے سینے کی صفائی کر لے۔
117۔ ایک وقت بھاگ جانا بھی ایک قسم کی فتح مندی ہے۔
118۔ جلد باز آدمی اکثر اپنے کیے پر نادم ہوتا ہے۔ اگر نادم نہ ہو تو سمجھو کہ اس کا جنون مستحکم ہو گیا۔
119۔ انسان کی قابلیت اس کی زبان کے نیچے پوشیدہ ہے۔
120۔ ہوشیاری اس کا نام ہے کہ انسان اپنے تجربہ کو محفوظ رکھے اور اس کے مطابق کام کرے۔

Marfat.com

121۔ انسان کی قدرت کا اندازہ اس کی ہمت سے اس کی صداقت کا اس کی مروت سے اس کی شجاعت کا اس کی حمیت سے اور اس کی پاکدامنی کا اس کی غیرت سے ہوتا ہے۔

122۔ شریر عورتوں سے بالکل برکنار رہو اور جو بھلی مانس معلوم ہوں ان سے بھی ہوشیار رہو۔

123۔ جب کوئی شخص کسی عورت کو دیکھے اور اسے پسند کرے تو وہ اپنی عورت سے ہم بستری کرے کیونکہ جیسی وہ عورت ہے ویسی ہی اس کی اپنی عورت ہے۔

124۔ ظالموں سے عذاب اور مظلوموں سے نصرت الٰہی نہایت قریب ہے۔

125۔ صاحب علم اگرچہ حقیر حالت میں ہو اسے ذلیل نہ سمجھ۔ بے وقوف اگرچہ بڑے مرتبہ پر ہو' اسے بڑا مت خیال کر۔

126۔ جاہلوں کی صحبت سے پرہیز کرو۔ ان سے دور رہو اور ان کو اپنے پاس سے دور رکھ کیونکہ بہت سے جاہلوں نے عقلمندوں کو ہلاک کیا ہے۔

127۔ علماء اس لیے غریب و بے کس ہیں کہ جاہل لوگ زیادہ ہیں جو ان کی قدر نہیں سمجھتے۔

128۔ شریف کی پہچان یہ ہے کہ جب اس سے کوئی سختی کرے تو سختی سے پیش آئے اور جب اس سے کوئی نرمی کرے تو نرم ہو جائے اور کمینہ کی شناخت یہ ہے کہ جب اس سے کوئی نرمی کرے تو سختی سے پیش آئے اور جب کوئی سختی کرے تو ڈھیلا ہو جائے۔

129۔ عقلمند اگر خاموش رہے تو قدرت الٰہی میں فکر کرتا ہے اور جب نگاہ اٹھا کر دیکھے تو عبرت حاصل کرتا ہے۔ (یہی مقام نقشبندیت ہے۔)

130۔ کمینہ اس کے کہنے پر چلتا ہے جو اسکا ہم خیال ہو اور اسی سے اس کو محبت ہوتی ہے جو اس جیسا ہو۔

131۔ کمینہ سے بھلائی کی امید رکھنا فضول اس کے شر سے بچنا مشکل اور اس کے فریبوں سے سلامت رہنا دشوار ہے۔

132۔ شرافت اپنی بلند ہمتی سے حاصل ہوتی ہے نہ کہ باپ دادا کی بوسیدہ ہڈیوں پر فخر کرنے سے ہے۔

حیدری فقر ہے' نے دولت عثمانی ہے
تم کو اسلاف سے کیا نسبت روحانی ہے

133۔ کم عقل سے دوستی پیدا کرنا اپنی کم عقلی جتانا ہے۔

134۔ اچھے لوگوں کے واسطے یہ بہت بڑی مصیبت ہے کہ انہیں شریروں کی خاطر مدارت کی ضرورت پیش آئے۔

135۔ جاہلوں کی دوستی متغیر الحال اور سریع الزوال ہے۔

136۔ آدمی کی عقل اس کے کلام کی خوبی سے اور شرافت اس کے افعال کی عمدگی سے ظاہر ہوتی ہے۔

137۔ شریروں کی کوئی اچھی بات دیکھ کر اس کے دھوکے میں نہ آ اور شریف کی سختی یا غلطی دیکھ کر اس سے متنفر نہ ہو جا۔

138۔ خدا کی اطاعت اپنی جان پر جبر کرنے کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔

139۔ جب کوئی بندہ خدائے پاک کے ساتھ حسن ظن رکھتا ہے تو خدا تعالیٰ اس کے حسن ظن کے موافق اس کے ساتھ معاملہ کرتا ہے۔

140۔ جب تجھے خالق کا خوف آئے تو بھاگ کر اس کی بارگاہ میں پناہ لے اور جب مخلوق کا ڈر ہو تو ان سے دور بھاگ جا۔

141۔ جب کسی کام میں اللہ تعالیٰ کی حکمت معلوم نہ ہو تو اپنے خیالات کو آگے نہ بڑھا۔

142۔ اللہ تعالیٰ کے عذاب کا اتنا بڑا خوف رکھ کہ جو اس کے باعث اس کی رحمت سے ناامید نہ ہو جائے اور اس کی رحمت کی امید ایسی رکھ کہ اس کی وجہ سے

Marfat.com

اس کے عذاب کا ڈر نہ بھول جائے۔

143۔ اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے والا اس کا ہم مجلس اور اس کا ذکر کرنے ولا اس کا مونس ہے۔

144۔ خدا تعالیٰ اس مرد پر اپنا رحم کرے گا جو آثار قدرت میں فکر کرتا ہے اس سے عبرت پذیر ہوتا سلسلہ کائنات کو عبرت کی نگاہ سے دیکھتا اور اس سے بصیرت حاصل کرتا ہے۔

145۔ بصارت کا چلا جانا چشم بصیرت کے اندھا ہونے سے بہتر ہے۔

146۔ امن کی طرف رستہ مل جانے کی صورت میں خوف کی حالت میں مقیم رہنا نادانی ہے۔

147۔ اپنی عقلوں کو ناقص سمجھتے رہو کہ عقل پر بھروسہ کرنے نے ضرور غلطی سرزد ہو جاتی ہے۔

148۔ جس کلام کو تو بہت اچھا سمجھتا ہے۔ اس کو مختصر کردے کہ تیرے حق میں نہایت بہتر ہے اور یہ تیرے فضل و کمال کی نشانی ہے۔

149۔ جب عقل کامل ہو جائے تو کلام گھٹ جاتا ہے۔

150۔ جب کلام کم ہو جائے تو آدمی اکثر صحیح بات لکھتا ہے۔

151۔ نیک عمل کا ثواب اس کی مشقت کے اندازہ پر ملتا ہے۔

152۔ خوشامد اور تعریف کی محبت شیطان کا نہایت مضبوط داؤ ہے۔

153۔ بہترین کلام وہ ہے جس سے سننے والے کو ملال نہ ہو اور اس پر بوجھ نہ ہو۔

154۔ حکمت کی بات گویا مومن کی گمشدہ چیز ہے جسے وہ جہاں دیکھتا ہے لے لیتا ہے۔

155۔ ہر ایک شخص سے اس کی سمجھ کے مطابق کام کر۔

156۔ آہستہ بولنا' نیچی نگاہ رکھنا اور میانہ چال سے چلنا ایمان کی نشانی اور دینداری کی خوبی میں داخل ہے۔

Marfat.com

157۔ صلہ رحمی کی بہت سی ایسی صورتیں ہیں کہ ان سے قطع رحم بہتر ہے۔

158۔ رحمت کے مستحق یہ تین شخص ہیں (1) وہ عالم جس پر جاہل کا حکم چلے۔ (2) وہ شریف جس پر کمینہ حاکم ہو۔ (3) وہ نیکو کار جس پر کوئی بد کار مسلط ہو۔

159۔ جو شخص گناہ سے پاک اور بری ہو وہ نہایت دلیر ہوتا ہے اور جس میں کچھ عیب ہو وہ شخص بزدل ہو جاتا ہے۔

160۔ جو شخص کل کو اپنی موت کا دن سمجھتا ہے اسے موت کے آنے سے کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوتی۔

161۔ پانچ باتیں نہایت بری ہیں۔ علماء میں بدکاری' حکماء میں حرص' دولتمندوں میں بخل' بوڑھوں میں زنا کی عادت اور عورتوں میں بے شرمی۔

162۔ سب سے زیادہ سخت گناہ وہ ہے جو اس کے کرنے والے کی نظر میں چھوٹا ہو۔

163۔ سب سے زیادہ بلیغ اور موثر وعظ یہ ہے کہ انسان قبرستان کو دیکھ کر عبرت حاصل کرے۔

164۔ سب سے زیادہ فصیح و بلیغ کلام وہ ہے جو حسن اختصار پر مشتمل ہو۔

165۔ سب سے اچھا کلام وہ ہے جس کی حسن فعل تصدیق کرے۔

166۔ سب سے زیادہ احمق وہ شخص ہے جو دوسروں کی رذیل صفات کو تو برا سمجھے اور خود ان پر جما ہوا ہو۔

167۔ سب سے زیادہ خوش عیش وہ شخص ہے جسے خدا تعالیٰ قناعت اور نیک بیوی عطا فرمائے۔

168۔ سب سے زیادہ مصیبت اس شخص پر ہے جس کی ہمت بلند' مروت زیادہ اور مقدرت کم ہے۔

169۔ بے شک زمین کا پیٹ مردہ اور اس کی پیٹھ بیمار ہے۔

170۔ بے شک خدا تعالیٰ کی یہ بہت بڑی نعمت ہے کہ انسان پر گناہوں کا کرنا دشوار

ہو۔

171۔ بے شک نرم کلام اور عام و خاص سے السلام علیکم کہنا عبادت میں داخل ہے۔

172۔ بے شک تنگ دستی نفس کے لیے ذلت کا باعث' عقل دور کرنے والی اور فکر و غم بڑھانے والی ہے۔

173۔ بے شک دلوں میں برے برے خیالات گزرتے ہیں۔ مگر سلیم عقلیں ان سے باز رہتی ہیں۔

174۔ بے شک دنیا و آخرت کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص کی دو بیویاں ہوں کہ جب ایک کو راضی کرتا ہے تو دوسری ناخوش ہو جاتی ہے۔

175۔ بے شک دنیا مصیبتوں کا گھر ہے۔ جو شخص جلدی کے ساتھ اس سے رخصت ہو جاتا ہے اس کی اپنی جان پر مصیبت آتی ہے اور جسے کچھ مہلت ملتی ہے وہ اپنے دوست احباب اور عزیز و اقارب کے فراق کی مصیبت میں مبتلا ہے۔

176۔ جس شخص نے بندوں کا شکریہ ادا نہیں کیا وہ خدا تعالیٰ کے شکر سے بھی عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔

177۔ جس شخص کا راز اس کے سینے میں نہیں سما سکتا اس کے بچاؤ کی کوئی صورت نہیں۔

178۔ جس شخص کی زبان اس پر حکمران ہو تو وہی اس کی ہلاکت اور موت کا فیصلہ کرتی ہے۔

179۔ جس شخص کی امیدیں چھوٹی ہوتی ہیں اسکے عمل بھی درست ہوتے ہیں۔

180۔ جس شخص کے برائی کرنے پر اس کی شکر گزاری کی جائے وہ شکر گزاری نہیں مسخرگی ہے۔

181۔ جس شخص کا علم اس کی عقل سے زیادہ ہو جاتا ہے وہ اس کے لیے وبال

Marfat.com

ہو جاتا ہے۔

182۔ جس شخص کو علم غنی اور بے پرواہ نہیں کرتا وہ مال سے کبھی مستغنی نہیں ہو سکتا۔

183۔ جس شخص کے اپنے خیالات خراب ہوتے ہیں۔ اس میں دوسروں کی نسبت بدظنی زیادہ ہوتی ہے۔

184۔ جس شخص کے دل میں جتنی زیادہ حرص ہوتی ہے اس کو خدا تعالیٰ پر اتنا ہی کم یقین ہوتا ہے۔

185۔ جو شخص خواہ مخواہ اپنے آپ کو محتاج بناتا ہے وہ محتاج ہی رہتا ہے۔

186۔ جو شخص کسی کے عیب کی تلاش میں رہتا ہے اسے کوئی نہ کوئی عیب مل ہی جاتا ہے۔

187۔ جو شخص کسی بری جگہ جاتا وہ برائی کے ساتھ متہم ہو جاتا ہے۔

188۔ جو شخص خدا تعالیٰ کو بھول جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی جان و جسم بھی بھلا دیتا ہے۔

189۔ جو شخص زیادہ ہنستا ہے۔ اس کی ہیبت کم ہو جاتی ہے۔

190۔ جو شخص حق کے خلاف کرتا ہے خود اللہ تعالیٰ اس کا مقابلہ کرتا ہے۔

191۔ جو شخص اپنے دشمن کے قریب رہتا ہے اس کا جسم غم سے گھل کر لاغر ہو جاتا ہے۔

192۔ جو شخص نیک سلوک کرنے میں درست نہ ہو وہ بد سلوکی سے درست ہو جاتا ہے۔

193۔ جو شخص بندگان خدا پر ظلم کرتا ہے خدا تعالیٰ خود اس کا مدعی ہو جاتا ہے۔

194۔ جو شخص اپنا ہر ایک کام پسند کرتا ہے اس کی عقل میں نقصان آجاتا ہے۔

195۔ جو شخص کسی مصیبت کی شکایت کرتا ہے جو اس پر نازل ہوتی ہے وہ اپنے پروردگار کی شکایت کرتا ہے۔

Marfat.com

196۔ جو شخص کسی ایسے شخص کے ساتھ نیکی کرتا ہے جو اس کے قابل نہ ہو وہ اپنی نیکی پر ظلم کرتا ہے۔

197۔ جو شخص جلدی کے ساتھ ہر ایک بات کا جواب دے وہ ٹھیک جواب بیان نہیں کرتا۔

198۔ جو شخص تجربوں سے بے پرواہی اختیار کرتا ہے وہ انجام کار سوچنے سے اندھا ہو جاتا ہے۔

199۔ جو شخص کسی بُرے کام کی بنیاد ڈالتا ہے وہ اس بنیاد کو اپنی جان پر قائم کرتا ہے۔

200۔ جو شخص اپنے اقوال میں حیاء کا ساتھ رکھتا ہے وہ اپنے افعال میں بھی اس سے دور نہیں ہوتا۔

201۔ جو شخص چھوٹی مصیبتوں کو بڑا سمجھتا ہے خدا تعالیٰ اسے بڑی مصیبتوں میں مبتلا کرتا ہے۔

202۔ جو شخص اپنی قدر آپ نہیں جانتا تو کوئی دوسرا شخص بھی اس کی قدر نہیں پہچانتا۔

203۔ جو شخص خود اپنے نفس کی اصلاح نہیں کرتا۔ وہ دوسروں کے حق میں بھی مصلح نہیں بن سکتا۔

204۔ جو شخص اپنی بیداری سے مدد نہیں لیتا وہ محافظوں کی نگہبانی سے فائدہ نہیں اٹھاتا۔

205۔ جو شخص کسی کے احسان کا شکر گزار نہیں وہ آئندہ اس سے ضرور محروم ہو جاتا ہے۔

206۔ جو شخص برائی کا نقصان نہیں جانتا وہ اس کے واقع ہونے سے نہیں بچ سکتا اور جو شخص بھلائی کا فائدہ معلوم نہیں کرتا وہ اس کے کرنے پر قادر نہیں ہوتا۔

Marfat.com